جاں فروش
ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

وہ ایک سرد اور کہر آلود رات تھی جب میں اپنی ملٹری انٹیلی جنس کی جیپ میں "سارنگ ہاؤس" پہنچا تھا۔

میرے ساتھ میری والدہ اور چھوٹی بہن سلطانہ بھی تھیں۔

"سارنگ ہاؤس" وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی ایک پرشکوہ اور عظیم الشان کوٹھی تھی، جو لاہور کے ایک بہت بڑے تاجر...... سیٹھ اصغر خان کی ملکیت تھی۔

کوٹھی میں اس وقت خاصی گہما گہمی نظر آتی تھی۔ پوری کوٹھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی اور کسی نوخیز دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ رنگ برنگ برقی قمقمے...... گارڈینا کی باڑ سے لے کر دیوار کی منڈھیروں پر وسیع و عریض لان کے خوشنما پودوں اور بل کھاتے بیل بوٹوں کی ہم رکابی میں جگمگا رہے تھے۔

کوٹھی کے اندر باہر...... متعدد نئے ماڈل کی چمچماتی کاریں، پیجارو، لینڈ کروزر اور ڈبل کیبن، انٹر کولر گاڑیاں کھڑی نظر آ رہی تھیں جو اپنے مالکوں کی امارت کا بین ثبوت پیش کر رہی تھیں۔

کوٹھی کی دروں و بروں سج دھج سے عیاں ہوتا تھا کہ یہاں کسی پرتکلف تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا...... اور...... حقیقت بھی یہی تھی کہ...... سیٹھ اصغر خان کی اکلوتی بیٹی...... صبا خان کی برتھ ڈے پارٹی منائی جا رہی تھی۔

صبا...... میری چھوٹی بہن...... سلطانہ کی کلاس فیلو اور عزیز ترین سہیلی تھی۔

ہمارا آبائی گاؤں...... شاہینوں کے شہر...... سرگودھا کے نواح میں واقع تھا، جہاں میں نے بچپن اور جوانی کا اولین دور اپنی والدہ اور بہن...... سلطانہ کے ساتھ ایک حویلی نما گھر میں گزارہ تھا۔ وہ جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ میرے چچا فاروق احمد اور تایا اخلاق احمد

تھے۔ میرے ابو نواز احمد اور ان سب کی اولادیں مل جل کر رہتے تھے۔

ہماری مشترکہ زمینیں بھی تھیں۔ مجھے فوج میں بھرتی ہونے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ اس وقت میرے ابو حیات تھے۔ درحقیقت وہ مجھے ایک اعلیٰ آرمی آفیسر کے روپ...... میں دیکھنا چاہتے تھے' جو کبھی خود ان کا اپنا دیرینہ خواب ہوا کرتا تھا۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ والدین اپنی نا تمام آرزوؤں کی تکمیل اپنی اولاد کی صورت میں دیکھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

میرا قد کاٹھ اچھا تھا اور پھر ابو نے مجھے زمینداری میں لگانے کے بجائے اچھی تعلیم دلوائی تھی۔ یہ بات میرے تایا اور چاچا کو اچھی نہ لگی۔ کیوں کہ ان کی کسی اولاد نے چار' پانچ جماعتوں سے زیادہ تعلیم حاصل نہ کی تھی اور کھیتی باڑی میں لگ گئے تھے۔ زمینیں بھی ہماری کچھ اتنی زیادہ نہ تھیں' بس اس قدر تھیں کہ تین خاندانوں کی کفالت بآسانی ہو جاتی تھی۔

بہرطور...... چاچا اور تایا ہم سے اس بات پر خار کھانے لگے...... یوں انہوں نے ...... ہمیں زمین کی آمدنی سے بھی حصہ کم دینا شروع کر دیا۔ میرے ابو ایک امن پسند' شریف اور فراخ دل انسان تھے۔ انہوں نے بھائیوں سے جھگڑنا مناسب نہ سمجھا اور اسی پر شاکر رہے۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ...... مجھے آرمی میں کمیشن مل گیا اور میں بیس پر ٹریننگ کیلئے چلا گیا۔

ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد جب میں کیپٹن کی وردی پہنے اپنے گاؤں میں داخل ہوا تو لوگوں کی آنکھیں پھیل گئیں...... اس کی وجہ یہ تھی کہ...... پورے گاؤں میں نہ کسی نے اتنی تعلیم حاصل کی تھی اور نہ ہی کوئی اتنے بڑے رینک تک پہنچا تھا۔ میرے ابا کی تو حالت خوشی کے مارے دیدنی ہو رہی تھی...... ان کا تو جیسے دیرینہ خواب پورا ہو چکا تھا۔ گاؤں کے لوگ...... مبارکباد...... دینے کیلئے آنے لگے۔ گاؤں میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ چچا فاروق اور تایا اخلاق احمد کو ذرا بھی خوشی نہ ہوئی تھی۔ بلکہ الٹا وہ میری کامیابی پر جل بھن گئے تھے۔ جھوٹے منہ سے بھی انہوں نے ہم سے خوشی کا اظہار تک نہ کیا۔ مجھے ان کے مخاصمانہ رویوں پر دکھ ہوا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے پتہ چلا کہ میرے چاچا اور تایا نے کن کن حیلے بہانوں سے میرے گھر والوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ابا تو بالکل ہی بیمار پڑ گئے۔ وہ تو جیسے مجھے دیکھنے کی آس میں جی رہے تھے۔ ہماری ٹریننگ بہت سخت ہوتی تھی...... چھٹی بھی مہینوں بعد ملتی تھی...... اور وہ...... بھی چند دنوں کیلئے۔

پھر انہی دنوں ابا کا انتقال ہو گیا تو میرا اپنے چاچا...... تایا...... بلکہ گاؤں سے ہی دل اٹھ گیا...... میں نے یوں کیا کہ...... اپنے حصے کی زمینوں پر لعنت بھیجی اور اپنی والدہ اور بہن کو لے کر ہمیشہ کیلئے لاہور آ گیا۔

یہاں میری سرکاری رہائش گاہ تھی۔

اقبال گوندل...... المعروف بالا...... میرے بچپن کا دوست تھا۔ میری غیر موجودگی میں وہی میرے بوڑھے ماں باپ کے کام آیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے رابطے میں رہتا تھا۔ بے چارے کا دنیا میں کوئی نہ تھا۔

اقبال گوندل...... عرف بالے کو میں ایک سچا دوست ہی کہوں گا کیونکہ میں نے آج تک اسے ملازم کی حیثیت سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا چوں کہ دنیا میں کوئی نہ تھا ماسوائے اس کے دو چار ابن الوقت عزیز رشتے داروں کے...... اس لئے میں اسے بھی اپنے ساتھ لاہور میں لے آیا تھا۔

میں بات کر رہا تھا...... سیٹھ اصغر خان کی بیٹی صبا خان کی سالگرہ کی۔ جس کا انعقاد اس وقت بڑی شان وشوکت کے ساتھ...... ''سارنگ ہاؤس'' میں کیا گیا تھا۔

جیسا کہ مذکور ہوا...... صبا میری چھوٹی بہن سلطانہ کی سہیلی تھی اور اس نے اسے فیملی سمیت اپنی سالگرہ میں شرکت کرنے پر اصرار کیا تھا۔ یوں بھی میں سلطانہ کو تنہا جانے نہ دیتا...... نہ ہی وہ خود ہی جاتی۔

میں اس وقت وردی میں نہیں تھا حالانکہ سلطانہ نے تو اصرار کیا تھا کہ میں اپنی وردی میں ہی ان کے ساتھ جاؤں تا کہ وہ فخر کے ساتھ اپنے ویر کا تعارف کرواتی۔

مگر...... ایسا میں نے دانستہ نہیں کیا تھا۔

سلطانہ نے تحفے تحائف خرید رکھے تھے' جو اقبال گوندل عرف بالے نے اٹھا رکھے تھے۔ ہم سب جیپ سے اتر کر گیٹ کی طرف بڑھے...... باوردی گارڈز نے

احتراماً جھک کر راستہ دیا۔ ہم چکنی روش پر چلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔

لان کی طرف سے آنے والی نوع بنوع گل بوٹوں کی نکہت نے دماغ تروتازہ کر دیا۔ سامنے...... محرابی چبوترے پر ساگوان کی لکڑی کا دروازہ تھا...... جہاں پیس فلورا کے سنگ مرمر کے گملے رکھے تھے۔

ایک باوردی خدمت گار نے وہ بھاری بھرکم دروازہ احترام سے کھولا۔ ہم تینوں اندر داخل ہو گئے۔

موسم سرما کی وجہ سے اندر ہال ہی میں تقریب اور مہمانوں کی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ درمیان میں بڑی مستطیل میز تھی...... (یا پھر تین چار میزوں کو جوڑ کر اس پر بیش قیمت میز پوش چڑھا دیئے گئے تھے) درمیان میں گنبد نما گول کیک دھرا تھا جس پر موم بتیاں نصب تھیں۔ میں نے ان کی تعداد گن کر صبا کی عمر کا تعین کیا...... یعنی...... اٹھارہ برس...... تقریب ابھی شروع نہیں ہوئی تھی...... دائیں بائیں صوفوں پر سوٹڈ بوٹڈ مرد...... اور جھلملاتے سرسراتے لباسوں میں خواتین' بیش قیمت جیولری کے ساتھ لدی پھندی ہاتھوں میں کاک ٹیل کے گلاس تھامے باتوں میں مشغول تھے۔

''ہائی سلطانہ......؟ اچانک ہمارے دائیں جانب ایک کھنکتی آواز ابھری۔

''یہ صبا تھی...... نرم و نازک...... سندر اور سجل صبا جو ہوا کے عطر بیز جھونکے کی طرح میرے قریب سے گزر کر سلطانہ سے لپٹ گئی...... سلطانہ نے اسے وش کیا اور پھر والدہ اور میرا تعارف کروایا۔

''ہاؤ کیوٹ......! آپ ہی اس کے وہ بھائی ہیں جو کیپٹن ہیں...... یہ بہت شیخیاں بھگارتی تھی آپ کی......''

صبا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا...... اس کی موتیوں کی لڑی جیسے ہموار دانتوں کی قطار کی لمحاتی جھلک ابھری۔ پھر وہ...... سلطانہ اور...... والدہ کو لئے اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ کی طرف چلی گئی۔ اسی اثنا میں ایک درمیانے قد وقامت کا قدرے بھاری بھرکم شخص میری طرف آیا۔

''میرا نام...... سیٹھ اصغر خان ہے۔'' اس نے گمبھیر آواز میں مجھ سے کہا اور مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیا۔

''نائس ٹو میٹ یو۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کم آن...... انجوائے یور سیلف۔'' وہ یہ کہہ کر دوبارہ اپنے دوستوں کی ٹولی سے جا ملا...... وہ...... لارنس پور کے گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس نے جیسے خانہ پری کی تھی۔ اسی اثنا میں ایک باوردی...... ویٹر ٹرے ہاتھ میں لئے میری طرف آیا۔ میں نے کاک ٹیل کی بجائے...... کوک...... کا گلاس اٹھا لیا۔ بالا بھی میرے ساتھ تھا۔

ہم دونوں ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔

''ہیلو...... کیپٹن صاحب......!'' اچانک ایک آواز پر میں نے چونک کر گردن موڑی۔

''ارے...... ذیشان...... تم یہاں......؟'' دوسرے ہی لمحے میں اپنے دوست کو دیکھ کر گرم جوش آواز میں بولا۔ یہ ذیشان ملک تھا...... سیالکوٹ کے بیس کیمپ میں ٹریننگ کے دوران وہ میرے ساتھ تھا...... رینک اگرچہ اس کا لیفٹیننٹ کا تھا مگر ہم دونوں خوب گہرے دوست تھے۔

بہرطور...... ہم نے گرمجوشی کے ساتھ معانقہ اور بعد میں مصافحہ کیا۔ پھر میں نے ہولے سے ہنستے ہوئے کہا۔

''اوئے...... یہ کیپٹن صاحب کا لاحقہ لگانا ضروری تھا......؟ صرف عمران کہنا کافی نہ تھا......؟''

''نو...... نیور...... سینئر! از سینئر......'' وہ خالص آرمی قواعد کے مطابق اٹینشن ہو کر بولا۔

''یہ کیمپ نہیں ہے...... یہاں ہم صرف دوست ہیں۔'' میں نے مصنوعی غصے سے گھور کر کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ...... تمہاری...... اتنے بھاری بھرکم سیٹھ کی بیٹی سے کس طرح دوستی ہوئی جو اس کی سالگرہ میں چلے آئے۔''

''نہیں یار...... میری تو دونوں باپ' بیٹی سے رسمی سی بھی علیک سلیک نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''میں تو...... اپنی بہن نادرہ......''

''اوہ......'' میں نے اس کی بات کاٹی...... ''تو گویا تم بھی میری طرح ہو۔''

''پھر اس اتفاق پر ہم دونوں ہی مسکرا اٹھے۔ اس کے بعد میں نے بالے کا تعارف کروایا اور ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول ہو گئے۔

اس دوران نجانے کیوں میری نظریں نہ چاہتے ہوئے بھی...... بار بار...... صبا کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ واقعی مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ بالکل شہزادیوں جیسی معصومیت تھی اس میں...... رنگ روپ بھی پھولوں سا تھا......

''اے...... مسٹر...... ڈونٹ لک دیئر...... شی از گوئنگ ٹو بی انگیجڈ سون......''

ذیشان (لیفٹیننٹ) نے آخر کار تاڑ لیا تھا...... مگر اس کی بات پر میرے دل کو ایک گھونسہ لگا۔

''کیا واقعی...... صبا کی منگنی ہونے والی ہے...... مگر......؟'' مجھے جیسے یقین نہ آیا۔

''اوہ تو گویا کیپٹن صاحب...... محترمہ کو دیکھتے ہی دل دے بیٹھے۔''

وہ شرارت سے بولا تو میں بے اختیار جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''نہیں یار...... ایسی بات تو نہیں ہے......''

''وہ دیکھو...... وہ ہے اس کا ہونے والا منگیتر......'' ذیشان نے ہلکے سے اشارہ کیا۔

میں نے مذکورہ سمت دیکھا...... تو میرا منہ بے اختیار کھلے کا کھلا رہ گیا......

''حیران ہو گئے ناں...... صبا جیسی حور کے اس لنگور جیسے ہونے والے منگیتر کو دیکھ کر۔'' وہ بولا۔

واقعی...... اگر یہ لنگور نما شخص...... صبا جیسی حسین و جمیل پری وش کا منگیتر ہوتا تو...... میرے لئے افسوس کا ہی مقام تھا۔

انتہائی دبلا پتلا...... رنگت بھی سانولی...... سر کے بال بھی عنقریب فارغ البالی کا اعلان کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ آنکھیں بھی چندی چندی سی...... قد بھی ہلکا تھا...... اگر...... صبا پنسل ہیل والی اونچی سینڈل پہن کر اس کے ساتھ کھڑی ہوتی تو اس

لنگور کا قد بھی اس کے مقابل دب کر رہ جاتا۔

''یار...... کیا...... صبا یا اس کا باپ اندھے تھے جو......''

''شش...... آہستہ بولو...... ورنہ...... بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے والا شعر ہم پر صادق آ جائے گا۔'' میرے ہولناک تبصرے پر ذیشان نے سرگوشیانہ کہا۔

''صد افسوس ہے یار!...... یہاں بھی سیٹھ نے باپ بن کر نہ سوچا...... ضرور اپنے کسی کاروباری مفاد کی خاطر ہی...... اس لنگور کو اپنا داماد بنانے کا فیصلہ کیا ہوگا......؟'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''ابھی تمہیں یہ نہیں پتہ کہ یہ لنگور ہے کس کا بیٹا......؟ پھر تو تم اپنا سر ہی پیٹ ڈالو گے......'' ذیشان نے جیسے...... مزید انکشاف کرنے کے سے انداز میں کہا۔

''تو بتاؤ......؟'' میں نے جیسے سانس روک کر پوچھا۔

''سلطان جہانزیب خان...... معروف صنعتکار......'' اس نے بتایا۔

''کیا......؟'' بے اختیار میرے منہ سے غیر یقینی انداز میں نکلا تھا۔

''روشن ہو گئے چودہ طبق......؟''

''یار یہ سلطان جہانزیب وہی تو نہیں...... جو......''

''بس...... بس...... پھر کوئی ہولناک تبصرہ نہ کر دینا...... سیٹھ اصغر کے سمدھی کے بارے میں...... ورنہ......''

وہ میری بات کاٹ کر بولا اور دانستہ اپنا جملہ بھی ادھورا چھوڑ دیا۔ میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا......

صنعت کار...... سلطان جہانزیب...... کچھ اچھی شہرت کا آدمی نہ تھا۔ اس کی یہ مشکوک شہرت اگرچہ انٹیلی جنس کی حد تک ہی تھی...... مگر...... بہرحال...... مستند اور مصدقہ تھی...... لیکن ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک اس پر ہاتھ نہ ڈالا جا سکا تھا......

وہ بے پناہ اثر و رسوخ کا بھی مالک تھا اور خطرناک بھی تھا۔ اسے ذرا بھی بھنک پڑ جاتی کہ کوئی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے تو وہ اسے خاموشی کے ساتھ مروا ڈالتا تھا یا پھر ہمیشہ کیلئے

غائب......''

''پھر ذیشان ہی کی نشاندہی پر وہ مجھے ایک طرف کھڑا نظر آ گیا۔ کالے کوے جیسی سیاہ رنگت' سر بالکل گنجا...... دراز قد اور عمر میں وہ اپنے ہونے والے سمدھی...... سیٹھ اصغر خان جتنا ہی تھا...... یعنی پینتالیس' پچاس کے پیٹے میں۔ مجھے جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

سلطان جہانزیب کے لنگور نما بیٹے کا نام...... جمشید تھا۔ وہ اس وقت صبا کا دم چھلا بنا نظر آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کیک کاٹنے کی رسم ادا کی گئی اور پھر ساتھ ہی...... سیٹھ اصغر نے اپنی بیٹی صبا کی جمشید کے ساتھ عنقریب منگنی کا بھی اعلان کر دیا۔ جانے کیوں مجھے یوں لگا جیسے...... سیٹھ اصغر نے اپنی معصوم اور پری پیکر بیٹی کو سولی چڑھانے کا اعلان کیا ہو۔ میں بے اختیار ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔

تقریب کا اختتام ہوا...... ہم لوگ لوٹ آئے...... جانے کیوں میرا دل اداس اداس سا ہو کر رہ گیا تھا۔ سارے راستے میں خاموش رہا تھا۔

اپنی سرکاری رہائش گاہ پہنچ کر میں نے اماں اور بہن کو اتارا اور جیپ گیراج میں کھڑی کر کے اندر آ گیا۔ سالگرہ کی تقریب میں اچھی خاصی...... ریفریشمنٹ کر چکے تھے اس لئے کھانا کھانے کو جی نہ چاہا تھا۔ میری تو ویسے بھی بھوک اڑ چکی تھی...... وہاں بھی میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

میں اپنے کمرے میں آ کر بستر پر دراز ہو گیا۔ مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بار بار...... صبا کا معصوم اور سجل چہرہ میرے سامنے رقصاں ہو رہا تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ سیٹھ اصغر یا اس کی بیٹی صبا سے جا کر...... سلطان جہانزیب کی اصلیت کے بارے میں بتا دوں کہ وہ درحقیقت ایک...... غدار وطن تھا۔ دیگر اشیاء کی سمگلنگ کی آڑ میں...... وہ...... بعض اہم ملکی رازوں سے پڑوسی ملک کو آگاہ کرنے کی مذموم کوششیں کرتا رہتا تھا...... مگر...... انٹیلی جنس کی اس کی انڈر گراؤنڈ مجرمانہ سرگرمیوں پر کڑی نگاہ ہونے کی وجہ سے وہ ہر بار ناکام رہا تھا۔ مگر...... ابھی تک ثبوت

کی عدم فراہمی کی وجہ سے اس پر ہاتھ نہ ڈالا جا سکا تھا۔ اس کے جن گرگوں اور کارپردازوں کو گرفتار کیا گیا...... ان میں سے چند نے تو اپنی جان ختم کر ڈالی تھی۔ جو باقی بچے تھے وہ اپنے ''چیف'' کے بارے میں کچھ بھی بتانے سے قاصر تھے...... کیوں کہ...... انہوں نے اب تک...... سات پردوں میں چھپے چیف کی آواز ہی سنی تھی مگر...... صورت نہیں دیکھی تھی۔ ایک میجر رینک کے اعلیٰ آرمی آفیسر نے حب الوطنی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر سلطان جہانزیب پر بغیر کسی ثبوت کے ڈائریکٹ ایکشن لینے کی کوشش کی تو الٹا اس بے چارے کا کورٹ مارشل ہو گیا تھا...... پہلے اس بے چارے کی وردی اتری...... پھر بعد میں اس کا بالکل پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا۔

آرمی قوانین بہت سخت ہوتے ہیں۔ ان کا اپنا آدمی بھی اس سے ذرا بھی روگردانی کرتا ہے تو...... وہ اس کے خلاف بھی کارروائی کرنے سے نہیں چوکتے...... کیوں کہ مذکورہ میجر کی اس کارروائی سے...... دشمن مزید محتاط ہو گیا تھا...... اور پھر آرمی کی بدنامی الگ......

بہرطور...... اس کے بعد سے سلطان جہانزیب کی طرف سے دوبارہ...... کسی ملک دشمن کارروائی کی ذرا بھی بھنک نہ ملی۔ پھر اس دوران...... کچھ افسران کے تبادلے ہوئے...... اور یہ بات آئی گئی ہو گئی مگر بہرحال...... آرمی انٹیلی جنس کی نظروں میں سلطان جہانزیب کو ''ریڈ پرسن'' قرار دے دیا گیا تھا۔

مگر سول حلقوں کے ساتھ ساتھ اس کی بعض سربرآوردہ شخصیات تک بھی رسائی تھی۔

بہرطور...... میں نے وہ ساری رات بے چینی سے کروٹیں بدل بدل کر گزار دی۔

اگلے دن میں سیدھا ذیشان کے پاس گیا۔ وہ گھر پر ہی تھا...... وہ بھی میری طرح چھٹیاں منا رہا تھا۔ ہم چوں کہ اب آفیسروں کے رینک میں آ چکے تھے اس لئے اس بار ہمیں...... خاصی طویل مدت کی چھٹیاں نصیب ہوئی تھیں۔

''یار ذیشان! میں سیٹھ اصغر سے ایک ملاقات کرنا چاہتا ہوں......'' میں نے

دبے دبے جوش سے کہا۔

''کس سلسلے میں؟'' ذیشان نے بغور میرے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''میں اسے...... سلطانؒ جہانزیب کی اصلیت کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔'' میں نے بلاتعویق وتشکیک کہا۔

''ہوں......تو گویا اب تم اس کے بیٹے جمشید کے رقیب روسیاہ کا کردار ادا کرنا چاہتے ہو۔''

وہ جیسے میرے دل کا چور پڑھتے ہوئے بولا۔

''نہیں یار...... یہ بات نہیں......'' میں نے جھلا کر کہا۔

''میں سمجھ رہا ہوں......'' ذیشان نے مجھے مزید بولنے کا موقع نہ دیا۔

''کیا خبر......سیٹھ اصغر خان کو پہلے ہی سے علم ہو...... پھر تم کیا کرو گے......؟ الٹا تمہارے گلے مصیبت پڑ جائے گی ...... سلطان جہانزیب کے خونخوار کارپرداز ہاتھ دھو کر تمہاری جان کے درپے ہو جائیں گے۔''

''کچھ بھی ہو...... میں ایک بار سیٹھ اصغر سے ضرور ملنا چاہتا ہوں...... اور تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔''

''میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ ذیشان چند ثانئے پرسوچ خاموشی کے بعد بولا۔

''مجھے تمہارے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض نہیں......لیکن میرا مشورہ تو یہی ہے کہ...... اگر ہم سیٹھ اصغر خان سے ملنے کے بجائے اس کی بیٹی صبا سے ملیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔''

میں نے اس کی بات پر چند ثانئے سوچ کر کہا۔

''اس کا کیا فائدہ......؟ حکم تو اس کے باپ کا ہی چلے گا۔''

''ہرگز نہیں...... صبا اس کی اکلوتی اولاد ہے۔ وہ اس پر اپنی مرضی ہرگز نہیں مسلط کر سکتا۔''

''تو پھر اس لنگور نما شخص سے شادی پر وہ کیسے راضی ہو گئی......؟'' میں نے کہا۔

''ہاں...... یہ تو سوچنے والی بات ہے۔'' ذیشان بولا۔ ''مجھے واقعی حیرت ہے کہ آخر اس نے...... اس لنگور نما شخص سے شادی کرنے کی حامی کس طرح بھر لی...... مجھے تو کسی اور ہی چکر کی بو آ رہی ہے...... اور مجھے پورا یقین ہے کہ یہ صرف اور صرف......صبا ہی بتا سکتی ہے۔ اس لئے میرا تمہیں مشورہ یہی ہے کہ تم تنہا صبا سے ایک ملاقات کرنے کی کوشش کرو اور اسے اعتماد میں بھی لینے کی کوشش کرو۔''

میں نے اس کی بات پر ایک گہری ہنکاری خارج کرتے ہوئے پرسوچ انداز میں سر کو تفہیمی جنبش دی......

☆......☆......☆

ایک آرمی آفیسر کی حیثیت سے تو میرے اندر جذبہ حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ہی لیکن...... ایک عام پاکستانی ہونے پر بھی مجھے اپنے وطن کی مٹی سے عشق تھا۔ اور فخر کرتا تھا کہ میرا خمیر...... جیالوں کی سرزمین سے ہی گندھا ہوا تھا۔ جنہیں اپنے سرزمین، وطن کی آن بان اور شان پر بے دریغ اور پروانہ وار قربان ہونے پر ہمیشہ سے فخر محسوس ہوتا رہا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ...... میں یہی چاہتا تھا کہ صبا جیسی معصوم صورت لڑکی تباہ ہونے سے بچ جائے...... ورنہ تو میرا اس سے کسی قسم کا کوئی بھی جذباتی لگاؤ نہ تھا۔ صرف اس حد تک کہ...... خوشنما پھولوں کا حق دید میں بھی رکھتا تھا۔

بہر طور...... میں نے ایک روز صبا سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔ میں چاہتا تو اپنی بہن سلطانہ کی معرفت اس سے ملاقات کر سکتا تھا لیکن میں نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا تھا...... مگر حسن اتفاق کہ مجھے یہ موقع میسر آ ہی گیا۔

وہ گلابی جاڑوں کی ایک دوپہر تھی۔

میں اپنے دوست ذیشان سے مل کر گھر کی طرف لوٹ رہا تھا۔ ایک چوراہے سے موڑ کاٹ کر میں نے اپنی جیپ کو فل ایکسیلیٹر دیا...... مگر دوسرے ہی لمحے مجھے فوراً بریک پر پاؤں رکھنا پڑ گئے تھے۔ وجہ اس کی...... صبا تھی، جسے میں نے سڑک کے کنارے فٹ پاتھ کے قریب اپنی کار کے باہر پریشان کھڑے پایا...... غالباً اس کی کار میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ ون وے تھا۔ چنانچہ میں اپنے ہاتھ پر رہتے ہوئے جیپ ریورس کرتا ہوا چوراہے پر آیا۔ دوسری طرف...... سروس روڈ تھی۔ میں وہاں سے گزرتا ہوا...... صبا کے قریب جا پہنچا اور جیپ سے اتر کر فوراً اس کی طرف بڑھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ

مجھے اچانک دیکھ کر پہچان نہیں پائے گی...... بھلا سالگرہ کی تقریب میں پہلی بار اور وہ بھی سرسری سی ملاقات میں کون کسے یاد رکھتا ہے......؟ مگر اس وقت مجھے خوشگوار حیرت کا سامنا ہوا جب مجھے قریب آتا دیکھ کر صبا کے ملیح چہرے پر شناسائی کے آثار ابھرے تھے اور وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''آپ شاید مجھے پہچان گئیں...... چلیں پھر بھی میں اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں...... میں...... درحقیقت......''

''جی میں آپ کو پہچان گئی ہوں...... آپ کیپٹن...... عمران صاحب ہیں۔ میری بہت عزیز سہیلی...... سلطانہ کے بڑے بھائی......'' وہ میری بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ اور میں نے بھی جواباً...... ہلکی مسکراہٹ سے کہا۔

''صرف...... عمران صاحب۔ خیر...... میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ آپ کو یوں کھڑے پا کر کشاں کشاں ادھر چلا آیا...... شاید آپ کی کار......'' میں نے آخر میں دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ بولی۔

''ہاں...... پتہ نہیں کیا خرابی ہو گئی ہے۔ ویسے میں نے گھر موبائل پر اطلاع دے دی ہے...... پپا کا ڈرائیور آنے ہی والا ہے۔''

''کیا آپ کے ساتھ ڈرائیور نہ تھا......؟''

''نہیں...... میں کار عموماً خود ہی ڈرائیو کرتی ہوں۔ اپنی سہیلی کے ہاں گئی تھی...... واپس لوٹ رہی تھی کہ نہ جانے کیا ہوا...... چلتے چلتے جھٹکے مارنے لگی......''

''اوہ...... اچھا...... میں ذرا خرابی ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں......'' میں نے شستہ مسکراہٹ سے کہا اور...... کار کا بونٹ اٹھا کر اس پر جھک گیا۔

خرابی معمولی نہ تھی...... کسی مکینک کو دکھائے بغیر دور نہیں ہو سکتی تھی...... اس لئے میں نے اچانک اس سے کہا۔

''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو...... جب تک آپ کا ڈرائیور نہ آ جائے ہم وہ سامنے والے ریسٹورنٹ میں چل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مکینک بھی ساتھ ہی ہے...... جیسے ہی آپ کا ڈرائیور آئے گا میں اسے کار مکینک تک پہنچانے کا کہہ دوں گا۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے راضی ہو گئی۔

ہم دونوں ریسٹورنٹ میں آکر ایسے گوشے پر بچھی میز کرسیوں پر براجمان ہو گئے جہاں سے...... سڑک پر کھڑی کار صاف نظر آتی تھی۔"

میں نے چائے کے آرڈر کے ساتھ کچھ اسنیکس بھی منگوانے چاہئے مگر صبا نے معذرت کرتے ہوئے صرف چائے پر اکتفا کیا۔

"اور سنائیں...... آپ کیسی ہیں......؟" میں نے اپنے دل کی بے طرح دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بالکل ٹھیک ہوں...... آپ سنائیں...... آپ کی سروس کیسی چل رہی ہے......؟"

"ایک دم فرسٹ کلاس......" میں نے کہا۔ پھر میں نے ہولے سے کھنکار کر اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا اور...... مزید بولا۔

"صبا صاحبہ!...... درحقیقت میں آپ سے ایک بہت اہم بات کرنا چاہتا تھا...... اور موقع کی تلاش میں تھا...... پتہ نہیں آپ اسے کہیں میرے عامیانہ رویئے پر محمول نہ کریں...... مگر...... مجبوراً بھی کچھ اہم باتیں کرنے کیلئے بسا اوقات ایسے عمومی سہاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔" وہ میری بات پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ارے...... عمران صاحب! آپ تو واقعی بہت سنجیدہ نظر آنے لگے...... خیر...... میں سن رہی ہوں......"

میں نے کہا۔"صبا صاحبہ شاید آپ کو برا لگے...... لیکن...... کیا آپ مجھے یہ بتائیں گی...... کہ...... آپ کے پپا سیٹھ اصغر صاحب...... سلطان جہانزیب کو کب سے جانتے ہیں......"

میری بات پر وہ قدرے چونک کر میرا چہرہ تکنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں پہلے ایکا ایکی اداسی کی ایک رمق سی ابھری...... پھر جب وہ ہولے سے مسکرا کر بولی تو مجھے اس کی مسکراہٹ...... بے تاثر ہی محسوس ہوئی۔"

"کچھ زیادہ پرانی جان پہچان تو نہیں...... مگر...... بہرحال جتنی بھی ہے...... بہت مضبوط ہے......"

"اس تھوڑے عرصے میں اچانک ہونے والی مضبوط دوستی کی کوئی خاص وجہ...... یا میرا مطلب ہے...... کوئی کاروباری مجبوری......" میں نے اس کی سرگیں آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

تو اس بار...... وہ یوں آنکھیں پھیلا کر مجھے حیرت سے دیکھنے لگی جیسے میں نے کوئی انہونی کہہ ڈالی ہو۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ...... اپنے مخصوص کھلنڈرے پن والی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"ارے واہ...... عمران صاحب...... آپ تو غضب کے قیافہ شناس ہیں...... آپ کو کیسے علم ہوا کہ...... میرے پپا نے...... کسی کاروباری مجبوری کی وجہ سے...... انکل سلطان کے ساتھ تھوڑے عرصے میں گہری دوستی بنالی ہے......؟"

"یہ قیافہ شناسی نہیں ہے...... صبا صاحبہ......! بلکہ حقیقت ہے...... کہ...... سلطان جہانزیب کی شخصیت...... ملک دشمن عناصر کے حوالے سے مشکوک ہے۔"

"یہ محض افواہ ہے......" وہ پہلی بار...... متانت سے بولی۔

میں نے کہا۔"کیا آپ وہ کاروباری مجبوری بتائیں گی کہ......"

"عمران صاحب! میرا خیال ہے...... اتنا ہی کافی ہے......" اس نے اچانک کہا۔

میں ایک طویل سانس لے کر چپ ہو رہا۔ اس اثنا میں ویٹر چائے سرو کر چکا تھا۔ پھر ذرا دیر میں ڈرائیور بھی آ گیا...... صبا نے میرا شکریہ ادا کیا...... اور اپنی خراب کار کی چابیاں ڈرائیور کے حوالے کر کے...... اپنا پپا کی کار میں روانہ ہو گئی...... میں ڈھیلے ڈھالے قدموں سے اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

صبا سے اس مختصراً ملاقات نے مجھے کافی مایوس کیا تھا۔ مگر میں ابھی ناامید نہ ہوا تھا۔

اس دن لیفٹیننٹ ذیشان نے مجھ سے گھر فون پر رابطہ کیا۔

"کیا ہوا کیپٹن صاحب!...... کیا صبا سے ملاقات ہوئی یا ابھی تک صرف سوچا ہی جا رہا ہے......؟"

"ہاں یار!...... ہوئی تھی ملاقات میری......"

"اچھا......؟" اس کے لہجہ میں غیر یقینی تھی...... "تو پھر کیسی رہی ملاقات......؟"

"کچھ خاص نتیجہ نہ نکلا......" میں نے کہا۔ "لیکن...... مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے...... کہ...... صبا کچھ نہ کچھ جانتی ہے؟"

"یہ تم نے کیسے اندازہ لگایا......؟"

"اس کے اچانک گفتگو قطع کرنے سے......"

"ہوں......" اس نے پرسوچ ہنکاری بھری۔

"ایک اور کوشش...... ٹرائے آگین ٹرائے......"

"میرا خیال ہے...... وہ کچھ بتانا نہیں چاہتی...... وہ چڑ جائے گی۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر کیپٹن صاحب...... سمجھ لینا کہ...... دال میں کچھ کالا ہے......"

"یار...... ذیشان! مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے...... کہ...... دونوں باپ بیٹی سلطان جہانزیب جیسے خبیث آدمی کے سامنے مجبور ہوں......" میں نے کہا۔

"آف کورس......" ذیشان بلاتامل بولا۔ "اور مجبوری بھی ایسی کہ...... وہ کسی سے شیئر بھی کرنا نہ چاہتے ہوں۔"

"ایگزیکٹلی کوریکٹ۔" میں نے کہا۔

"ویسے میرے ذہن میں خیال یہ تھا...... کہ...... کہیں...... سلطان جہانزیب نے...... صبا کے باپ سیٹھ اصغر کو بھی تو نہیں اپنے ساتھ ملا لیا......"

"ہاں...... ایسا ممکن ہو سکتا ہے...... تو کیا صبا کو بھی معلوم نہ ہو گا......" میں نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"May be......" وہ بولا۔

"میرا خیال ہے...... ہمیں خود ان دونوں پر نظر رکھنا ہو گی۔"

"سیٹھ اصغر اور...... سلطان جہانزیب پر......؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں......"

"یار میں چاہتا ہوں صبا کی...... جمشید سے منگنی یا پھر کم از کم...... نکاح سے

پہلے پہلے جہانزیب کا اصل چہرہ آشکارا ہو جائے......" میں نے دانت بھینچ کر کہا۔

"لو...... یہ کام اتنا آسان اور ترنت ہونے والا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا......" وہ بولا۔

"یار...... تم میری مدد کرنے یا ہمت بندھانے کے بجائے مجھے بے حوصلہ کیوں کر رہے ہو......؟" میں نے زچ ہو کر کہا۔ وہ مسکراتے لہجے میں بولا۔ "بڈی! میں تو حقیقت بیان کر رہا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں...... حکم کرو......"

"ہاں...... یہ ہوئی نا بات......" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "تم ایک کام کرو...... صبا اور جمشید کو ٹریس کرنے کی کوشش کرو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان دونوں میں کس حد تک ذہنی و دلی ہم آہنگی ہے۔"

"اس سے کیا پتہ چلاؤ گے......" ذیشان نے پوچھا۔

"میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آیا...... صبا کی جمشید سے کس حد تک انڈرسٹینڈنگ ہے...... تم نے بغور ان دونوں کے باہم انداز و اطوار اور میل جول پر نظر رکھنا ہو گی۔"

"اور حکم......" ذیشان دوستانہ سعادت مندی سے بولا۔

"بس یار!...... یہ مہربانی کر دو......"

"ارے...... مہربانی کیسی...... یہ تو میرا فرض ہے...... بلکہ یہ تو ہر عام شہری کا فرض ہے...... کہ وہ ملک دشمن عناصر کو کیفر کردار تک پہنچانے کا عزم اپنے دل میں ہمہ وقت رکھے۔"

"ویری گڈ...... ذیشان!" میں جذبات سے لبریز ہو کر خوشی سے بولا۔ "میں نے بھی یہ پختہ عزم کر رکھا ہے کہ...... سلطان جہانزیب کا چہرہ بے نقاب کر کے ہی رہوں گا۔" میں نے عزم مصمم کے ساتھ رہا۔

"وطن کا یہ ادنیٰ خادم...... تمہارا یار غار...... تمہارے ساتھ ہے۔" ذیشان نے کہا۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے ذرا سنجیدگی سے بولا۔ "یار عمران! ذرا محتاط رہنا...... تم تو جانتے ہو گے کہ یہ سلطان جہانزیب کتنا خطرناک آدمی ہے۔ میجر افتخار کا حشر تمہارے سامنے ہے۔ آج تک اس کا پتہ نہ چل سکا۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر خدا حافظ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

سلطان جہانزیب گلبرگ کے علاقے میں رہتا تھا...... وہاں اس کی عالیشان کوٹھی تھی۔ میں اپنی اس مہم میں دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہتا تھا۔

نمبر ایک...... کہ اپنی مخصوص آرمی جیپ کا استعمال اس مہم کی حد تک قطعاً نہ کروں...... نمبر دو اصل چہرے کے بجائے ریڈی میڈ میک اپ میں اس مہم کو انجام تک پہنچانے کی کوشش کروں۔

مہم کا آغاز...... میں نے رات سے کیا۔ اپنے کمرے میں میں نے باقاعدہ ایک ریڈی میڈ میک اپ کٹ تیار کی...... اس کے بعد چہرے پر ہلکی پھلکی لیپا پوتی کرنے کے بعد میں نے اپنا پستول سنبھالا...... اور رات کے دس بجے گلبرگ کے علاقہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرے ہمراہ اقبال عرف بالا بھی تھا۔

ایک بس کے ذریعے...... ہم...... گلبرگ پہنچے۔ پھر پیدل ہی آگے بڑھ گئے۔

پھر اپنے مطلوبہ بلاک والے راستے پر چلتے ہوئے میں سلطان جہانزیب کی عالی شان کوٹھی کے سامنے سے گزرنے لگا۔

اندر وسیع لان سے جھانکتے بلند و بالا سفیدے اور یوکلپٹس کے درخت صاف نظر آ رہے تھے۔

آہنی گیٹ کے دونوں طرف سنگ مرمر کے چوکور ستونوں پر دودھیا گلوب روشن تھے۔ گیٹ کے باہر بائیں طرف گارڈز کیبن نظر آ رہا تھا۔ خشت ارغواں سے بنی ہوئی یہ کوٹھی...... صرف ایک منزلہ تھی...... مگر...... اس کا رقبہ خاصا وسیع تھا۔

کوٹھی پر ویرانی کا راج تھا...... میں اور بالا بظاہر عام راہگیروں کی طرح چلتے ہوئے سامنے سے گزرے۔ پھر ہم نے ایک طواف کوٹھی کے گرد کیا اور ایک قریبی چائے خانے میں جا بیٹھے۔ میں نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا اور بالے سے بولا۔

''بالے...... تم گھر جاؤ...... اماں اور بہن اکیلے ہیں۔ میں شاید صبح' منہ اندھیرے ہی پہنچوں......'' وہ متردد ہوتے ہوئے بولا۔

''عمران صاحب! آ...... آپ...... اکیلے......؟''

''ہاں...... تم جاؤ۔ باقی کا کام...... میرے اکیلے کا ہے۔ مگر تم نے سلطان

جہانزیب کی کوٹھی کا اتہ پتہ اور محل وقوع تو اچھی طرح ذہن نشین کر ہی لیا ہو گا؟''

''ہاں صاحب! آپ بے فکر رہیں۔ کیا میں صبح تڑکے آؤں......؟'' وہ بولا۔

''اس کی ضرورت نہیں...... اب تم جاؤ'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ جانے کیلئے اٹھنے لگا تو میں نے کہا۔ ''سنو......!''

''جی صاحب......؟'' وہ رک گیا۔

''اماں اور بہن کو میرے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ میں بیٹھک والے دروازے سے اندر داخل ہو جاؤں گا...... مگر تم اتنا کام کرنا...... گھر پہنچتے ہی دروازے کے ساتھ بیٹھک والے دروازے کی کنڈی اندر سے کھول دینا اور باہر سے تالا لگا دینا...... ڈپلی کیٹ چابی میرے پاس موجود ہے۔ میں اس بیٹھک کے راستے اندر داخل ہو جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے صاحب......! میں ایسا ہی کروں گا۔ پر صاحب! اپنا خیال رکھنا......''

''ہاں...... تم بے فکر رہو......'' میں نے ہولے سے مسکرا کر کہا۔ وہ چلا گیا۔

میں...... وقت گزاری کیلئے ادھر ادھر مٹر گشت کرنے لگا۔

ایک سٹریٹ لیمپ کے قریب میں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی بارہ بج کر چالیس منٹ کا وقت تھا۔ میں...... سلطان جہانزیب کی کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔

سردی زوروں پر تھی۔ لاہور کی سردیاں ویسے بھی کڑاکے دار پڑتی ہیں...... مگر میں نے اس سردی سے بچاؤ کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اونی سویٹر تو میں نے پہن ہی رکھا تھا۔ اوپر سے گرم کوٹ بھی پہنا ہوا تھا۔ گردن کے گرد...... مفلر بھی لپیٹ رکھا تھا۔

ذرا ہی دیر بعد میں سلطان جہانزیب کی کوٹھی کے سامنے سے گزر رہا تھا...... اب میرا ارادہ کوٹھی کے عقب سے کسی طرح اندر داخل ہونے کا تھا۔

میں نے یہاں کا رخ کرنے سے قبل ذیشان سے معلومات لے رکھی تھی۔

کوٹھی کے اندر مکینوں کی زیادہ تعداد نہ تھی۔ سلطان جہانزیب' اس کی بیوی...... ایک بیوہ بہن شہلا...... اور بیٹا جمشید...... کل چار مکین تھے۔

سلطان جہانزیب کی کوٹھی میں نقب لگانے کا میرا مقصد اس کے کمروں کی

مفصل تلاشی لینا تھا...... میری ہیڈکوارٹر کے ریکارڈ روم سے حاصل کی ہوئی معلومات کے مطابق...... اس کوٹھی میں ایک بیسمنٹ بھی تھا۔ درحقیقت میں اس تہہ خانے کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں کوٹھی کے گیٹ کے سامنے سے گزرتا ہوا جیسے ہی کوٹھی کی شمالی دیوار کے متوازی مڑا...... تو اچانک سامنے سے آتی ہوئی کار کی تیز ہیڈ لائٹس مجھ پر پڑی...... میں سر جھکائے راستے کے کنارے چلتا چلا گیا۔ جب کار میرے قریب سے گزری تو...... میں نے دزدیدہ نظروں سے کار کی طرف دیکھا...... اور کار سوار کو پہچان کر بری طرح ٹھٹک گیا۔ مگر رکا نہیں چہ جائیکہ...... کار سوار عقب نما آئینے میں سے اچانک رکتا ہوا نہ دیکھ لے...... کار میں صبا کا باپ سیٹھ اصغر سوار تھا۔ اور وہ خود ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ پھر جیسے ہی کار سلطان جہانزیب کی کوٹھی کی جانب مڑی تو میں الٹے قدموں واپس ہوا...... اریب قریب کا علاقہ سنسان ہونے کی وجہ سے...... میں نے...... کارنر کی دیوار کی آڑ لے کر...... کوٹھی کے گیٹ کی طرف جھانکا تو سیٹھ اصغر کی کار اندر داخل ہو رہی تھی۔

''میں اس وقت یہاں کیا کرنے آیا تھا......؟'' میرے ذہن میں سوالیہ نشان ابھرا...... میں واپس پلٹا اور کوٹھی کی عقبی دیوار کی طرف آ گیا۔ یہاں ذرا رک کر پہلے میں نے گردوپیش میں نظر دوڑائی...... ٹھٹھرتی ہوئی رات خاموش تھی اور کوئی ذی نفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بغور کوٹھی کی عقبی دیوار کا جائزہ لیا...... بیشتر کوٹھیوں اور بنگلوں پر ٹھٹھرتی ہوئی ویرانی مسلط تھی۔ کوٹھی کی دیواریں بارہ فٹ سے زیادہ بلند نہ تھیں...... مگر اوپر کے سرے پر خم دار آہنی بریکٹ نصب تھی۔ جن پر خاردار تاریں منسلک تھیں۔

اب میں ٹیلی فون کے اس کھمبے کو دیکھ رہا تھا...... جسے میں پہلے ہی تاڑ چکا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے کوٹھی کی دیوار پھاندنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ لہٰذا میں ذرا تیز روی سے چلتا ہوا مذکورہ پول کی طرف آیا۔ احتیاطاً ایک بار پھر گردوپیش میں نظریں دوڑانے کے بعد...... میں نے...... دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو باہم مسلا اور...... پول سے چپک کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

یہ پول دیوار سے چند فٹ کے فاصلے کی دوری پر تھا۔ میں نے پول سے لپٹ کر اپنا توازن برقرار کیا اور سپرنگ کی طرح اچھل کر...... کوٹھی کی دیوار کے سرے پر لگے

آہنی بریکٹوں کو پکڑ لیا۔ مگر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا...... اور...... دیوار سے نیچے لٹک کر رہ گیا...... بڑی مشکل کے ساتھ میں نے اپنی بے ترتیب سانسوں پر قابو پاتے ہوئے اپنی دونوں ٹانگوں کو سمیٹا اور خود کو آہنی بریکٹوں کے درمیان پھنسانے میں کامیاب ہو گیا...... یہ باؤنڈری وال تھی...... جس سے تقریباً پانچ فٹ کی دوری پر کوٹھی کی دیوار نظر آ رہی تھی...... جہاں سے ٹینٹڈ گلاسز کی دو عدد کھڑکیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں جو بند تھیں۔ میں نے نیچے جھانکا...... نیچے گلیارا سا بنا ہوا تھا۔ اور وہاں...... پودوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ اس وقت کوٹھی پر خاموشی کا راج تھا۔ میں نے خود کو...... فولادی خاردار تاروں سے بچاتے ہوئے...... نیچے گلیارے میں چھلانگ لگا دی۔ گھنے پودوں کی کیاریوں میں ہلکی سی دھپ کی آواز سے میں گرا اور خاصی دیر تک سن گن لینے کی غرض سے وہیں دم سادھے پڑا رہا۔

آرمی ٹریننگ کے دوران سخت تربیت میرے کام آ رہی تھی......

بہرطور...... اچھی طرح سے اپنے گردوپیش کی سن گن لینے کے بعد میں دبے پاؤں بڑھنے لگا۔

''گلیارا...... باؤنڈری وال کے متوازی...... دائیں جانب گھوم رہا تھا...... میں بھی چلتا ہوا...... مذکورہ سمت میں گھوم گیا...... اب میں کوٹھی کی مرکزی دیوار کی جانب کھڑا تھا۔ یہاں بھی کمروں کی بند ٹنٹڈ گلاس کی کھڑکیاں نظر آ رہی تھیں...... میں پھر بھی احتیاط کے پیش نظر جھکا جھکا آگے بڑھنے لگا...... چند قدم چلنے کے بعد میں ایک کھڑکی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کھڑکی کے اندر سے مجھے روشنی کی ہلکی کرنیں پھوٹتی نظر آ رہی تھیں...... اور مدھم باتوں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں نے ذرا سیدھے کھڑے ہو کر درز سے آنکھ چپکا دی...... مگر دوسری طرف جھولتے دبیز پردوں کی وجہ سے میں اندر کمرے کا منظر دیکھنے سے قاصر رہا تھا...... البتہ کان لگا کر میں اندر ہونے والی گفتگو با آسانی سن سکتا تھا۔

میں نے سرِدست اسی کو غنیمت جانا...... اور بغور سننے لگا۔

رات کے ٹھٹھرے ہوئے سناٹے میں مجھے اندر ہونے والی گفتگو صاف سنائی دے رہی تھی۔

"سلطان جہانزیب...... میں نے تمہاری بات مان لی...... اب تم بھی اپنا وعدہ پورا کرو......"

یہ سیٹھ اصغر کی آواز تھی۔ اس کے لہجے میں ایک طرح کی التجا تھی۔ جس نے مجھے چونکا دیا تھا۔

"ہاں...... سیٹھ اصغر! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے...... تم نے میرے لاڈلے بیٹے جمشید کی دیرینہ آرزو پوری کر دی...... اب میں بھی اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا...... مگر......" وہ اچانک کچھ کہتے کہتے رکا تو...... مجھے...... سیٹھ اصغر کی بے چین سی آواز سنائی دی۔

"مگر...... مگر...... کیا......؟ سلطان......؟"

"ارے یار...... تم فکر کیوں کرتے ہو......؟ شادی تو ہو جانے دو......" سلطان جہانزیب کی مکارانہ ہنستی ہوئی آواز ابھری۔

"لیکن...... تم نے تو کہا تھا کہ...... منگنی کا اعلان ہوتے ہی......"

"ہاں...... ہاں...... مجھے یاد ہے...... مگر...... سیٹھ اصغر...... منگنی کا کیا بھروسہ......؟ کیا خبر اپنا کام نکلتے ہی تم...... منگنی توڑ دو۔"

"یار یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو......؟ میں بیٹی کا باپ ہوں...... بھلا...... ایسا میں کیسے کر سکتا ہوں......؟"

"تم ایک بیٹی کے باپ ہو...... مگر...... مال دار باپ ہو...... اور دولت بڑے بڑے عیب چھپا دیتی ہے......"

چند ثانئے خاموشی چھائی رہی۔ میرا دل...... سینے میں زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا کہ سیٹھ اصغر نے یقیناً...... اپنی کسی ذاتی یا کاروباری مجبوری کے تحت ہی اپنی حور پری جیسی معصوم بیٹی صبا کی منگنی جمشید جیسے لنگور سے کرنے کا اعلان کیا تھا...... وہ مجبوری کیا ہے......؟ میں یہ جاننے کیلئے بے چین ہو گیا۔

"دیکھو سلطان اب تم وعدہ خلافی کر رہے ہو؟"

چند ثانیوں کی پرسوچ خاموشی کے بعد...... سیٹھ اصغر کی معاندانہ سی آواز ابھری۔

"کیسی وعدہ خلافی......؟ تم بدگمان ہو رہے ہو؟"

سلطان جہانزیب نے مکاری سے کہا۔

"تو پھر اپنا وعدہ پورا کرو...... تم نہیں جانتے...... میں کس قدر ذہنی اذیت اور انجانے خوف کا شکار ہوں۔ میرا سب کچھ ڈوب جائے گا...... اور میری پھول سی بیٹی دربدر ہو جائے گی۔ میرے سوا اس کا کوئی دنیا میں نہیں ہے...... اسی لئے تو میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ...... کم از کم...... میری بیٹی تمہارے پاس سکھی تو رہے گی۔"

"سیٹھ اصغر کا لہجہ اب رندھ گیا تھا۔ ادھر میرے اندر بری طرح پکڑ دھکڑ جاری تھی۔

"یار تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ...... میرے ساتھ مل جاؤ۔ چھوڑو یہ چھوٹی موٹی سمگلنگ...... اس میں رسک اور خطرات بھی بہت ہیں...... اور...... پیسہ بھی کم...... میرے ساتھ تم کروڑوں میں کھیلو گے......" مکار سلطان جہانزیب نے پینترا بدلا۔

"نہیں یار...... تمہارا کام مجھ سے زیادہ خطرے والا ہے...... تمہارے پیچھے تو ویسے بھی انٹر سروسز کے خفیہ اہلکار لگے ہوئے ہیں......" سیٹھ اصغر کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری...... اور میری کنپٹیاں سنسنانے لگیں۔

سیٹھ اصغر کے جواب پر سلطان جہانزیب نے ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگایا...... وہ پرغرور لہجے میں بولا۔ "سیٹھ اصغر...... تم مجھے معمولی آدمی سمجھتے ہو......؟ میرا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا...... تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے کس طرح...... ایک میجر کا کورٹ مارشل کروا ڈالا...... اس کے بعد سے کسی کی اب تک مجھ پر آنکھ اٹھانے کی بھی جرات نہ ہو سکی۔"

اس کی نخوت بھرے لہجے کی گفتگو نے مجھے سرتاپا...... لاوا بنا دیا تھا۔

"یار...... چھوڑو...... اس بات کو...... میرے کام کی بات کرو...... بہت دیر ہو گئی ہے...... گھر میں صبا اکیلی ہے......" اصغر خان نے مضطربانہ عجلت سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ...... اور...... مجھے تاریخ دے دو...... نکاح کے بعد تمہارا کام ہو جائے گا۔"

سلطان جہانزیب نے کہا تو دوسرے ہی لمحے...... سیٹھ اصغر کی پرطیش آواز

ابھری۔

"سلطان...... پہلے تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا...... سمجھے تم......؟"

"اوہ...... ہماری بلی ہمیں ہی میاؤں......" جواباً سلطان جہانزیب کی رعونت آمیز آواز پھر ابھری۔ "جاؤ پھر...... جو کرنا ہے کرو...... توڑ دو منگنی...... میں بھی تمہیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دوں گا...... تمہاری بیٹی کو تمہارے عالی شان "سارنگ ہاؤس" سے بیدخل کر دیا جائے گا...... پھر میں اسے آیا نوکرانی بنا لوں گا...... جو میرے بیٹے کی دلبستگی کا سامان بھی پیدا کرتی رہے گی۔"

"سلطان......" سیٹھ اصغر کی غیظ آلود چیخ ابھری۔

"چیخنے کی ضرورت نہیں ہے سیٹھ اصغر...... اپنی اوقات کو پہچانو...... اس وقت تم...... میری چہار دیواری میں کھڑے ہو...... ایسا نہ ہو تمہارا نشان تک نہ ملے......" سلطان جہانزیب کی بھی درشت آواز ابھری۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... میں معافی چاہتا ہوں......" سیٹھ اصغر کی پژمردہ سی آواز ابھری...... اس کے بعد گمبھیر خاموشی چھا گئی۔

صبا کے متعلق ناپاک لفظوں کے استعمال نے مجھے آگ بگولا کر دیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ اسی وقت...... کھڑکی کا شیشہ توڑ کر...... اندر داخل ہو جاؤں اور سلطان جہانزیب جیسے غدار وطن اور...... رذیل کتے کی گردن مروڑ ڈالوں...... لیکن میں نے بمشکل اپنے اندر کے ابال پر قابو پایا...... اور مزید چند ثانئے...... سن گن لینے کی کوشش کرتا رہا...... مگر اندر بدستور خاموشی طاری رہنے پر...... میں اندر داخل ہونے کے بارے میں سوچنے لگا۔

کھڑکیوں کے ذریعے اندر داخل ہونا...... ناممکن تھا...... کیوں کہ...... شیشہ سرکنے کے باوجود اندر آہنی گرلیں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے آگے قدم بڑھا دیئے...... میرا ارادہ...... بیرونی حصے سے...... ٹیرس پر کودنے کا تھا لیکن ابھی میں چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اچانک مجھے اپنے عقب میں خوفناک غراہٹ سنائی دی...... میں چونک کر پلٹا تو میرے اوسان خطا ہو گئے...... سامنے...... مدھم روشنی میں مجھے لمبا قد آور اور خوفناک بلڈ ہاؤنڈ کتا نظر آیا۔ وہ اپنی چمکتی ہوئی خونخوار آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا...... اس کے ہانپتے

ہوئے آدھ کھلے تھوتنے سے زبان باہر کو لپلپا رہی تھی۔ جہاں سے شکاری دانتوں کی خوفناک جھلک صاف نمایاں تھی...... ابھی میں سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ ایک اور درندے کی خونخوار خرائٹے دار غراہٹ مجھے اپنے عقب میں سنائی دی...... میں چونک کر پلٹا اور...... میرا سانس جیسے سینے میں اٹک کر رہ گیا...... اور ایک لمحے کو تو دہشت سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... میرے سامنے وہ قد آور خوفناک بلڈ ساؤنڈ کتا تھا جبکہ میرے عقب میں ایک...... خونخوار...... چیتا...... ان دونوں خونخوار جانوروں کے درمیان میں خود کو پا کر بری طرح...... بوکھلا گیا تھا۔ چیتا...... اپنے خوفناک جبڑے پھاڑے...... تیز نوکیلے دانتوں کی نمائش کرتا ہوا...... اپنی پچھلی ٹانگوں پر ذرا سمٹ گیا...... وہ مجھ پر جست لگانے کے لئے پر تول رہا تھا...... میں سردی کے باوجود پسینے میں نہا گیا......

میں بہت خطرناک اور جان لیوا حد تک نازک پوزیشن میں تھا۔ چشم زدن میں میں نے اپنے مختل پڑتے حواسوں پر قابو پانے کی کوشش کی...... ادھر جیسے ہی میں نے کوٹ کی جیب میں پستول نکالنے کیلئے ہاتھ ڈالا...... چیتے نے ایک زبردست چنگھاڑ مار کر مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ میں یک دم نیچے بیٹھ گیا۔ چیتا میرے اوپر سے ہوتا ہوا...... کتے پر جا پڑا...... اب آر یا پار...... کچھ بھی کرنا تھا...... ورنہ...... یہ دونوں خونخوار درندے مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دیتے...... مجھے پستول نکالنے کا موقع مل چکا تھا۔ چنانچہ میں نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ...... اوپر تلے تین فائر جھونک مارے...... ایک گولی تو بلڈ ہاؤنڈ کتے کے چہرے پر لگی تھی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا تھا جبکہ باقی دو گولیاں چیتے کی گردن میں پیوست ہو گئیں تھیں۔

اس نے ایک خوفناک چنگھاڑ ماری اور زخمی ہونے کے باوجود مجھ پر جست لگانے کیلئے پر تولے...... میں نے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان والی پیشانی کے نازک ترین حصے کا نشانہ لیا اور...... یکے بعد دیگرے دو گولیاں داغ ڈالیں...... میری پستول کی نال نے دھماکے کے ساتھ دو شعلے اگلے اور...... چیتا وہی ڈھیر ہو گیا...... اسی اثنا میں مجھے عقب میں متعدد دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں پلٹا اور خونخوار درندوں کی لاشیں پھلانگتا ہوا اندھا دھند دوڑ پڑا۔ دفعتاً عقب سے مجھے رکنے کا درشت حکم دیا گیا...... مگر میں نے پلٹ کر...... گولی داغ دی...... اگلے ہی لمحے مجھ پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی...... میں نے گولیوں کی مہیب زد سے خود کو بچانے کی خاطر......

زمین پر گرا دیا...... اور ساتھ ہی...... کمانڈوز ٹریننگ کے دوران حاصل کی تربیت سے کام لیتے ہوئے میں نے بالنگ جست لگائی اور اپنے وجود کو...... بائیں جانب کے گلیارے کی طرف اچھالنے میں کامیاب ہوگیا...... اور دیوار کی آڑ ملتے ہی میں نے...... انتہائی تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے لمبی ہائی جمپ لگائی تو سیدھا...... باؤنڈری وال کی منڈیر پر جا پہنچا۔ آہنی بریکٹوں پر نصب خاردار باڑھ نے میری کھال چھیل کر رکھ دی۔ اسی وقت دوبارہ مجھ پر...... کوٹھی کے مسلح گارڈز نے برسٹ فائر کر ڈالے...... مگر میں تو چھلاوہ بنا ہوا تھا۔ سنسناتا ہوا لہو پارے کی مثل میری رگوں میں تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ گولیاں باؤنڈری وال میں زناژٹ کی آواز سے پیوست ہونے لگیں...... چند گولیاں...... آہنی بریکٹوں سے اچٹ کر...... زن سے میرے چہرے کے بالکل قریب سے گزری تھیں کہ مجھے ان کی آتشیں جھپک چہرے پر صاف محسوس ہوئی تھی...... شکر تھا کہ میں ابھی تک گولیوں کی خوفناک زد سے بچا ہوا تھا۔

میں نے پھر ایک لمحے کی بھی دیر نہ لگائی تھی...... اچھل کر دیوار کی دوسری طرف کود گیا...... اور نیچے کودتے ہی میں ناک کی سیدھ میں دوڑتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

میں بڑی مشکلوں سے اپنی جان بچا کر گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ میں نے اپنی سانسیں بحال کیں اور...... بیٹھک کے دروازے پر پڑے قفل کو آہستگی سے کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

بالا...... سویا نہیں تھا۔ وہ میرے انتظار میں ابھی تک جاگ رہا تھا۔ میری ہانپتی کانپتی کیفیت پر وہ پریشان ہوگیا۔

''صاحب! خیریت تو ہے...... آپ ٹھیک تو ہیں نا......؟'' وہ سرگوشی میں فکرمندی سے بولا۔

''ہاں...... میں ٹھیک ہوں...... اور آرام کرنا چاہتا ہوں......'' یہ کہہ کر میں لباس تبدیل کرنے لگا۔

اگلے روز میں نے...... ذیشان کو اپنی شبِ گزشتہ کی رپورٹ دی تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں...... اور وہ غیر یقینی نظروں سے چند ثانئے میرے چہرے کی طرف تکتا رہ گیا...... مگر پھر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر گہری سوچ کے تاثرات نمودار ہو گئے۔

''اس کا مطلب ہے کہ...... وہ رذیل سلطان جہانزیب' سیٹھ اصغر خان کو کسی بات پر بلیک میل کیے ہوئے ہے...... چند ثانیوں کی پرسوچ خاموشی کے بعد اس نے پرخیال لہجے میں کہا......''

''ہاں مگر باوجود کوشش کے میں یہ نہ جان سکا کہ...... آخر وہ کس بات پر اسے بلیک میل کر رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''عمران صاحب! تم اب محتاط رہنا...... ابھی کچھ روز تک سلطان کی کوٹھی کا رخ ہرگز مت کرنا۔'' وہ مجھ سے پرتشویش لہجے میں بولا۔

''ہاں' ظاہر ہے۔ اب دیکھتے ہیں سلطان کیا کرتا ہے......؟'' میں نے اس کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اس نے اب کیا کرنا ہے...... سوائے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے......'' ذیشان نے استہزائیہ مسکراہٹ سے کہا۔

''یار ذیشان!...... کیا صبا کو اپنے باپ کی مجبوری کا علم ہوگا جس کی وجہ سے اس کا باپ...... سلطان جہانزیب کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہا ہے......؟'' میں نے اچانک سوچتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں تو ہوگا۔ جبھی تو صبا نے جمشید جیسے لنگور سے شادی کیلئے سر جھکا دیا...... اور ویسے بھی تم نے بھی تو صبا کو کریدنے کی کوشش کی تھی اور اس نے اس موضوع سے اعراض برتا تھا......'' ذیشان نے جواب دیا۔

''ہاں...... اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبا کو بھی سب کچھ معلوم ہے۔''

''ویسے اس بے چاری کے ساتھ بڑی زیادتی ہو رہی ہے۔ اس نے ایک مشرقی لڑکی کی طرح اپنے باپ کی کسی مجرمانہ مجبوری پر سر جھکا دیا۔''

''میں ایک بار پھر صبا کو کریدنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ایسا اب بھول کر بھی نہ کرنا بڈی!......'' ذیشان نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''ابھی یہ معاملہ...... ذرا ٹھنڈا پڑنے دو......''

''تم بتاؤ...... تمہاری کیا رپورٹ ہے......؟'' مجھے اچانک یاد آیا۔

''ہاں...... میں نے صبا اور جمشید کو ٹریس کرنے کی کوشش کی تھی...... میرا خیال ہے...... صبا اس کے ساتھ کہیں باہر آتی جاتی نہیں ہے۔''

''ہوں......'' میں نے ایک پرسوچ ہنکاری بھری...... اس کے بعد واپس لوٹ آیا۔

ذیشان کے منع کرنے کے باوجود میں نے صبا سے ایک ملاقات اور کرنے کی ٹھانی...... کیوں کہ اس بار اسے اعتماد میں لینے کیلئے میرے پاس بہت سی باتیں تھیں۔

چنانچہ اب ایک بار پھر میں صبا سے ایک اور ملاقات کیلئے موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ ایک روز اچانک فون کی گھنٹی بجی...... میں اس وقت گھر میں تنہا تھا......

''ہیلو......'' میں نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔

''آپ کیپٹن عمران صاحب ہیں......؟''

دوسری جانب سے صبا کی مترنم آواز پر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا...... وہ شاید میری بہن سلطانہ سے بات کرنا چاہتی تھی...... اس لئے جب میں نے اسے بتایا کہ وہ اماں کے ساتھ پڑوس میں گئی ہوئی ہے تو وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''عمران صاحب! میں نے آپ ہی سے بات کرنی تھی۔''

میں اس کی بات پر چونکے بغیر نہ رہ سکا......

''جی ہاں...... کہئے...... میں سن رہا ہوں...... آپ نے کیا بات کرنی ہے؟'' یہ کہتے ہوئے میرے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں۔ دوسری طرف لحظہ بھر خاموشی چھائی رہی پھر اس کی آواز جیسے کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''وہ...... میں...... آپ سے ملنا چاہتی ہوں......'' میرا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

''جی...... کہاں...... اور کب......؟'' بے اختیار میرے منہ سے نکلا تھا۔

''آپ اپنا وقت بتائیں......؟ میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

''آپ آج شام پانچ بجے میرے گھر تشریف لا سکتے ہیں۔'' وہ بولی۔

''ہاں...... آ جاؤں گا...... کیا آپ کے پپا سے بھی ملنا ہوگا۔'' کسی خیال کے تحت میں نے پوچھ ہی لیا۔

''نہیں...... وہ اس وقت گھر پر موجود نہیں ہوتے...... آپ پلیز آ جائیے گا میں نے آپ سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں...... آپ...... آئیں گے ناں......؟''

اس کے لہجے کی التجا نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاہم میں نے اس سے آنے کا

وعدہ کرلیا۔

☆......☆......☆

ٹھیک پانچ بجے میں ''سارنگ ہاؤس'' کے گیٹ کے سامنے موجود تھا۔ صبا نے شاید چوکیدار کو پہلے ہی میرے آنے کے بارے میں مطلع کر دیا تھا۔ اس لئے وہ مجھے سیدھا اندر لے گیا اور شاہانہ طرز کے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا...... ذرا دیر گزری تھی کہ صبا نمودار ہوئی...... میں نے کھڑے ہونا چاہا...... اس نے مسکرا کر مجھے بیٹھے رہنے کو کہا۔

اس کے چہرے پر عجیب گہرے تاثرات تھے۔ وہ کچھ مضطرب بھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ میرے سامنے والے صوفے پر براجمان ہوگئی۔

''کیا پئیں گے آپ...... کافی یا کولڈ سوفٹ ڈرنک ہو جائے۔''

''نو تھینکس...... اس کی ضرورت نہیں۔'' میں نے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔

''خیریت تو ہے...... صبا! آپ نے مجھ سے کوئی خاص بات کہنا تھی؟'' میں نے فوراً مطلب کی بات پر آتے ہوئے پوچھا۔

وہ چند ثانئے عجیب سی خاموش نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر جانے کیا ہوا کہ اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ یوں جیسے...... بے موسم کے مہینہ میں آسمان سے بھادوں برس پڑے...... میں پریشان سا ہوگیا......

''ارے...... رے...... آ...... آپ...... تو رو دیں...... پلیز روئیے مت...... کیا پریشانی ہے......؟ مجھے بتائیں۔'' میں نے قدرے تفکر آمیز لہجے میں کہا اور پھر اپنی جیب سے ٹشو پیپر نکال کر میں نے اسے تھما دیا۔ وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے رقت زدہ لہجے میں بولی۔

''عمران صاحب! کک...... کیا...... میں آپ پر بھروسہ کرسکتی ہوں......؟''

میں اس کے عجیب سوال پر بے طرح چونکا...... تاہم بولا۔

''اگر آپ کا دل مجھ پر بھروسہ کرنے کو چاہ رہا ہے تو...... آپ بالکل مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہیں۔''

میری بات پر وہ چند ثانئے اپنی رقت پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی پھر بولی۔

''عمران صاحب!...... ہم...... ایک بہت بڑی مشکل کا شکار ہو گئے ہیں...... اور...... میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ...... آپ پورے خلوص کے ساتھ...... ہماری مدد کریں گے......''

''دل کی گواہی سچی ہوتی ہے...... مس صبا!'' میں نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

''تاہم اس کے ''ہم'' کے صیغے پر میں نے پوچھا۔

''آپ کی ''ہم'' سے مراد...... غالباً......'' میرا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی وہ میری ادھوری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔

''جی ہاں...... ہم سے میری مراد...... میں اور میرے پاپا ہیں۔''

''مس صبا! کیا بات ہے...... آپ کس مشکل کا شکار ہیں۔'' اچانک میں نے پوچھا۔

وہ چند ثانئے سوچتی رہ گئی پھر لمبی گہری سانس لے کر بولی۔

''عمران صاحب! آپ وعدہ کریں کہ...... یہ بات آپ اپنے تک ہی محدود رکھیں گے......'' میں نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ تب وہ بتانے لگی۔

''عمران صاحب! ...... درحقیقت آپ نے اس روز مجھے...... سلطان جہانزیب کے بارے میں کچھ بتانا چاہا تھا...... میں جانتی ہوں آپ اس کی مشکوک شخصیت کے حوالے سے ہی مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے...... مگر...... میں اس وقت کترا گئی...... مگر اب سوچتی ہوں...... شاید...... مجھے آپ سے اس روز ہی اس موضوع پر گفتگو کر لینی چاہئے تھی۔''

وہ اتنا کہہ کر لحظہ بھر کو رکی۔ میں بدستور مستفسرانہ نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ دوبارہ بولی۔

''آپ کا کہنا درست تھا کہ...... سلطان جہانزیب کچھ اچھی شہرت کا مالک

نہیں ہے..... مگر اس کے باوجود ہم اس سے رشتہ داری استوار کرنے پر مجبور تھے.....''

''قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں.....'' میں نے اچانک کہا۔ ''کیا آپ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ..... مجبوری کے باعث..... استوار کی جانے والی ایسی رشتہ داریاں آئندہ زندگی میں کس قدر مشکلات کا باعث بنتی ہیں..... تو..... یہ اچھا نہیں کہ..... ابتداء ہی میں..... انسان ایسا قدم نہ اٹھائے کہ.....''

''ہاں..... یہی سوچ کر میں نے آپ سے مدد لینے کا فیصلہ کیا ہے؟'' وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ ''ویسے میرے پپا کو معلوم نہیں ہے کہ..... میں نے آپ کو بلایا ہے۔''

''خیر آپ..... بے فکر ہو کر اور اس یقین کے ساتھ مجھے اپنی پریشانی سے آگاہ کریں کہ میں بھی انشاء اللہ..... آپ کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔''

میں نے نہایت مخلصانہ لہجے میں کہا تو وہ بتانے لگی۔

''عمران صاحب! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ..... ہمارے سلطان جہانزیب سے کسی قسم کے بھی دیرینہ تعلقات نہیں ہیں..... درحقیقت میں اور پپا..... سلطان جہانزیب کے اوباش فطرت بیٹے..... جمشید کی وجہ سے اس مصیبت کا شکار ہوئے ہیں..... پتہ نہیں کہاں اور کس Mix Gathering پارٹی میں اس نے مجھے دیکھ لیا تھا..... مجھ پر فریفتہ ہو گیا..... اس نے فوراً اپنا پروپوزل میرے سامنے رکھ دیا تھا۔ مجھے تو اس کی صورت سے ہی نفرت تھی..... میں نے بری طرح اسے دھتکار دیا تھا..... وہ انتقامی کارروائی پر اتر آیا۔ میرے ابو سیٹھ اصغر کا اپنا کاروبار ہے۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے شرمندگی ہو رہی ہے کہ..... وہ..... اپنے بزنس کی آڑ میں غیر قانونی سمگلنگ بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا جب جمشید کے والد..... سلطان جہانزیب اپنے بیٹے کیلئے میرا رشتہ مانگنے کیلئے میرے پپا سے ملے تو پپا نے جمشید کو دیکھتے ہی اسے ریجکٹ کر دیا تھا۔

مگر..... چند روز بعد جانے کس طرح..... سلطان جہانزیب نے پپا کے خلاف غیر قانونی سمگلنگ بارے جانے کس طرح تحریری اور تصویری ثبوت حاصل کر لئے اور انہیں دھمکی دی کہ اگر انہوں نے میرا رشتہ اس کے بیٹے جمشید کو اب بھی دینے

سے انکار کیا تو وہ یہ سارے ثبوت ایف' آئی اے..... اینٹی کرپشن والوں کو دے دیں گے۔ عمران صاحب آپ تو جانتے ہوں گے..... اگر یہ سارے ثبوت..... اینٹی کرپشن یا ایف آئی اے والوں کو مل جائیں تو وہ ہمارا کیا حال کرے گی۔ یوں میرے پپا نے اس مسئلے سے مجھے بھی آگاہ کر دیا۔ اور یوں میں نے بھی سر جھکا دیا'' وہ اتنی صراحت بتانے کے بعد خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر غم اور خوف کے ملے جلے آثار تھے۔

میں یہ سب سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ صبا مجھے یہ ساری حقیقت کیوں بتانے پر مجبور ہوئی۔ اس کا میں نے اس بات سے اندازہ لگایا کہ جب میں نے رات..... سلطان جہانزیب کی کوٹھی میں نقب لگا کر اس کے اور سیٹھ اصغر کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور سیٹھ اصغر کو سلطان جہانزیب کی طرف سے وعدہ خلافی کی شکایت ہوئی تو ضرور سیٹھ اصغر نے اپنی بیٹی صبا کو بھی یہ بات بتائی ہو گی۔ یوں یقیناً صبا نے فوراً' سلطان جہانزیب کی بدنیتی کا صاف اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ یہ شادی ہونے کے بعد بھی وہ ثبوت ان کے حوالے نہیں کرے گا بلکہ ساری عمر دونوں باپ بیٹی کو بلیک میل کر کے ان کی زندگی اجیرن کر دے گا۔

تب میں نے صبا کو بھی مزید اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے..... اسے اپنی اس رات والی مہم جوئی کے بارے میں بلا کم و کاست بتا ڈالا۔ وہ یہ سب سن کر پہلے تو ششدر رہ گئی..... پھر دوسرے ہی لمحے خوشی سے بولی۔ ''اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ آپ ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں عمران صاحب..... پلیز..... اگر آپ کسی طرح..... اس کمینے سلطان جہانزیب کے قبضے سے وہ سارے ثبوت اڑا لیں تو..... میں..... اس اوباش اور بدخصلت جمشید کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گی۔''

''ہاں..... میں کوشش کروں گا.....'' میں نے کہا۔ ''مگر اس کیلئے پہلے..... مجھے ایک مربوط منصوبہ بندی اور کوئی ٹھوس لائحہ عمل اختیار کرنا ہو گا..... مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ کو مجھ سے ایک وعدہ بھی کرنا ہو گا۔''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا..... پھر ہولے سے پوچھا۔ ''کیسا وعدہ..... عمران صاحب.....؟''

"فقط اتنا کہ اگر میں کامیاب ہو جاتا ہوں......تو......آپ کو مجھ سے یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ کے پپا کو غیر قانونی سمگلنگ کا دھندہ چھوڑ کر جائز راستے سے روزی کمانا ہوگی......" میں نے نہایت پر متانت لہجے میں کہا۔ میں نے دیکھا صبا کے حلق سے بے اختیار ایک طمانیت بھری سانس خارج ہوئی اور پھر وہ توصیفی لہجے میں مجھ سے بولی۔

"عمران صاحب! آپ واقعی ایک اچھے' شریف اور فرض شناس آرمی آفیسر ہیں۔ میں خود بھی چاہتی ہوں کہ پپا یہ غیر قانونی دھندہ ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیں۔ آپ بے فکر رہیں۔ کیوں کہ مجھے پورا یقین ہے کہ پپا میری بات ہرگز رد نہیں کریں گے۔ آپ بس......ہمیں اس بڑی مصیبت سے نجات دلوا دیں۔"

"میں کوشش کروں گا......مگر اس کیلئے آپ کو بھی میرا ساتھ دینا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"آپ جیسا کہیں گے...... میں ویسا کرنے کیلئے تیار ہوں......" وہ یک دم رضامند ہوتے ہوئے بولی تو میں نے سنجیدہ لہجے میں اس سے کہا۔

"صبا صاحبہ......آ......"

"پلیز......صرف......صبا......کافی ہوگا۔" وہ اچانک میری بات کاٹ کر دلکش مسکراہٹ سے بولی۔ بے اختیار میرے مسکراتے ہونٹوں سے یہ نکل گیا۔

"تو پھر آپ بھی مجھے صرف عمران کہہ کر مخاطب کریں گی۔" اس کے نرم و گداز ہونٹوں پہ بھی مسکراہٹ رقصاں ہوگئی......" تب میں بولا۔

"دیکھو صبا......! درحقیقت...... میں سلطان جہانزیب کے خلاف تمہارے پپا کے مفاد کیلئے ہی نہیں بلکہ اس خبیث سے وطن کے اہم اور وسیع تر مفادات کیلئے بھی لڑنا چاہتا ہوں......وہ غدار وطن ہے......اس کے...... دشمن ملک کے خطرناک ایجنڈوں سے خفیہ تعلقات ہیں۔ دولت کی خاطر اس نے بارہا......اپنے ہی ملک کے بعض اہم ملکی اور دفاعی راز دینے کی ناکام کوششیں بھی کی ہیں......مگر افسوس اب تک نہ اس کے خلاف کوئی ثبوت ہاتھ آسکا اور نہ ہی وہ رنگے ہاتھوں پکڑا جاسکا ہے۔" میری بات پر صبا کے چہرے پر بھی جوش کی سرخی ابھری......اور وہ بولی۔

"تمہارا جذبہ واقعی قابل تعریف ہے...... سلطان جہانزیب جیسے غدارِ وطن کو واقعی کیفر کردار تک پہنچانا چاہئے......کیا میں اس سلسلے میں کچھ کرسکتی ہوں؟"

"ہاں......تم بہت کچھ کرسکتی ہو؟" میں نے فوراً کہا۔

"تم......تم ابھی...... جمشید اور اس کے باپ سلطان جہانزیب کے ساتھ اس طرح چالاکی سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی رہو...... بلکہ...... تمہارے پپا بھی اگر ذرا ہوشیاری سے کام لیں تو...... دونوں مسئلے باآسانی حل ہو سکتے ہیں......"

"میں سن رہی ہوں......آپ کہتے رہیں......" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔

"میں نے اس رات...... تمہارے پپا اور سلطان کی گفتگو سنی تھی......" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد دوبارہ کہا۔

"وہ خبیث......تمہارے پپا کو بھی اپنے وطن دشمن مذموم مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہتا تھا......مگر تمہارے پپا نے حامی نہیں بھری ہے......لیکن...... اگر......تمہارے پپا......اس کے ساتھ شامل ہونے کی حامی بھر لیں......تو ہم......سلطان جہانزیب کے خلاف باآسانی جال بن سکتے ہیں۔"

"میں تمہاری بات کا مطلب سمجھ رہی ہوں......" وہ بولی۔ "اور مجھے پورا یقین ہے کہ...... پپا اس کے خلاف کمربستہ ہو جائیں گے۔"

"یہ سب ٹھیک ہے پر......" میں نے جلدی سے کہا۔ "تم سب سے پہلے اپنے پپا کو اعتماد میں لے کر اس ساری گفتگو سے انہیں آگاہ کردو......اور اب میرا تم لوگوں سے ملنا جلنا...... مناسب نہ ہوگا...... محض اشد ضرورت کے تحت ہی ہم خفیہ ملاقات کرسکتے ہیں......ورنہ ہمارا...... ٹیلی فونک رابطہ ہی زیادہ بہتر رہے گا۔"

"بالکل ٹھیک......ابھی پپا آنے والے ہیں۔ میں انہیں ساری تفصیلات سے آگاہ کردوں گی۔"

"اپنے پپا سے بات کرنے کے بعد تم میرے موبائل پر مجھے آگاہ کر دینا...... باقی باتیں فون پر ہی ہوا کریں گی۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی......اور جب میں اس سے رخصت ہونے لگا تو...... وہ آخر میں میری طرف گہری

نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”عمران صاحب ......! آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔ آپ سے مل کر پہلی بار مجھے یہ خوشگوار احساس ہوا ہے...... کہ...... میں نے آپ پر بھروسہ کر کے غلطی نہیں کی...... Again Thanks“۔

”No Thanks, its my duty“ میں نے بھی جواباً مسکرا کر اس کے معصوم اور حسین چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر لوٹ آیا۔

☆......☆......☆

صبا سے میری ملاقات کافی حوصلہ افزا ثابت ہوئی تھی۔

اس کے ذریعے...... میں اب سلطان جہانزیب کے خلاف خفیہ مؤثر کارروائی کر سکتا تھا۔ لیکن باوجود اس کے...... مجھے محتاط رہنے کی بھی ضرورت تھی...... ورنہ اس میں...... میری ہی نہیں...... بلکہ صبا اور اس کے پپا کی جانوں کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ سلطان جہانزیب ایک عیار اور چالاک انسان تھا۔ وہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کا عادی تھا۔ مگر سیٹھ اصغر چوں کہ اس کی گرفت میں تھا اس لئے سلطان کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جو پہلے ہی اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہا ہو...... اس کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا...... اس لئے میں نے یہی سوچا تھا کہ میں سیٹھ اصغر کے ذریعے سلطان جہانزیب کو پھانسنے کی کوشش کروں......

میں نے اس دن ذیشان سے مل کر اسے یہ ساری حقیقت بتا دی...... پہلے تو وہ حیران ہوا پھر اس نے کھلے دل کے ساتھ میری تعریف کرتے ہوئے حوصلہ افزائی بھی کی......

”عمران! قسمت تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ اب ہم ان دونوں باپ بیٹی کو سیڑھیاں بنا کر بآسانی سلطان جہانزیب کی شہ رگ تک پہنچ سکتے ہیں۔“

”لیکن...... ذرا محتاط ہو کر...... ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔“ میں نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ ”اب مجھے...... صبا کے فون کا انتظار ہے...... وہ آج رات اپنے پپا کو ساری باتوں سے آگاہ کرے گی...... اور سیٹھ سے رابطہ کر کے بتائے گی۔“

”تمہارا خیال ہے...... سیٹھ اصغر اپنی بیٹی کی طرح تم سے تعاون پر رضا مند ہو جائے گا؟“ ذیشان نے پوچھا تو میرے ہونٹوں پر بے اختیار معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"بالکل سو فیصد یقین ہے مجھے۔" میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"وہ خود بھی سلطان جہانزیب کے شکنجے سے اپنی گردن بچانے کی فکر میں ہے...... بلکہ اس کی وعدہ خلافی اور میری اس روز کی شبینہ کارروائی پر وہ بھی میری حکمت عملی پر بھروسہ کرے گا۔"

"کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ ہو سکتا ہے...... سیٹھ اصغران ساری باتوں سے سلطان جہانزیب کو آگاہ کر دے اور پھر وہ پنجے جھاڑ کر تمہارے پیچھے پڑ جائے۔" ذیشان نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اس طرح وہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارے گا۔ اگر اس نے ایسا سوچا بھی تو اس کی بیٹی صبا اپنے باپ کو ایسا خطرناک قدم اٹھانے بھی ہرگز نہ دے گی۔"

"ہوں...... دیکھیں پھر صبا تمہیں کال کر کے اپنے باپ کا کیا عندیہ دیتی ہے۔" وہ پر خیال لہجے میں بولا۔

پھر اس رات تقریباً دس بجے کے قریب...... صبا کے بجائے...... سیٹھ اصغر نے موبائل پر مجھ سے رابطہ کیا۔

"بیٹے عمران......! مجھے میری بیٹی نے سب بتا دیا ہے۔" اس کی آواز میں واضح طور پر لرزش تھی۔ "میں تمہارا ہر طرح سے ساتھ دینے کو تیار ہوں...... اور تمہارا احسان مند بھی ہوں......"

"انکل......! آپ بے فکر رہیں۔ اگر آپ کا ساتھ رہا تو میں نہ صرف سلطان جہانزیب سے آپ کے خلاف وہ سارے ثبوت حاصل کر لوں گا۔ بلکہ اسے بھی کیفر کردار تک پہنچا کر ہی چھوڑوں گا......" میں نے پختہ لہجے میں کہا۔

"مگر بیٹے......! ذرا احتیاط کرنا...... میری گردن اس کے شکنجے میں پھنسی ہوئی ہے۔" وہ متوحش لہجے میں بولے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا انکل......! آپ اللہ سے دعا کریں......" میں نے کہا۔

"اور ہاں...... آپ کی بیٹی صبا نے آپ سے ایک وعدہ بھی لیا ہو گا۔" میں نے آخر میں پوچھا۔

وہ جلدی سے بولے۔ "ہاں ہاں...... بیٹا میرا یہ وعدہ ہے کہ میں آئندہ غیر قانونی سمگلنگ سے ہمیشہ کیلئے تائب ہو جاؤں گا۔ بس بیٹا...... تم ایک بار میری بیٹی کو اور مجھے اس شیطانی چنگل سے چھڑوا لو...... مجھے اپنے کیے کی بہت سزا مل گئی...... ویسے مجھے صبا بیٹی نے بتایا تھا کہ تم نے...... اس رات......"

"پلیز انکل...... اس بات کو رہنے دیں......" میں نے اچانک اس کی بات کاٹی۔

"اب آپ...... کو چالاکی سے کام لینا ہو گا...... صبا نے آپ کو بتا دیا ہو گا؟"

"ہاں...... ہاں...... اس نے مجھے ساری بات سمجھا دی ہے۔ بیٹا......! تم جیسا کہو گے...... میں ویسا ہی کروں گا......" وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے...... سب سے پہلے...... آپ اس کے ساتھ کام کرنے کی حامی بھر لیں...... مگر اس طرح کہ اسے ذرا بھی شبہ نہ ہو کہ آپ چالاکی چل رہے ہیں۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو...... میں ایک بیٹی کے مجبور باپ کی بھرپور اداکاری کر کے اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کروں گا۔"

"ٹھیک ہے انکل! پہلے یہ مرحلہ طے کر لیں اور مجھے فون پر رابطہ کر کے بتا دیجیے گا...... پھر آگے کے لائحہ عمل سے بھی میں آپ کو آگاہ کرتا جاؤں گا۔"

"عمران بیٹے......! میں تمہارا کس منہ سے شکریہ ادا کروں......؟" تم اگر چاہتے تو...... مجھے غیر قانونی سمگلنگ کے جرم میں فوراً اندر بھی کروا سکتے تھے۔ مگر اس کے برعکس تم نے ہماری مدد کرنے کی ٹھانی......" وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولا۔

"اگر آپ نے سچی نیت کے ساتھ سمگلنگ جیسے قبیح کاروبار سے توبہ کر لی ہے...... تو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ میں آپ کو بچانے کی کوشش کروں۔ کیوں کہ آپ کی گرفتاری سے آپ کی بیٹی بھی بلاوجہ مصیبت کا شکار ہو جائے گی۔"

میں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا تو اس کی رقت آمیز آواز ابھری......

"تم نے تو واقعی میرا بیٹا بن کر مجھے سہارا دیا ہے۔ تم بے فکر رہو...... نہ صرف

میں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر تمہارا ساتھ دوں گا بلکہ سلطان جہانزیب جیسے غدارِ وطن کے خلاف بھی میں تمہارے ساتھ ہوں......اور جب تک یہ وطن فروش کیفر کردار تک نہیں پہنچ جاتا...... میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔''

''یہ ہوئی نا بات...... بس...... اب آپ وہی کریں...... جو میں نے کہا ہے......اور اس کے بعد فوراً مجھے آگاہ کردیں۔'' میں نے کہا۔

''میں آج رات ہی اس سے جا کر ایک ملاقات کرتا ہوں......'' وہ بولے۔

اس کے بعد میں نے خدا حافظ کہہ کر موبائل آف کردیا۔

مجھے اب......سیٹھ اصغر کی کال کا انتظار تھا۔

☆......☆......☆

وہ رات گزر گئی۔

مجھے حیرت تھی کہ...... سلطان جہانزیب نے اس رات والی کشاکشی کا کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا تھا۔ نہ اخبارات میں کوئی خبر لگی تھی اور نہ...... پولیس میں ہی رپورٹ درج کروائی گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ سلطان جہانزیب......کو اپنی طاقت اور اپنے آدمیوں کی خفیہ کارروائی پر زیادہ ہی گھمنڈ تھا۔

اگرچہ...... میری اس طرح کی کارروائی سے وہ حد درجے محتاط ہو سکتا تھا......مگر میں بھی اس سے زیادہ محتاط ہو کر اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اب خود کو......سیٹھ اصغر اور اس کی بیٹی صبا سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ...... اس رات والی میری ''مہم جوئی'' کے بعد سے سلطان جہانزیب کا شبہ...... لامحالہ......سیٹھ اصغر پر ہی جا سکتا تھا......اور پھر میرے اس کے ہاں آنے جانے سے اس کا شک یقین میں بدل سکتا تھا۔ سلطان جہانزیب...... غیر معمولی طور پر ٹھنکا ہوا عیار اور......سفاک شخص تھا۔ اسے اگر اپنے سائے پر بھی شبہ ہو جاتا تو وہ بلا دیر اسے بھی گولی سے اڑا دینے کی کوشش کرتا۔''

بہر طور علی الصبح مجھے...... اپنے موبائل پر صبا کی کال موصول ہوئی۔ وہ گھبرائی ہوئی پریشان کن آواز میں بولی۔

''عمران! پپا...... پتہ نہیں کہاں غائب ہو گئے ہیں......؟'' میں اس اطلاع پر بری طرح چونک پڑا۔

''وہاٹ......؟ کب اور کیسے ہوا یہ......؟''

''وہ رات سے غائب ہیں۔'' وہ متوحش لہجے میں بولی۔

''جب وہ...... سلطان جہانزیب سے ملاقات کرنے گئے تھے......مم...... مگر اب تک نہیں لوٹے ہیں۔ مم...... میں نے سلطان جہانزیب کے بیٹے...... جمشید سے بھی فوراً رابطہ کیا تھا۔ مگر اس نے لاعلمی کا اظہار کیا...... پھر میری اس کے ڈیڈی سلطان جہانزیب سے بھی بات ہوئی...... جب انہوں نے بھی اس بات سے صاف انکار کیا تو مجھے بھی غصہ آ گیا...... میں نے اس سے کہا کہ پپا رات گیارہ بجے تم سے ہی ملاقات کرنے کیلئے گھر سے نکلے تھے......اس کے باوجود جب پھر انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو میں نے پولیس میں رپورٹ درج کرنے کی دھمکی دے دی۔ اس پر وہ سانپ کی طرح پھنکار کر مجھے دھمکی دیتے ہوئے بولا کہ میں تم دونوں باپ بیٹی کی سازش کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں...... بہتر یہی ہے کہ خاموش رہو...... اسی میں تمہاری اور...... تمہارے باپ کی بھلائی ہے۔' میں بہت پریشان ہوں...... عمران صاحب! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں میں۔''

وہ بے چاری بری طرح خوف زدہ اور متوحش ہو رہی تھی۔

میں اس کی بات پر سناٹے میں آ گیا۔ مردود سلطان جہانزیب میری توقعات سے زیادہ ہوشیار اور شاطر ثابت ہوا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اسے' سیٹھ اصغر پر اس بات کا شبہ ہو گیا ہے کہ اس رات والی کارروائی میں اس کا ہاتھ تھا اور اب اس رذیل نے سیٹھ اصغر سے حقیقت اگلوانے کیلئے ضرور اسے یرغمال بنا لیا تھا۔ کم از کم صبا کو اس سلسلے میں مخاصمانہ دھمکی دے کر خاموش رہنے پر مجبور کرنے سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا۔

''صبا......! تم فکر نہ کرو...... میں کچھ کرتا ہوں......'' میں نے چند ثانیے پر سوچ خاموشی کے بعد کہا۔

''تم اب ایسا ہی کرو...... جیسا سلطان جہانزیب نے کہا ہے......اور ہاں......

مجھ سے رابطہ کرنے کیلئے ٹیلی فون سیٹ ہرگز استعمال نہ کرنا بلکہ اپنے موبائل سے بات کرنا۔ اس نے یقیناً تم پر بھی کڑی نگرانی کر رکھی ہوگی...... نہ ہی تم مجھ سے ملنے کی کوشش کروگی اور ہاں...... تم اپنے گردوپیش سے ہوشیار رہنا۔''

''عمران! وہ...... وہ...... کہیں میرے پپا کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچادے...... پلیز کچھ کرو......'' وہ روہانسے لہجے میں دوبارہ بولی۔ میں اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''تم حوصلہ کرو...... میں خود جا کر دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ...... یہ کیا معاملہ ہے...... اوکے...... Be Care Full'' یہ کہہ کر میں نے موبائل آف کر دیا۔

میری کنپٹیاں بری طرح سنسنا رہی تھیں۔ دل و دماغ میں زبردست پکڑ دھکڑ ہونے لگی۔ میں نے فوراً لباس تبدیل کیا۔ پھر اپنی ریڈی میڈ میک اپ کٹ اٹھائی' کولسٹر پستول جیب میں رکھا اور سب سے پہلے ذیشان کے ہاں پہنچا...... میں نے دانستہ گھر سے اپنا حلیہ بدلنے کی کوشش نہ کی۔

میں جیپ کو آندھی طوفان کی طرح اڑاتا ہوا ذیشان کے ہاں پہنچا تھا۔ اسے ساری صورت حالات سے آگاہ کرنے کے بعد بولا۔

''ذیشان! وہ کمینہ سلطان جہانزیب' ہماری توقعات سے زیادہ ہوشیار اور چالاک ثابت ہوا ہے۔ میں اپنی جیپ ادھر ہی چھوڑے جا رہا ہوں...... تم میری کامیابی کی دعا کرنا۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا......'' وہ پریشان ہو کر بولا۔

''نہیں...... یہ کام سردست میرے اکیلے ہی کے کرنے کا ہے۔ وقت کم ہے......'' میں نے عجلت آمیز جوش سے کہا پھر اپنا ریڈی میڈ میک اپ کھول کر چہرے کی لیپا پوتی کرنے لگا۔

ذرا ہی دیر بعد میں اپنے گردوپیش پر محتاط نگاہ ڈالتا ہوا ذیشان کے گھر سے نکلا...... خاصی دور جا کر...... ٹیکسی پکڑی...... پھر اسے گلبرگ چلنے کا کہہ کر اس میں سوار ہو گیا۔

ٹیکسی نے گھنٹے بعد...... مجھے گلبرگ کے علاقے میں اتار دیا۔

یہ دن کے بارہ بجے کا وقت تھا...... میں نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر فارغ کیا...... میں دانستہ سلطان جہانزیب کی کوٹھی سے چند بلاک دور ہی اترا تھا۔

بہرطور...... میں نے قدم بڑھا دیئے۔

اس بار سلطان جہانزیب کی کوٹھی کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے مجھے عجیب سی بے کلی کا احساس ہو رہا تھا۔

مجھے سو فیصد یقین تھا کہ سیٹھ اصغر کو...... سلطان جہانزیب نے ہی یرغمال بنا رکھا تھا۔ چوں کہ وہ جانتا تھا کہ...... سیٹھ اصغر کی بیٹی صبا پولیس کو مطلع کرنے کی جرأت نہیں کرے گی اس لئے...... اس نے اسے دھمکی دے کر خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی۔

میں چاہتا تو سیٹھ اصغر کو بازیاب کروانے کیلئے ریڈ کروا سکتا تھا...... مگر کچھ سوچ کر میں نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔ سلطان جہانزیب کوئی معمولی مجرم نہ تھا...... وہ نہ صرف صاف بچ جاتا بلکہ...... بعد میں وہ...... سیٹھ اصغر اور صبا کیلئے مصیبت کھڑی کر سکتا تھا۔ اتنا تو مجھے بھی یقین تھا کہ سیٹھ اصغر کو وہ جانی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا...... اس نے ضرور اس پر شک کرتے ہوئے اسے اپنے پاس اس لئے یرغمال بنا رکھا ہوگا کہ...... اس سے پوچھ گچھ کر سکے۔

بہرطور...... میں مٹرگشت کے انداز میں ٹہلتا ہوا...... سلطان جہانزیب کی کوٹھی کے قریب پہنچا۔ سیٹھ اصغر یقیناً گزشتہ شب اپنی کار میں ہی گیا ہوگا...... لہٰذا اسکی کار کا...... وہاں موجود ہونا لازمی امر تھا۔ میں جیسے ہی مطلوبہ کوٹھی کے قریب سے گزرنے لگا تو...... کوٹھی کا آہنی گیٹ کھل گیا۔ ایک کار اندر سے برآمد ہوئی میں رکا نہیں...... اور بظاہر لاپرواہیانہ انداز میں آگے بڑھتے ہوئے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ کار پر ڈالی...... اور چونک پڑا۔ کار میں وہ دونوں خبیث باپ بیٹے موجود تھے۔

کار زن سے میرے قریب سے گزر گئی۔ میں نے کھلے گیٹ سے بظاہر سرسری اندر دیکھا تھا...... وہاں مجھے کوئی گاڑی کھڑی نظر نہ آئی۔ میں آگے بڑھ گیا۔ آہنی گیٹ خودکار طریقے سے بند ہوتا چلا گیا۔ باوردی اور مسلح گارڈ وہاں چوکس کھڑے تھے۔ دونوں باپ بیٹوں کے کوٹھی سے روانہ ہوتے ہی میں اب عجیب مخمصے کا شکار ہو گیا تھا۔

پھر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا میں نے سوچا۔ ان دونوں باپ بیٹوں کی غیر موجودگی میں' کوٹھی کے اندر داخل ہونے کا یہ بہترین موقع تھا۔ لیکن میں اب یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ آخر...... سیٹھ اصغر کا انہوں نے کیا کیا ہوگا......؟ وہ کہاں ہوگا......؟ پہلی بار اس کی طرف سے مجھے تفکر آمیز تشویش لاحق ہونے لگی تھی۔

میں اب ان عوامل پر غور کرنے لگا کہ آیا...... سلطان جہانزیب' سیٹھ اصغر کو جانی نقصان پہنچانے کی ہمت کر سکتا تھا یا نہیں۔

اگر خدانخواستہ...... وہ ایسا خطرناک یا جان لیوا قدم اس کے خلاف اٹھاتے بھی ہیں تو کیا دونوں باپ بیٹوں کے وسیع تر مفاد میں یہ بات مناسب ہوتی......؟"

"شاید نہیں......" بیک وقت میرے دل و دماغ نے گواہی دی۔ "کیوں کہ اگر...... یہ لوگ سیٹھ اصغر کو کسی قسم کا جانی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں تو...... ان کے حق میں صورتحال بگڑ سکتی ہے...... اس لئے کہ یہ بات سلطان جہانزیب بھی جانتا تھا کہ سیٹھ اصغر کی بیٹی صبا کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کا باپ گزشتہ شب' سلطان جہانزیب سے ہی ملنے گیا تھا۔ لہٰذا اسے جیسے ہی یہ پتہ چلتا کہ اس کے باپ کا خدانخواستہ خون کر دیا گیا ہے...... تو...... وہ یکدم مشتعل ہو کر...... ان کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کروا سکتی ہے...... یوں جمشید بھی...... صبا کو حاصل کرنے سے محروم ہو سکتا تھا۔

لہٰذا اس طرف سے بے فکر ہونے کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔

اچانک میرے موبائل کی مترنم گنگناہٹ ابھری۔ میں نے چلتے چلتے چونک کر جیب سے موبائل نکالا...... تو سکرین پر صبا کا موبائل کا نمبر دیکھ کر بری طرح ٹپٹایا۔

"عمران ...... !پپا گھر آ گئے ہیں...... مگر......" اچانک اس کی آواز کپکپا سی گئی۔

"ہاں...... ہاں...... بولو...... صبا...... !انکل ٹھیک تو ہیں ناں...... تم چپ کیوں ہو گئیں......؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"آپ...... آ سکتے ہیں......؟" صبا نے اچانک پوچھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ

ضرور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ چکا ہے...... جس کی تفصیل بالمشافہ ہی کہی جا سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے فوراً حامی بھر لی۔ اور ساتھ ہی اسے بتا دیا کہ میں...... اپنی اصل شکل میں نہیں ہوں گا۔"

بہر طور...... اس کال کے بعد اب میرا یہاں مٹرگشت کرنا بے کار ہی تھا۔

میں...... سیٹھ اصغر سے بالمشافہ ملنا چاہتا تھا۔

میں نے سہ پہر چار بجے کی ملاقات طے کی اور واپس لوٹ گیا۔

☆......☆......☆

مقررہ وقت پر میں...... ''سارنگ ہاؤس'' پہنچ چکا تھا۔

اریب قریب سے مطمئن ہو کر میں اندر داخل ہوا۔

چوکیدار مجھے نہ پہچان سکا تھا مگر صبا نے اسے ہدایت کر رکھی تھی۔ وہ مجھے سیدھا...... ڈرائنگ روم میں لے گیا...... ذرا ہی دیر بعد صبا حیران و پریشان نمودار ہوئی...... میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''صبا خیریت تو ہے ناں...... انکل کہاں ہیں......؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''آؤ میرے ساتھ......'' وہ میری بات کا جواب دیئے بغیر بولی۔ اور ایک ملحقہ کمرے کے دروازہ کی طرف بڑھ گئی۔ میں اس کے عقب میں ہولیا۔

میں...... صبا کے عقب میں چلتا ہوا مذکورہ کمرے میں پہنچا تو بری طرح ٹھٹک گیا۔ سامنے ایک جہازی سائز بیڈ پر میں نے سیٹھ اصغر کو لیٹے ہوئے پایا۔ اس کی ہیئت کذائی کو دیکھ کر صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اسے بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

صبا اس کے سرہانے ٹک کر بیٹھی تھی...... اس نے سیٹھ اصغر کو فرسٹ ایڈ دے دی تھی۔

سیٹھ اصغر مجھے دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر میں نے انہیں اٹھنے سے منع کر دیا اور ان کی چوٹوں کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پرتشویش لہجے میں بولا۔

''یہ...... یہ...... یہ آپ کی حالت کس نے کی......؟''

سیٹھ اصغر نے دانت بھینچ کر کہا۔

''اس کمینے...... سلطان جہانزیب نے میری یہ حالت کی ہے...... یوں سمجھو

میں اس کے ہاتھوں مرتے مرتے بچا ہوں......'' اس کی بات پر میری پیشانی پہ شکنوں کا جال پھیل گیا۔

''اوہ...... مگر کیوں......؟ مردود نے آپ کے ساتھ ایسا انسانیت سوز سلوک کیوں کیا......؟'' میں نے حیران و پریشان لہجے میں پوچھا۔

سیٹھ اصغر نے مجھے سامنے دھری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں خاموشی سے وہاں بیٹھ گیا۔

''اسے مجھ پر شبہ ہو رہا تھا کہ میں نے وہ ثبوت جن کی وجہ سے وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا' اس کے قبضے سے حاصل کرنے کیلئے کسی کرائے کے قاتل کی خدمات لی تھیں۔''

وہ نقاہت کی وجہ سے زیادہ نہیں بول پا رہا تھا۔

''کیا آپ مجھے شروع سے ساری تفصیل بتائیں گے۔'' میں نے پوچھا تو انہوں نے پہلے ایک لمبی سانس کھینچی...... پھر کہنا شروع کیا۔

''میں رات گیارہ بجے وہاں پہنچا تھا...... اس نے مجھے دیکھتے ہی تابڑ توڑ گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی مجھ پر...... اس کے چار مسلح گرگے بھی وہاں موجود تھے...... جب میں نڈھال ہو کر...... قالین پر بے دم سا گر پڑا تو...... وہ خوفناک لہجے میں بولا...... کہ...... میں نے کسی کرائے کے قاتل کو اس کے پیچھے لگا رکھا ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ بلکہ میں تو اس کے پاس...... اس کی مطلوبہ ڈیلنگ کی خاطر آیا ہوں...... مگر وہ نہ مانا بلکہ الٹا بولا کہ...... میں اسے پھانسنے کی نیت سے ایسا کر رہا ہوں۔ ورنہ میں نے پہلے ہی اس کی بات کیوں نہ مان لی...... چنانچہ اس نے مجھ پر بے تحاشہ تشدد شروع کر دیا مجھ سے اس گمنام قاتل کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔ جس نے اس کی کوٹھی میں نقب لگا کر...... اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس کے اعلیٰ نسل کے کتے موتی...... راجہ (چیتے) کو ہلاک کر ڈالا تھا اور پھر فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ بالآخر میرے مسلسل انکار پر اس نے مجھے قتل کرنے کی دھمکی بھی دے ڈالی۔ لیکن میں نے اسے کچھ بھی نہیں بتایا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ وہ مجھے قتل نہیں کر سکتا...... بالآخر تنگ آ کر اس نے مجھے چھوڑ دیا ساتھ ہی صبا بیٹی کی شادی

کی تاریخ بھی پندرہ دنوں کے اندر اندر...... دینے کا دباؤ ڈالنے لگا تھا۔"
اتنا بتانے کے بعد وہ خاموش ہو گیا اور ہولے ہولے ہانپنے لگا۔ صبا بھی اپنے باپ کی ہیئت کذائی پر اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے پانی کا گلاس باپ کے کپکپاتے ہونٹوں سے لگا دیا...... پھر اس کے لئے جوس تیار کرنے لگی۔
میں گہری سوچ میں مستغرق ہو گیا۔
"بیٹا...... !ہمارے پاس صرف پندرہ دن باقی بچے ہیں...... کچھ کرلو بیٹا...... کچھ کرلو...... ورنہ...... ورنہ...... میری پھول سی بیٹی جہنم کی نظر ہو جائے گی......" سیٹھ اصغر نے مجھے پرسوچ خاموش پا کر...... ملتجانہ لہجے میں دوبارہ کہا...... صبا بھی باپ کی پر سوز فریاد پر گھٹ کر رہ گئی اور سسک کر باپ سے بولی۔
"پلیز پپا! آپ خود کو زیادہ ہلکان نہ کریں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
"کیسے...... کیسے...... سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹی......؟" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولے۔
"اس کمینے کے خلاف...... پہلے مرحلے میں بری طرح ناکامی ہوئی ہے...... مجھے تو اب اپنی اتنی فکر بھی نہیں رہی ہے...... جتنی کہ تمہاری فکر مجھے ستانے لگی ہے۔" وہ ازحد مایوس نظر آنے لگا تھا۔
اس نے ایک حسرت بھری نگاہ مجھ پر ڈالی...... اور یاس زدہ لہجے میں مجھ سے بولی۔
"عمران ! کیا تم کچھ نہیں کر سکتے......؟" اس کے یاس انگیز لہجے نے مجھے اندر سے بری طرح جھیر جھیر کر ڈالا۔ میری رگوں میں خون کی گردش یکلخت تیز ہو گئی...... میں یک دم فرط جوش سے اٹھ کھڑا ہوا...... اور...... پھر صبا سے تمتمائے ہوئے لہجے میں بولا۔
"صبا...... ! میں تمہیں کبھی بھی اس جہنم میں پھنسنے نہیں دوں گا...... یہ میرا تم سے وعدہ ہے...... بالکل پکا وعدہ......" صبا میرے لہجہ کی گھن گرج پر حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔ خود میں بھی اپنے آپ کو بدلا بدلا محسوس کرنے لگا۔ اس کے بعد میں وہاں سے مزید کچھ کہے سنے بغیر چلا آیا۔

میں نے ذیشان سے بھی ملاقات نہ کی...... جوشِ غیظ سے میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ رات ہوئی تو میں بغیر اپنا حلیہ بدلے...... اپنی جیپ میں بیٹھا اور آندھی طوفان کی طرح گلبرگ کی طرف روانہ ہو گیا۔
میں نے اپنی جیپ سیدھی سلطان جہانزیب کی کوٹھی کے گیٹ کے قریب لے جا کر روکی...... اور نیچے اتر آیا۔ میں اس وقت کیپٹن کی وردی میں تھا۔ مسلح گارڈ مجھے دیکھ کر ذرا ٹھٹک سے گئے۔
"مجھے سلطان جہانزیب سے ملنا ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں ایک باوردی گارڈ سے کہا۔
"آپ اندر تشریف لائیں...... میں انہیں خبر کرتا ہوں......" اس نے میری جیپ اور وردی سے مرعوب ہو کر کہا...... اور پھر مجھے اندر لے جا کر ایک شاہانہ طرز کے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ ذرا دیر بعد...... سلطان جہانزیب...... نمودار ہوا...... اس کے ہمراہ اس کا چرخ سا بیٹا...... جمشید بھی تھا۔ تین عدد مسلح گارڈز بھی وہاں آن موجود ہوئے۔ مجھے دیکھ کر سلطان جہانزیب کے چہرے پر پہلے تو الجھن آمیز تاثرات ابھرے تھے...... پھر وہ جلدی سے ان تاثرات کو دوستانہ مسکراہٹ میں بدلتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اخاہ کیپٹن عمران صاحب ! آپ......؟ کیسے آنا ہوا......؟ میرا خیال ہے...... میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" میں اس کی طرف سرد نظروں سے تکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے مصافحے کیلئے بڑھتے ہوئے ہاتھ...... کو ذرا سختی سے بھینچ کر خشک لہجے میں بولا۔
"یقیناً...... آپ نے مجھے دیکھا ہو گا......" پھر میں نے کھڑے کھڑے اس کے چہرے پر بغور اپنی نظریں جما کر کہا۔
"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے......" اتنا کہہ کر میں نے قریب کھڑے اس کے مسلح گارڈز کی طرف دیکھا۔ سلطان جہانزیب میرا اشارہ بھانپ کر چند ثانئے الجھن آمیز سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے اشارے سے وہاں موجود اپنے تینوں گارڈز کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ تینوں خاموشی سے سر جھکائے باہر نکل گئے تو میں نے پھرتی سے اپنا کولسٹر نکال لیا اور چشم زدن میں...... اپنے قریب کھڑے

سلطان جہانزیب کی گردن کے گرد اپنے ایک بازو کا شکنجہ کستے ہوئے...... کولسٹر کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی...... اور خوفناک غراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''سلطان تم نے ان دونوں باپ بیٹیوں کو بہت بلیک میل کر لیا...... تم کیا شے ہو...... میں تمہاری اصلیت اچھی طرح جانتا ہوں...... وہ ثبوت میرے حوالے کر دو...... ورنہ میں ایک غدار وطن کو اسی لمحے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔''

سلطان جہانزیب کا چہرہ ایک لمحے کو سناٹے میں آ گیا پھر اس کے چہرے پر خوف کی ہلکی سی رمق ابھری...... اس کے بعد اس کا چہرہ بالکل سپاٹ ہو گیا...... پھر وہ سرسراتی آواز میں بولا۔

''میں تمہیں بھی اچھی طرح جانتا ہوں کیپٹن عمران! تم یہ اچھا نہیں کر رہے ہو؟'' اس کی تنبیہ آمیز ڈھٹائی پر میں بھی آپے سے باہر ہو گیا اور میں دانت بھینچ کر اس کی گردن کے گرد اپنے بازو کا شکنجہ مزید تنگ کرتا چلا گیا۔ ''اس کے حلق سے گھٹی گھٹی کراہیں بلند ہونے لگیں اور آنکھیں باہر کو ابلنے لگیں۔ اس کا بیٹا جمشید خاصا تھڑ لا ثابت ہوا تھا...... اور خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔

''میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا......؟ سلطان جہانزیب...... وہ ثبوت میرے حوالے کر دو۔''

میں نے دوبارہ خوفناک غراہٹ کے ساتھ کہا تو...... اس کا بیٹا...... اپنے باپ سے خوف زدہ لہجے میں بولا۔

''ڈ...... ڈ...... ڈیڈ...... آ...... آپ پلیز اس کی بات مان لیں...... ورنہ یہ آپ کو مار ڈالے گا۔''

میں نے بھی...... سلطان جہانزیب کی گردن سے اپنے بازو کا دباؤ ذرا کم کیا تو...... وہ ہانپتی ہوئی آواز میں بولا......

''مم...... میں...... ابھی دیتا ہوں...... ابھی دیتا ہوں......''

''چلو پھر...... اپنے بیٹے سے کہو...... وہ ثبوت ادھر لے آئے......'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔

''یہ نہیں نکال سکتا...... وہ میری خواب گاہ کے لاکر روم میں رکھے ہوئے

ہیں۔'' وہ بولا۔

''چلو پھر......'' میں نے کہا اور اس کے بیٹے کو بھی آگے لگنے کا کہا۔

میں اب ان دونوں باپ بیٹوں کو...... خواب گاہ میں لے آیا۔

ایک جانب قد آدم لوہے کی الماری تھی...... سلطان جہانزیب کو چھوڑ کر میں نے اس کے بیٹے کی گردن جکڑ لی تھی اور اسے اپنے گن پوائنٹ پر رکھ لیا تھا...... اس کا بیٹا جان کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا...... بلکہ میں یہ دیکھ کر چونک بھی پڑا کہ اس کے جسم کو ہلکے ہلکے جھٹکے بھی لگ رہے تھے...... سلطان جہانزیب اپنے بیٹے کی ہیئت کذائی پر پریشان ہو کر مجھ سے بولا۔ ''اسے چھوڑ دو...... یہ دل کا مریض ہے...... کہیں خوف سے اس کا ہارٹ اٹیک ہی نہ ہو جائے۔''

''تم اپنی بکواس بند کرو...... اور جو میں نے کہا ہے وہ کرو...... میں خاموشی کے ساتھ یہاں سے چلا جاؤں گا'' میں نے خوفناک غراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے...... الماری کھولی...... اور اندر نصب ایک آہنی سیف میں سے...... بڑا خاکی لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا...... میں نے اسے کھول کر دیکھا اور اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد میں نے وہ لفافہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر اس کے بعد میں نے سلطان جہانزیب کو دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے کا درشت حکم دیا۔ اور پھر خود...... پوری الماری کی تلاشی لینے لگا...... مگر وہاں کچھ بھی نہ ملا...... میرے جی میں تو آئی کہ...... سلطان جہانزیب سے اس کے...... خفیہ تہہ خانے کا بھی پوچھوں مگر...... پھر یہ سوچ کر اپنا ارادہ بدل ڈالا کہ سر دست اتنی ہی کامیابی کافی ہے۔

پھر اس کے بعد میں اس کے بیٹے کو گن پوائنٹ پر رکھے ہوئے باہر گیٹ تک آ گیا...... اس کے مسلح گرگوں نے یہ دیکھا تو یک دم الرٹ ہو گئے اور مجھ پر اپنی گنیں تان لیں...... مگر...... سلطان جہانزیب نے ہذیانی آواز کے ساتھ...... انہیں مخاطب کر کے چلا کر کہا۔

''اسے جانے دو...... اس کے سر پر خون سوار ہے...... یہ...... میرے بیٹے کو مار ڈالے گا۔''

مسلح گارڈز نے اپنی گنیں نیچے پھینک دیں۔ میں باہر آیا...... جیپ سٹارٹ

کی اور جمشید کو ایک طرف دھکا دے کر...... میں نے جیپ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

اب میں آندھی طوفان کی طرح...... جیپ سارنگ ہاؤس کی طرف دوڑائے لے جا رہا تھا۔

''سارنگ ہاؤس'' پہنچ کر جب میں نے وہ لفافہ سیٹھ اصغر اور اس کی بیٹی صبا کو دکھایا تو دونوں باپ بیٹی کے چہرے پر حیرت آمیز خوشی کے غیر یقینی تاثرات ابھرے تھے۔

''انکل...... !اب ان ثبوتوں کو فوراً نذر آتش کر ڈالیں...... اور اسی وقت...... پولیس ہیڈ کوارٹر سے چند اہلکار ہائر کر لیں...... بلکہ...... سلطان جہانزیب کے خلاف کورٹ میں رٹ بھی داخل کر دیں کہ آپ کو اس سے جان کا خطرہ لاحق ہے...... اس طرح یہ بات آن دی ریکارڈ ہو جائے گی اور پھر...... سلطان جہانزیب آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ پائے گا۔''

صبا کے خوشی کے مارے آنسو نکل پڑے۔ سیٹھ اصغر نے مجھے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''عمران! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھلا پاؤں گا...... اور نہ ہی میں تمہارا یہ احسان اتار سکوں گا۔''

صبا نے...... ممنونیت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ تو میں اس کے باپ سیٹھ اصغر سے پر متانت لہجے میں بولا۔

''انکل! میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا...... اب آپ اپنا وعدہ مت بھولئے گا...... کیوں کہ میں جس طرح...... سلطان جہانزیب جیسے خطرناک آدمی پر ہاتھ ڈال سکتا ہوں تو آپ کو بھی میں نہیں چھوڑوں گا۔''

''بیٹا...... ایک باپ کیلئے اولاد سے بڑھ کر اور کیا چیز ہوتی ہے...... میں اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ میں...... صرف حلال روزی کماؤں گا...... میں اپنا بزنس ہی سرے سے تبدیل کر دوں گا۔'' اس نے اپنی بیٹی صبا کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھاتے ہوئے پر عزم لہجے میں کہا۔

''ویسے عمران بیٹے! مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ تم...... سلطان جہانزیب جیسے خطرناک بھیڑیئے کی کچھار میں گھس کر اسے زیر کر آئے ہو۔''

''انکل...... !راہ حق میں چلنے والوں کے ساتھ...... اللہ کی طاقت شامل ہو جاتی ہے...... اور میں باطل کے خلاف جو بھی قدم اٹھاتا ہوں...... اس بھروسے پر اٹھاتا ہوں کہ اللہ کی طاقت میرے ساتھ ہے۔''

''آفرین ہے بیٹا! تم پر...... تم واقعی نہ صرف بہادر اور دلیر آرمی آفیسر ہو...... بلکہ ایک نیک اور اچھے انسان بھی ہو......'' سیٹھ اصغر متاثر کن لہجے میں بولا۔ میں نے ایک آخری نگاہ صبا کے چہرے پہ ڈالی...... وہ یک ٹک گہری نگاہوں سے میری طرف ہی تکے جا رہی تھی...... میں دونوں کو وش کر کے...... وہاں سے واپس لوٹ آیا......

گھر پہنچا اور اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

میں اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا...... صبا کا تشکر بھرا...... چہرہ بار بار...... میری نگاہوں کے سامنے رقصاں ہو رہا تھا۔ اسے خوش دیکھ کر...... مصیبت سے نکال کر...... مجھے یک گونہ مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی گہری گہری نگاہوں سے یک ٹک میری طرف دیکھتے رہنا...... مجھ سے بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔ میں اب سلطان جہانزیب کے خلاف ایسی ہی ایک فیصلہ کن کارروائی کرنا چاہتا تھا تا کہ اس کی وطن فروش اصلیت کو بے نقاب کر سکوں۔ اگرچہ آج والے واقعہ کے بعد سے وہ میری طرف سے حد درجہ محتاط ہو چکا ہوگا...... مگر...... میں نے بھی پکا تہیہ کر لیا تھا کہ...... اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا...... اور بدستور اس کی خود ذاتی طور پر سی آئی ڈی کرتا رہوں گا...... اور آخر کار اسے رنگے ہاتھوں چھاپ کر ہی رہوں گا...... رات دبے پاؤں گزر رہی تھی۔ بالا سو چکا تھا۔ اماں...... بہن سلطانہ دوسرے کمرے میں سو رہی تھیں۔ میں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا تھا مگر جانے کیا بات تھی کہ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رات کے کوئی بارہ بجے کا عمل رہا ہوگا کہ اچانک ایک آہٹ پر میں بری طرح چونکا...... دوسرے ہی لمحے مجھے پہلے سے زیادہ گڑبڑ کا احساس ہوا۔ پھر ابھی میں سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ...... مجھے اماں اور بہن سلطانہ کی چیخوں کی آواز سنائی دی...... اور اگلے ہی لمحے گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ ابھری...... میں جیسے ایک لمحے کو سناٹے میں آ گیا پھر دوسرے ہی لمحے جیسے

میری رگوں میں پارہ دوڑ گیا۔ میں بستر سے اچھلا اور دیوار پر ٹنگی جاجر سے آہنی کولسٹر نکال کر طوفانی بگولے کی طرح دروازے کی طرف بڑھا...... ابھی میں دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اگلے ہی لمحے مجھے تین مسلح نقاب پوش نظر آئے تھے جنہوں نے مجھے دیکھتے ہی اپنی گنوں کے منہ کھول دیئے تھے...... میں چونکہ بروقت ان کی خوفناک زد سے خود کو بچا چکا تھا اس لئے گرجتی ہوئی گولیاں کمرے کی سامنے والی دیوار پر تڑتڑاہٹ کی آواز سے پیوست ہوتی چلی گئیں...... میں نے لپک کر ان پر تلے اوپر دو تین فائر جھونک دیئے۔ دو خونی نقاب پوشوں کے حلق سے کریہہ چیخیں برآمد ہوئی تھیں...... مگر وہ محض زخمی ہوئے تھے...... پھر وہ تینوں ہٹ کر صحن کی طرف دوڑے مگر اس طرح کہ عقب میں مجھے اپنی جگہ محبوس کرنے کی غرض سے فائرنگ بھی جاری رکھے ہوئے تھے...... پھر چند لمحوں بعد ہی وہ تینوں خونی نقاب پوش آندھی طوفان کی طرح غائب ہو گئے۔ میں اماں اور بہن کے کمرے کی طرف بڑھا...... فرش پر اقبال عرف بالا...... خون میں لت پت پڑا تھا جبکہ دو چار پائیوں پر اماں اور بہن کو میں نے خون کی چھپڑی میں پڑے ہوئے پایا......

میرے اندر وحشتوں کے سناٹے چیخ اٹھے اور آنکھوں میں بے پناہ وحشت سمٹ آئی۔ میں ہذیانی چیخ کے ساتھ اماں اور بہن کی خون آلود لاشوں کی طرف بڑھا...... خونی نقاب پوشوں نے ان تینوں کو گولیوں سے چھلنی کر کے رکھ دیا تھا...... بالا بھی ختم ہو چکا تھا...... میرا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا تھا...... میرا دل خون کے آنسو رونے لگا...... میری وحشی لہو رنگ آنکھوں میں......سلطان جہانزیب کی صورت ابھری......

''میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا...... خونی بھیڑیئے!''

میں ہذیانی انداز میں حلق کے بل چیخا...... پھر چند ثانیئے بعد میں اپنی جیپ میں بیٹھا...... آندھی طوفان کی طرح...... اس کی گلبرگ والی کوٹھی کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

نصف رات کا اس پہر میں...... سڑک دور تک ویران اور سنسان تھی۔

یہی سبب تھا کہ میں نصف گھنٹے کے اندر اندر...... سلطان جہانزیب کی کوٹھی پر جا پہنچا۔ وہاں مسلح گارڈز کو پہلے ہی چوکس کھڑے دیکھ میں سمجھ گیا کہ...... سلطان جہانزیب کو میری آتش مزاج فطرت کے بارے میں بخوبی اندازہ تھا اس لئے پہلے ہی سے اپنی گارڈ کو چوکس کر دیا تھا۔ مگر میں نے قریب پہنچتے ہی درانہ وار...... اپنے کولسٹر

سے فائرنگ داغ ڈالی۔ وہ چاروں مجھے دیکھتے ہی...... بہ سرعت...... آہنی گیٹ کے اندر بنے کیبن میں جا گھسے اور اس کے محرابی خانوں سے مجھ پر فائرنگ شروع کر دی...... ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک وہاں سائرن بجاتی ہوئیں پولیس کی دو تین موبائل آن وارد ہوئیں۔ مجھے فوراً...... پولیس نے وارن کیا۔ اس کے بعد ان گنت پولیس اہلکاروں نے مجھے گھیرے میں لے لیا...... اور پھر میرے ہاتھ سے کولسٹر چھین لیا۔

اس دوران میں نے گیٹ سے سلطان جہانزیب کو بدحواسی کے عالم میں نکلتے دیکھا...... اسے دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا...... اور...... میں غیظ آلود انداز میں دانت پیستے ہوئے خود کو پولیس اہلکاروں سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

''ذلیل...... کمینے...... خونی...... میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

سلطان جہانزیب نے جب مجھے پولیس والوں کی گرفت میں دیکھا تو اس نے فوراً...... انسپکٹر سے کہا۔

''اس خونی کو لے جا کر جیل میں ڈال دو...... اس نے...... پہلے بھی مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔'' میں خود کو چھڑانے کی تگ و دو کرنے لگا لیکن پولیس والوں نے مجھے مضبوطی سے جکڑ لیا...... اس کے بعد مجھے ہتھکڑیاں پہنا کر بے بس کر دیا گیا۔

☆......☆......☆

زندگی اس قدر بے رحمانہ انداز میں پلٹا کھا سکتی تھی...... مجھے اس کا اندازہ نہ تھا۔ میری ماں بہن اور بالا قتل ہو چکے تھے...... اور میں جانتا تھا کہ یہ خوفناک حرکت...... رذیل صفت...... سلطان جہانزیب کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی اور یہ...... صبا کے باپ سیٹھ اصغر کے ثبوت اس کے قبضے سے گن پوائنٹ پر حاصل کرنے کا ہی ردعمل تھا۔ بلکہ...... سلطان جہانزیب کو تو اب اس حقیقت کا بھی بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ اس رات اس کی کوٹھی میں نقب لگا کر اس کے بلڈ ہاؤنڈ کتے اور چیتے (راجہ) کو بھی میں نے ہی ہلاک کیا تھا۔

بہر طور...... مجھ پر سلطان جہانزیب نے...... ناجائز اختیارات کا استعمال اور...... اقدام قتل کا مقدمہ قائم کر دیا تھا جبکہ میں نے بھی اپنی ماں اور بہن اور بالے کے قتل کا الزام اس کے سر پر لگایا تھا۔

مجھے لاک اپ کیا جا چکا تھا۔

سیٹھ اصغر میری حمایت میں کود پڑے تھے۔ انہوں نے میرا کیس لڑنے کیلئے معروف اور قابل وکیل کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔

مگر میرے پاس سلطان جہانزیب کے خلاف کوئی ثبوت نہ تھا جبکہ میں رنگے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا۔ یوں میرا کیس تو سلطان جہانزیب کے خلاف کمزور ثابت ہوا مگر...... اس کا کیس میرے خلاف مضبوط تھا۔ اقدام قتل...... ناجائز اختیارات استعمال کرنے کے جرم میں مجھے سب سے پہلے نوکری سے برطرف کر دیا گیا...... میری وردی بھی اتر گئی تھی۔

میرے خلاف مقدمے کی کارروائیاں چلتی رہیں...... اور اس دوران...... میری ماں اور بہن وغیرہ کے بہیمانہ قتل کی بھی برائے نام تفتیش ہوتی رہی۔

صبا اس دوران مجھ سے ملنے آتی رہی...... وہ میرے غم میں برابر شریک تھی۔

سیٹھ اصغر کے وکیل نے مجھے رہا کروانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔

اور بالآخر اس کی کوششیں اس حد تک رنگ تو لائیں کہ مجھے بالکل بری تو نہیں کیا گیا البتہ بڑی مشکلوں سے مجھے ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

نوکری سے برطرف کرنے کے بعد...... مجھ سے چوں کہ سرکاری رہائش گاہ بھی چھین لی گئی تھی اس لئے میں اب...... محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً بے خانماں برباد ہو چکا تھا۔

مگر...... اس آڑے وقت میں...... سیٹھ اصغر اور ان کی بیٹی...... صبا! میرے کام آئے تھے اور مجھے اپنے ساتھ ''سارنگ ہاؤس'' لے آئے تھے۔

''اس میں کوئی شک نہیں بیٹے...... کہ ہماری وجہ سے ہی تم پر غموں کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔'' سیٹھ اصغر نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''یہ ذلیل حرکت...... اس کتے سلطان جہانزیب کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی...... میرا بس نہیں چل رہا کہ میں اس حرام زادے وطن فروش کی بوٹیاں نوچ لوں۔''

میرے لبوں پر جیسے چپ شاہ کا تالا لگ چکا تھا۔ میری بظاہر خاموشی اور غمناکیوں سے ستے ہوئے چہرے سے یہی محسوس ہوتا جیسے...... میں بالکل مایوس اور بے حوصلہ ہو چکا تھا مگر یہ میرا دل ہی جانتا تھا کہ...... میرے اندر...... کیسے کیسے طوفان بلاخیز کروٹیں لے رہا تھا...... میرے سینے میں کیسی آتشیں انتقام سلگ رہی تھی...... اور...... میری آنکھوں کے سامنے سرخ آندھی کی جو چادر سی تن گئی تھی یہ میں ہی جانتا تھا یا...... میرا شوریدہ دل...... میری ماں اور بہن کی خون میں لت پت لاشیں...... ایک لمحے کو بھی میری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئی تھیں۔

مجھے اپنی وردی اترنے اور...... نوکری چھوٹنے کا کوئی غم نہ تھا...... بلکہ میں تو اب خود کو ان زنجیروں سے بالکل آزاد محسوس کرنے لگا تھا۔

مجھے اب یوں لگ رہا تھا جیسے میں اب کچھ اور ہی راہوں کا مسافر بننے والا تھا...... میری زندگی اب کسی اور ہی ڈھرے پہ آنے والی تھی۔ میرا راستہ بدلنے لگا تھا...... اور میری منزل' میرا مقصد' صرف اور صرف سلطان جہانزیب جیسے خونی...... غدار وطن کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا...... بہر طور...... مجھے اب ایک چپ سی لگ گئی تھی...... جیسے

میں صدیوں سے خاموش تھا۔ صبا میری دلجمعی میں مصروف تھی۔ وہ مجھ سے باتیں کرتی، میرا غم بھلانے اور جی بہلانے کے سو سوجتن کرتی رہتی تھی...... مگر میں تو جیسے اب پتھر کا بت بن چکا تھا۔ مگر نہیں...... پتھر کا بت تو بے جان ہوتا ہے...... میں تو...... میں تو...... اب مثل آتش فشاں بن چکا تھا...... جو اپنے آتشیں وجود میں بھڑکتا ہوا لاوا سموئے ہوئے رہتا ہے......

ہاں میں بھی ایک ایسا ہی...... خوابیدہ آتش فشاں تھا۔

میں چند روز سیٹھ اصغر کے ہاں رہا...... اور پھر ایک دن بالکل خاموشی کے ساتھ ''سارنگ ہاؤس'' سے نکل گیا...... کسی کو بتائے بغیر...... صبا کو بھی......

ذیشان کی طرف سے مجھے ان کڑے حالات میں...... ایک بات پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ صرف ایک بار ہی مجھ سے ملا تھا...... اس کے بعد جیسے اس نے بھی مجھ سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے رہا ہونے کے بعد...... اس سے ٹیلی فونک رابطہ بھی کرنے کی کوشش کی۔ مگر...... اس کا رویہ بالکل سپاٹ تھا...... وہ چند رسمی کلمات کے بعد مجھے خدا حافظ کہہ دیا کرتا تھا۔ کسی نے درست ہی کہا ہے کہ...... برے وقت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

میں نے پھر کبھی اس سے رابطہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ میں ذیشان سے ناراض تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میرے حالات اور...... سلطان جہانزیب جیسے سفاک انسان کی بربریت سے ڈر گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یوں خاموشی کے ساتھ کسی کو بتائے بغیر...... سارنگ ہاؤس سے میرے اس طرح نکل جانے پر سیٹھ اصغر بالخصوص صبا کو بہت دکھ ہوگا۔ مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ میری آگ میں وہ بھی میری طرح جلتے رہیں۔ میری وجہ سے وہ کسی قسم کی مصیبت کا شکار ہوں...... کیوں کہ سلطان جہانزیب میری طرح...... ان دونوں باپ بیٹیوں کو بھی اپنی ''ہٹ لسٹ'' میں رکھ سکتا تھا۔ تاہم میں نے ان دونوں کو اپنی طرف سے کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہونے کی خاطر...... ایک پبلک بوتھ سے صرف صبا سے رابطہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔ اس نے جیسے ہی فون پر میری آواز سنی تو...... گلوگیر لہجے میں پھٹ پڑی۔

''عمران...... عمران...... تت...... تم اچانک کہاں غائب ہو گئے ہو......؟ میں اور ڈیڈ تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہیں......؟ تم...... تم...... ٹھیک تو ہو ناں...... کہاں

سے بول رہے ہو؟''

''ہاں صبا...... میں بالکل ٹھیک ہوں اور خیریت سے ہی ہوں۔''

میں نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ اور بات جاری رکھتے ہوئے مزید بولا۔

''میں نے اس لئے ہی تمہیں فون کیا تھا کہ...... میری منزل اب بدل چکی ہے...... میں اب ایسی راہوں کا مسافر بن چکا ہوں...... جہاں صرف بارود اور شعلوں کے سوا کچھ نہیں...... اس لئے میں نہیں چاہتا کہ...... تم پر ان شعلوں کی آنچ تک آئے...... خدا حافظ۔''

یہ کہہ کر میں نے اس کی بات سنے بغیر رابطہ منقطع کر دیا۔

☆......☆......☆

میں ''سارنگ ہاؤس'' سے نکل تو آیا تھا...... مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ...... میرا اگلا ٹھکانہ کہاں تھا......؟ اس بھرے پرے شہر میں میرا اللہ کے سوا اور کون تھا......؟ اس سے سرمائی شام کے دراز ہوتے ہوئے سائے...... مجھ پر وحشتیں طاری کرنے کی سعی میں تھے۔ مگر جہاں پہلے ہی میرے جیسے ستم رسیدہ انسان کے اندر...... وحشتوں اور چیختے ہوئے سناٹوں کا ایک پورا جنگل آباد ہو...... اسے بھلا کب اس کی پروا ہوتی ہے۔

میری جیب میں فقط تین سو پچیس روپے تھے اور جو لباس میں نے اس وقت زیب تن کر رکھا تھا صرف یہی میرا کل زادِ راہ تھا۔

میں یونہی جیبوں میں ہاتھ ڈالے...... ایک ویران سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر بے منزل مسافر کی طرح...... چلا جا رہا تھا۔

اچانک عقب سے ایک سیاہ رنگ کی کار آ کر بالکل میرے قریب رکی...... میں ذرا چونک کر رکا...... پھر میں نے دیکھا۔ کار سے ایک عورت برآمد ہوئی۔ وہ خاصی دراز قامت اور پرکشش تھی...... اس نے بلیو کلر کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اس کے ہمراہ ایک لحیم شحیم شخص بھی تھا۔ شاید وہ اس کا ڈرائیور تھا۔ عورت کی عمر...... پینتالیس کے پیٹے میں تھی۔

''ہیلو کیپٹن عمران صاحب......'' وہ عورت میرے قریب آ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ اور مصافحے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کے چہرے کی طرف تکنے لگا۔ تاہم دوسرے ہی لمحے اس سے مصافحہ کرنے کے بعد میں

بے تاثر لہجے میں بولا۔

''کیپٹن عمران نہیں......صرف عمران......''

''شیور...... یہی زیادہ بہتر ہے۔'' وہ عجیب کھنکتی ہوئی اسرار بھری آواز میں بولی۔

''آیئے میرے ساتھ......پلیز......''

''مگر...... آپ کون خاتون ہیں......؟ میں تو آپ کو جانتا تک نہیں......؟'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''جان کاری کیلئے......کسی کا ایک دوسرے سے شناسا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا عمران صاحب۔'' وہ دوبارہ اسرار بھرے لہجے میں بولی۔

''اور بہت سے حوالے بھی تو ضروری ہوتے ہیں......کم از کم...... ایک حوالے سے تو آپ ضرور چونک پڑیں گے......مگر پہلے آپ کو مجھ سے یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ...... آپ باقی باتیں میری رہائش گاہ پر پہنچنے پر ہی پوچھیں گے۔

میں اس اجنبی خاتون کی پراسرار باتوں پر الجھ سا گیا۔ تاہم دوسرے ہی لمحے میں نے ایک گہری سانس لے کر اثبات میں اپنا سر ہلا دیا......تو وہ بولی۔

''میں......سلطان جہانزیب کی بیوی ہوں۔''

''اس نے جیسے چونکا دینے والا انکشاف کیا۔ میں حیرت سے منہ کھولے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ پھر وہ مسکرا کر بولی۔

''آیئے اب میرے ساتھ......'' اور میں جیسے کسی عملِ تنویم کے زیر اثر اس کے ساتھ کار میں آ بیٹھا۔

ڈرائیور نے باادب کار کی عقبی نشست کا دروازہ کھولا اور میں اندر بیٹھ گیا۔ پھر وہ......عورت بھی میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

☆......☆......☆

میرا دل اور دماغ بری طرح اتھل پتھل کا شکار تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا کہ......سلطان جہانزیب کی بیوی کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں۔ مجھے نہیں یاد پڑتا تھا کہ بیوی کے حوالے سے کبھی میری اس سے یا کسی اور سے گفتگو ہوئی ہو......؟ تو پھر...... یہ خاتون کون تھی......؟ کیا واقعی سلطان جہانزیب کی بیوی تھی......؟ اور اگر تھی تو......اب تک کہاں تھی......؟ یا...... مطلقہ تھی......اس کی......؟ اور......اور......پھر مجھ سے اس کا یوں اچانک سر راہ ملنا......کیا معنی رکھتا تھا......؟ کیا اس نے مجھ پر پہلے سے نظر رکھی ہوئی تھی......؟ کئی ایسے سوالیہ نشانات تھے جو آنکڑے کی طرح میرے اندر اٹک کر رہ گئے تھے......خیر......میں نے بھی حسبِ وعدہ خاموشی ہی اختیار کر رکھی تھی۔

اس پراسرار خاتون کے ساتھ یہ مختصر سفر خاموشی سے جاری رہا۔ کار اب...... ایک پوش علاقے میں داخل ہوگئی۔ اس کے بعد......ایک خوبصورت بنگلے کے گیٹ کے قریب پہنچی......تو چوکیدار نے کار پہچانتے ہی گیٹ کھول دیا......کار ایک پختہ روش پر رینگتی ہوئی اندر پورٹیکو میں جارکی۔

میں دروازہ کھول کر باہر اتر آیا۔ ڈرائیور وہیں موجود رہا جبکہ خاتون مجھے اندر ایک پرتزئین ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

اس نے مجھے انتہائی شستہ لہجے میں ایک صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔ پھر خود کھڑے کھڑے مجھ سے بولی۔

''اگر آپ......آرام کرنا چاہیں تو......صبح تفصیلاً گفتگو کر لیں گے۔'' میں بے تاثر لہجے میں کہا۔

''آرام اب میری زندگی میں نہیں رہا......آپ مجھ سے بات کرسکتی ہیں......

میں چلا جاؤں گا۔“

”آپ اتنی رات گئے اب کہاں جائیں گے......؟“ وہ بولی۔

پھر اس سے پہلے کہ میں دوبارہ پھیکے لہجے میں کچھ کہتا...... وہ میرے سامنے کے صوفے پر براجمان ہو کر دوبارہ بولی۔

”دشمن کو بے ٹھکانہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ...... پہلے خود اپنے ٹھکانے کا بندوبست ہو......“

”میں اس قسم کے لوازمات سے یکسر عاری ہوں خاتون......“ میں نے سرد لہجے میں اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا...... وہ چند ثانئے اسرار بھری خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

”اگر دشمن کے خلاف تمہیں کسی قسم کی مدد ملے تو کیا اسے دھتکارنا دانشمندی ہو گی......؟“ میں پہلی بار اس کی بات پر قدرے چونکا پھر بے اختیار مختصراً بولا۔

”کیسی مدد......؟“

”آپ پہلے کچھ کھا پی لیں......“ وہ اٹھنے لگی تو میں نے اسے منع کر دیا اور مطلب کی بات کرنے کو کہا۔ وہ ایک طویل ہنکاری بھرنے کے بعد دوبارہ بیٹھ گئی پھر بولی۔

”عمران صاحب......! جس دشمن کیلئے آپ کے دل میں جو آتش انتقام سلگ رہی ہے۔ وہی آگ میں بھی اس کیلئے دل میں رکھتی ہوں......“

”کیا آپ واقعی...... سلطان جہانزیب کی بیوی ہیں......؟“ بالآخر میں نے خود ہی گفتگو کی ابتداء کرنے کی غرض سے اچانک پوچھا۔ تو اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔

”ہاں......“

”اور...... جمشید آپ کا ہی بیٹا ہے......؟“

”نہیں......“

”تو کیا...... آپ کی جہانزیب سے علیحدگی ہو چکی ہے......؟“

”ہاں...... میں نے اس سے کئی سال پہلے ہی خلع لے لی تھی۔“

”تو گویا آپ...... سلطان جہانزیب کی دوسری بیوی تھیں۔“

”ہاں...... اور...... جمشید...... اس کی پہلی بیوی آسیہ کے بطن سے تھا۔ جسے جنم دینے کے بعد آسیہ کا انتقال ہو گیا تھا اس کے بعد...... سلطان نے مجھ سے شادی کر لی......“ وہ بتانے لگی۔

”میرا بھی ایک بیٹا تھا...... شاہ زیب...... جو میرے مرحوم شوہر...... ساجد خان کی نشانی تھا۔ میں بیوہ تھی اور...... سلطان جہانزیب رنڈوا۔ یوں اس قدر مشترک نے ہمیں ملا دیا...... مگر آج مجھے احساس ہوتا ہے کہ میرا وہ فیصلہ غلط تھا...... جس کی قیمت میرے بیٹے...... شاہ زیب نے اپنی جان دے کر ادا کی تھی۔“ یہ بتاتے ہوئے اس کے چہرے پر اداسی کی رمق ابھری۔ اس کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ اپنے اندر کا غم اور آنکھوں کے آنسو ضبط کیے ہوئے تھی، وہ شاید خود کو فولاد میں ڈھالنا چاہتی تھی...... اس لئے اس نے غالباً رونا دھونا ایک عرصے سے چھوڑ دیا تھا۔

”بہت دکھ ہوا مجھے۔“ میں نے تاسف کے ساتھ کہا پھر پوچھا۔

”آپ کے بیٹے شاہ زیب کی موت کا سبب...... پوچھ سکتا ہوں......؟“

”ہاں...... میں تمہیں ضرور بتاؤں گی یہ سب...... تاکہ تمہیں بھی اس بات کا اندازہ ہو سکے...... کہ میرے اندر بھی تمہاری طرح...... سلطان جہانزیب کے لئے انتقام کی آگ بھری ہوئی ہے۔“ وہ بولی۔ پھر صراحت سے بیان کرنے لگی۔

”جب میری سلطان جہانزیب سے دوسری شادی ہوئی تو...... میرے پہلے شوہر ساجد سے ایک بیٹا...... شاہ زیب تھا جو سلطان جہانزیب کے اکلوتے بیٹے...... جمشید سے دو سال بڑا تھا۔ سلطان جہانزیب...... میرے بیٹے شاہ زیب کو بھی بظاہر اپنا بیٹا سمجھ کر اسے...... باپ کی شفقت دینے کی کوشش کرتا تھا۔ مجھے پہلے پہل یہ غلط فہمی تھی کہ...... سلطان جہانزیب...... میرے بیٹے سے وہ پدرانہ محبت نہیں کر سکے گا...... مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی کہ سلطان جہانزیب اپنے حقیقی بیٹے جمشید کے بجائے میرے بیٹے شاہ زیب پر زیادہ توجہ دینے لگا تھا۔ پہلے تو میں یہی سمجھی تھی کہ شاید وہ ایسا میرا دل جیتنے کیلئے کر رہا ہے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ واقعی اس پر خاص توجہ دیتا تھا۔ اور یوں شاہ زیب بھی اس سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ سلطان

جہانزیب نے مجھے سختی سے منع کر دیا تھا کہ میں شاہ زیب کو یہ حقیقت کبھی نہیں بتاؤں گی کہ وہ اس کا اصل بیٹا نہیں۔ یوں وقت گزرتا گیا اور جمشید...... شاہ زیب دونوں جوان ہو گئے......''

وہ اتنا بتا کر چند ثانئے سانس لینے کو تھمی پھر دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''اس دوران سلطان جہانزیب کے پاس...... کچھ پراسرار لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ پہلے تو میں انہیں کاروباری دوست ہی سمجھا کرتی تھی۔ مگر جب میں نے یہ محسوس کیا کہ اس کے یہ دوست ہمیشہ...... نصف رات کی تاریکی میں ہی ملنے آتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے...... میرے بیٹے شاہ زیب کو بھی ان کے قریب کر دیا تھا...... تو مجھے اچنبھا ہوا۔

''میں نے شاہ زیب سے پوچھنے کی کوشش کی تو...... وہ ٹال جایا کرتا تھا بلکہ...... سلطان جہانزیب نے میرے بیٹے کو اس قدر لاڈ پیار میں خراب کر ڈالا تھا کہ وہ میرا کہنا بھی نہیں مانا کرتا تھا۔ وہ مکمل طور پر سلطان جہانزیب کے کہنے پر تھا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میرا بیٹا شاہ زیب...... سلطان جہانزیب کا کوئی خاص آدمی بن کر رہ گیا ہے...... جو اس کا ہر حکم بجا لاتا تھا۔

پھر اس وقت مجھے پہلی بار سلطان جہانزیب پر شبہ ہونے لگا کہ وہ میرے بیٹے کو کسی غلط راہ پر ڈال چکا ہے...... جبکہ وہ اپنے بیٹے جمشید کو...... اپنے پراسرار دوستوں سے دور رکھتا تھا۔ اس پر وہ ایک حقیقی باپ جیسی توجہ دیا کرتا تھا جبکہ میرے بیٹے کو ہر قسم کی کھلی آزادی دے رکھی تھی۔ یہاں تک کہ وہ دونوں گھنٹوں رات گئے ساتھ بیٹھے نجانے کن خفیہ موضوعات پر گفتگو کرتے رہتے تھے...... اور اکثر میں نے اپنے بیٹے کو اس کے ساتھ شراب پیتے بھی دیکھا تھا......

تب مجھے اس لرزہ خیز حقیقت کا انکشاف ہونے لگا کہ سلطان جہانزیب کا رویہ میرے بیٹے کیلئے...... ایک ''باس'' سے زیادہ نہیں تھا۔

میرا بیٹا راتوں کو اور پھر کئی کئی روز گھر سے غائب رہنے لگا...... حتیٰ کہ دو بار وہ زخمی ہو کر بھی لوٹا۔ سلطان جہانزیب اور شاہ زیب مجھے کچھ بھی نہیں بتاتے تھے۔ صرف سلطان جہانزیب نے میرے بار بار کے اصرار پر مجھے اتنا بتایا کہ...... چھوٹی موٹی غیر

قانونی سمگلنگ کرتا ہے...... اور کبھی کبھار پولیس مقابلہ بھی ہو جاتا ہے...... تو میں بری طرح ٹھٹک گئی۔ اب مجھے...... سلطان جہانزیب کی اصلیت کا علم ہو چکا تھا کہ...... وہ درحقیقت اندر سے اپنے بیٹے جمشید کو بہت چاہتا تھا جبکہ میرے بیٹے شاہ زیب کی حیثیت اس کے غیر قانونی دھندے میں ایک مہرے سے زیادہ نہ تھی۔ میرا بیٹا مجھ سے دور ہو چکا تھا۔ مجھے سلطان سے شدید نفرت ہو گئی۔ میں اس سے بہت لڑی جھگڑی کہ اس نے میرے اور میرے بیٹے کے ساتھ دھوکا کیا تھا اور اسے ایک باپ کا جھوٹا پیار دے کر اسے اپنے قابو میں کر کے اپنا آلہ کار بنا لیا تھا۔

مگر...... میں بے بس تھی۔ وہ بڑی چالاکی اور عیاری سے میرے بیٹے کو مجھ سے چھین چکا تھا۔ تب میں نے...... اپنے شوہر سلطان جہانزیب اور اپنے بیٹے شاہ زیب کی ٹوہ لینا شروع کر دی تو مجھ پر ایک لرزہ خیز انکشاف ہوا۔''

''میرا شوہر ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں اپنے ضمیر کا سودا کر چکا تھا اور میرے بیٹے شاہ زیب کو بھی اس ناپاک راہ پر ڈال چکا تھا۔ وہ پڑوسی ملک کے ایجنٹوں کے ساتھ مل کر اپنے وطن کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ سلطان جہانزیب ایک غدار وطن تھا اور بدقسمتی سے وہ میرے لخت جگر کو بھی اپنا ہمنوا بنا چکا تھا۔

میں ایک غدار وطن کی بیوی تھی۔ وطن فروش بیٹے کی ماں کہلوانے سے زیادہ مر جانا پسند کرتی تھی۔ تب میں نے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ان سنگین حالات پر غور کیا تو یہی فیصلہ کیا کہ میرے اس طرح چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ میں اس طرح بے خبر بیوی اور ماں کے روپ میں سلطان جہانزیب کے خلاف درون خانہ کوئی کارروائی کروں تو زیادہ بہتر تھا۔ مگر...... اپنے بیٹے کی وجہ سے میں مجبور ہو کر رہ جاتی اور تب مجھے سلطان جہانزیب کی شاطرانہ ذہنیت کا اندازہ ہونے لگا۔

لیکن باوجود اس کے میں سلطان جہانزیب اور دشمن ملک کے ایجنٹوں کے خلاف کچھ ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی...... مگر اپنے بیٹے کی وجہ سے انہیں آشکارا نہیں کر سکتی تھی......'' وہ رکی تو...... میرے اندر سائیں سائیں ہونے لگی۔ میں نے پرجوش بے قراری کے ساتھ پوچھا۔

''وہ ثبوت...... اب بھی تمہارے پاس ہیں...... آ...... آپ اسے میرے

حوالے کر دیں۔ سلطان جہانزیب نہیں بچ پائے گا۔" میں نے آخر میں دانت پیس کر کہا۔

"ہاں...... وہ ثبوت اب بھی میرے پاس محفوظ ہیں...... اور میں تمہیں ضرور دوں گی۔"

خاتون نے...... جوش سے تمتمائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مگر پہلے...... پوری بات سن لو......"

"ثبوت حاصل کرنے کے بعد' میں ابھی گومگو میں مبتلا تھی کہ میں نے ایک روز...... اپنے شوہر سلطان جہانزیب کو دھمکی دے دی...... کہ اگر اس نے غلط راہ نہ چھوڑی تو میں یہ ثبوت کسی بڑے آرمی آفیسر کے سپرد کر دوں گی۔

سلطان جہانزیب نے وہ ثبوت مجھ سے حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر میں نے ان کی ہوا بھی اسے نہ لگنے دی...... اور اس نے بھی مکارانہ چال چلتے ہوئے بے خوفی سے کہہ دیا کہ بے شک وہ ثبوت میں آشکارا کر دوں...... مگر...... پھر میرا بیٹا شاہ زیب بھی بچ نہیں پائے گا۔"

میں اس وجہ سے خاموش ہو کر رہ گئی...... لیکن باوجود اس کے میں نے وہ ثبوت اس کے حوالے نہ کئے مگر...... میں نے اپنے ضمیر کی چبھن سے مجبور ہو کر اپنے شوہر اور بیٹے سے ہر طرح کا تعلق توڑ دینے کا فیصلہ کیا اور پھر...... الگ زندگی گزارنے لگی۔ مگر...... مجھے دوہرا غم اندر ہی اندر چاٹتا رہا۔ پھر اچانک...... سلطان جہانزیب نے میرے بیٹے کو جانے کہاں غائب کروا دیا اور مجھ سے رابطہ کر کے اس نے...... بیٹے کی بازیابی کے عوض مجھ سے وہ ثبوت طلب کرنے چاہے۔ میں نے اس شرط پر وہ ثبوت اس کے حوالے کرنے کا کہا کہ وہ میرے بیٹے کو چھوڑ دے۔ یعنی اس سے ہر قسم کا قطع تعلق کر لے تاکہ وہ شریفانہ زندگی گزار سکے...... سلطان جہانزیب خاموشی سے چلا گیا۔

بابو شاہ نے ایسے نازک حالات میں میری مدد کی۔ وہ سلطان جہانزیب کا ہی کارندہ تھا۔ مگر جیسے ہی اسے معلوم ہوا کہ سلطان جہانزیب ایک وطن فروش شخص ہے تو اس نے فوراً اس سے قطع تعلق کر لیا اور مجھ سے آن ملا۔ بابو شاہ یہی شخص ہے...... جسے تم نے ابھی میرے ساتھ دیکھا تھا۔"

چند ثانئے توقف کے بعد اس نے دوبارہ اپنی گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا...... جہاں سے منقطع کیا تھا۔

"بہر طور میں نے بابو شاہ کو اپنے بیٹے شاہ زیب کو تلاش کرنے پر معمور کیا۔ اس وفادار نے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر...... میرے بیٹے کی تلاش شروع کر دی۔ ایک طویل عرصے کے بعد ابھی پچھلے ہی دنوں بابو شاہ نے مجھے دولخت کر دینے والی ایک کرب انگیز اطلاع دی کہ میرا بیٹا...... بارڈر سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔ اب...... میں نے سلطان جہانزیب کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ میرے بیٹے کا قاتل ایک طرح سے وہی تھا۔ سلطان جہانزیب کو علم نہ تھا کہ مجھے اپنے بیٹے کی موت کا پتہ چل چکا ہے۔ میں نے بھی اسے اس حقیقت سے لاعلم ہی رکھا...... پھر انہی دنوں اخبارات میں' میں نے تمہاری اور سلطان جہانزیب کی خونیں جنگ کے بارے میں پڑھا تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ سلطان جہانزیب جیسے...... وطن فروش...... اور...... خونی انسان کی بیخ کنی کیلئے تم سے بہتر اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا......"

☆......☆......☆

اس خاتون...... جس نے بعد میں اپنا نام...... نوری بیگم بتایا تھا' کی یہ ساری
لرزہ خیز کتھا سننے کے بعد میں کئی ثانئے تک اپنی جگہ دم بہ خود بیٹھا رہا۔ دل جیسے میری
سائیں سائیں کرتی کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا...... رگوں میں خون پارے کی مثل تیزی
سے گرش کرنے لگا تھا۔ میری سوئی...... صرف اور صرف ان ثبوتوں پر اٹک کر رہ گئی تھی'
جن کا تذکرہ...... نوری بیگم نے کیا تھا۔ وہ بھی بظاہر خاموش نظروں سے میرے گم صم
چہرے سے...... جیسے میرے اندر کے طوفانِ تلاطم خیز کا اندازہ کر رہی تھی...... وہ خوب
سمجھ رہی تھی کہ میری نس نس میں...... سلطان جہانزیب جیسے غدار وطن کو نابود کرنے کا
کس قدر گرم جوش لاوا ابل رہا تھا......

نوری بیگم بلاشبہ ایک بہادر خاتون تھی...... حالانکہ میری طرح اسے بھی اپنے
شوہر سلطان جہانزیب کی سفاکی کا علم تھا مگر باوجود اس کے اس نے...... اس سے ٹکر لے
رکھی تھی۔

''آپ نے بہت بروقت عقل مندی کا مظاہرہ کیا...... اس رذیل کتے سلطان
جہانزیب کو ابھی تک یہ پتہ چلنے نہ دیا کہ آپ کو اپنے بیٹے کی موت کا علم ہو چکا ہے۔
ورنہ وہ آپ کے خلاف بھی کوئی وحشیانہ کارروائی کر سکتا ہے۔''

خاصی طویل خاموشی کے بعد میں نے اس سے کہا۔

''ہاں...... مگر جب تک اس کے خلاف وہ ثبوت میرے پاس موجود ہیں......
وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' نوری بیگم نے نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

''وہ بہت کمینہ اور عیار انسان ہے......'' میں نے کہا۔

''ثبوت حاصل کرنے کیلئے وہ آپ کو اغوا بھی کروا سکتا ہے۔''

''وہ پہلے بھی ایسا کر چکا ہے......'' نوری بیگم نے کہا۔ میں چونک کر اس کا چہرہ
تکنے لگا۔

''اس نے مجھ پر بے پناہ انسانیت سوز تشدد کیا...... مگر میں نے اسے صاف
صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ...... اگر اس نے مجھے زیادہ دیر اپنے پاس قید رکھا تو وہ
ثبوت میرے ساتھی...... آشکارا کر دیں گے۔ اس پر مجبور ہو کر اس نے مجھے چھوڑ دیا
تھا۔''

''وہ ثبوت مجھے دکھائیں...... پھر کوئی مربوط لائحہ عمل ترتیب دیتے ہیں......''
میں نے کہا۔ اسی اثنا میں بابو شاہ اندر داخل ہو چکا تھا۔ نوری بیگم نے اسے وہ ثبوت
لانے کو کہا۔ وہ خاموشی سے چلا گیا۔

ذرا دیر بعد لوٹا تو...... اس کے ہاتھوں میں ایک خاکی لفافہ' ایک عدد ٹیپ
ریکارڈر تھا۔

گویا...... وہ ثبوت...... آڈیو کیسٹ میں تھے۔ میں نے دل میں سوچا۔

وہ واقعی ایک کیسٹ تھا جس کے بارے میں نوری بیگم نے مجھے بتایا کہ......
اس میں...... سلطان جہانزیب کی وہ خفیہ گفتگو ریکارڈ کی ہوئی تھی' جب وہ ملک دشمن
ایجنٹوں کے ساتھ اپنے کمرہ خاص میں ایک بہت ہی اہم وخفیہ میٹنگ میں مصروف تھا۔
یہ کام بابو شاہ نے نوری بیگم کے کہنے پر ہی انجام دیا تھا۔

بابو شاہ نے ٹیپ ریکارڈر درمیان میں رکھی شیشے کی ٹاپ والی مستطیل سنٹرل
ٹیبل پر رکھا...... پھر کیسٹ لگا کر بٹن آن کر دیا اور ایک طرف خاموشی سے مودبانہ کھڑا
ہو گیا۔

میری سماعتیں یہ گفتگو سننے کیلئے بے چین تھیں۔ میں خاموش مگر پرجوش نظروں
سے ٹیپ ریکارڈر کو گھورے جا رہا تھا...... کمرے کی دم بخود سی خاموشی میں چند ثانئے ہلکی
سرسراہٹ ابھرتی رہی پھر...... ہولے سے کھنکار کی آواز ابھری۔

''سلطان جہانزیب! ہمیں خوشی ہے کہ باس کی تمہیں' خصوصی آشیرباد حاصل
ہے...... اور وہ آپ کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں...... لیکن پچھلے کئی روز سے تمہاری
وفاداری کا گراف تیزی سے نیچے آ رہا ہے...... تم ابھی تک ہمیں...... وہ اہم دفاعی

راز...... ایٹمی پلانٹ کی مفصل رپورٹ دینے میں ناکام رہے ہو...... اس کی کوئی خاص وجہ......؟''

''کھرکھراتی آواز تھی تو...... سپیکر سے سلطان جہانزیب کی آواز ابھری۔ وہ جواباً بتانے لگا۔

''راجہ پٹیل صاحب ! میری وفاداری پر باس کو شبہ تو نہیں ہونا چاہئے حالانکہ میں اس سے پہلے...... بعض اہم فوجی رازوں کی بلیو فلم تمہارے حوالے کر چکا ہوں۔ اور...... رہی بات ایٹمی راز اڑانے کی تو...... اس کا تمہیں بھی بخوبی اندازہ ہوگا کہ...... یہ بہت محنت طلب خطرناک کام ہے...... آخر مجھے بھی اپنا دامن بچا کر یہ مشکل ترین کام کرنا پڑے گا......''

''جن فوجی رازوں کی تم بات کر رہے ہو...... جہانزیب...... وہ محض ایک بوگس بلیو فلم تھی......'' راجہ پٹیل نامی ملک دشمن ایجنٹ کی گھمبیر آواز ابھری۔

''حالانکہ...... اس سے پہلے تم نے جو راز اور نقشے ہمارے سپرد کئے تھے وہ ہمارے لئے بہت اہمیت تو رکھتے ہیں...... لیکن بدقسمتی سے ہم اس راز کو ابھی تک ڈی کوڈ کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ...... ابھی تک وہ ہمارے پاس محفوظ تو ہیں...... لیکن...... بدقسمتی سے وہ اب تک ہمارے لئے کارآمد ثابت نہیں ہو سکے ہیں۔ تم کوشش کرو...... تو انہیں ڈی کوڈ کر کے ہمارے حوالے کر دو......'' آواز تھم گئی۔

پھر کچھ کاغذوں کی کھڑ پڑ ابھری...... اس کے بعد...... دوبارہ راجہ پٹیل کی آواز ابھری...... وہ جہانزیب سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا......

''یہ ریڈ فائل ہے...... جس میں ان تمام دفاعی رازوں کی تفصیل ہے جو تم نے ہمارے حوالے کئے تھے...... مگر ہم ابھی تک اسے ڈی کوڈ کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں...... اب ہمارے لئے یہ کاغذی ردی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے...... اسے تم اپنے پاس رکھو...... جلد از جلد اسے کسی طرح ڈی کوڈ کروا کے دوبارہ ہمارے حوالے کر دینا۔''

''یہ تو خاصا مشکل کام ہے...... پٹیل صاحب !'' سلطان جہانزیب کی متفکرانہ آواز ابھری...... اصولاً دیکھا جائے تو...... یہ میرا کام نہیں ہے...... مگر......''

''سلطان جہانزیب......'' معاً راجہ پٹیل کی درشت آواز ابھری۔

''ہم تمہیں ہر کام کا منہ مانگا معاوضہ دیتے ہیں...... یہ کام بھی ہم تم سے بلامعاوضہ نہیں لیں گے۔ تمہیں اس کام کے عوض پورے پانچ کروڑ ملیں گے...... بولو منظور ہے۔''

''مم...... مم...... مجھے منظور ہے...... بب...... بالکل منظور ہے۔'' دوسرے ہی لمحے...... سلطان جہانزیب کی لکنت زدہ حریصانہ آواز ابھری...... اور...... میری رگوں میں خون لاوا بن کر دوڑنے لگا۔ چند ٹکوں کی خاطر...... وہ خبیث اور وطن فروش...... ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا۔

کیسٹ تقریباً پینتالیس منٹوں تک چلتی رہی...... گفتگو کا لبِ لباب گھوم پھر کر...... یہی سمجھ میں آتا تھا کہ...... سلطان جہانزیب کو...... ملک دشمن ایجنٹوں نے آئندہ کیلئے اس بات پر پابند کر دیا تھا کہ اس نے اب تک جتنے بھی راز ان کے حوالے کیے ہیں...... وہ سب انہیں...... کسی طرح ڈی کوڈ کروا کے دوبارہ ان کے حوالے کرنا ہوگا۔''

جوشِ حمیت اور ایک غدارِ وطن کے ضمیر کے سودا کرنے کے غیظ تلے میں مثل آتش فشاں سلگ کر اندر ہی اندر بھڑکنے لگا...... تاہم میں نے ذہن میں آنے والے ایک اہم اور فوری خیال کے تحت نوری بیگم سے پوچھا۔

''وہ ریڈ فائل کیا ابھی تک...... جہانزیب کے پاس ہے......''

''ہاں......'' وہ جواباً اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

''اس اہم خفیہ میٹنگ کی ایک ایک بات بغور سننے اور ریکارڈ کرنے کے بعد سے...... میں نے اور بابو شاہ نے اس فائل کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے......''

''میں نے سنا ہے...... اس کی کوٹھی کے نیچے بیسمنٹ بھی ہے؟'' میں نے اچانک یاد کر کے پوچھا تھا۔

''ہاں......'' وہ بولی۔

''میں نے اس بیسمنٹ (تہہ خانے) تک پہنچنے کی کوشش کی...... مگر...... وہاں

تک کا راستہ صرف انہی دونوں کو آتا تھا...... اور مجھے اب بھی پورا یقین ہے کہ وہ ابھی تک ان اہم رازوں کو ڈی کوڈ نہیں کروا سکا...... اور وہ ریڈ فائل ابھی تک اس کے خفیہ تہہ خانے میں موجود ہے......''

میں گہری سوچ میں مستغرق ہو گیا۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں اب اس کے خفیہ تہہ خانے تک پہنچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' مجھے دیر تک سوچوں میں غرق خاموش پا کر وہ دوبارہ بولی۔

''یہ ثبوت سلطان جہانزیب کو پھانسنے کیلئے کافی ہوگا...... بعد میں خود سرکاری اہلکار خود ہی پوچھ گچھ کر کے تہہ خانہ تک بھی پہنچ جائیں گے۔''

''یہ ثبوت کافی نہیں ہے۔'' میں نے طویل پرسوچ خاموشی کے بعد کہا۔

''سلطان جہانزیب معمولی مجرم نہیں ہے...... کیسٹ میں ریکارڈ کی ہوئی آواز بھی بعض اوقات صفائی کے ساتھ جھٹلا دی جاتی ہیں...... الٹا اس طرح ہم سب اس کا ٹارگٹ بن جائیں گے......''

''تو کیا...... یہ ثبوت ہمارے لئے بے کار ہیں؟'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''نہیں...... اب ایسی بات بھی نہیں...... ہمیں ایک کلیو تو ہاتھ لگ ہی چکا ہے۔ یعنی وہ ریڈ فائل جس میں ہمارے ملک کے انتہائی اہم راز کوڈ کی صورت میں اس کے قبضے میں ہیں...... اور وہ فائل ہمیں سب سے پہلے اڑانی ہوگی۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''میرے ذہن میں ایک چال تو آتی ہے...... مگر......''

''مگر کیا......؟'' وہ بے چینی سے بولی۔

''آپ اگر ذرا ہمت سے کام لیں تو......'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ یکدم پرجوش ہو کر بولی۔

''عمران صاحب! آپ مجھ پر بھروسہ کریں...... میں ایک غدار وطن اور اپنے بیٹے کے قاتل کے خلاف...... سب کچھ کر سکتی ہوں......''

''تو پھر آپ کو...... سلطان جہانزیب کے ساتھ پہلے صلح کرنا ہوگی۔''

میں نے کہا تو وہ چونکتی ہوئی نگاہوں سے میرا چہرہ تکنے لگی۔

میں نے مزید کہا۔

''چوں کہ سلطان جہانزیب کو یہ معلوم نہیں ہے کہ...... آپ کو اپنے بیٹے کی موت کا علم ہو چکا ہے...... یوں آپ ایک ممتا کی ماری ماں کے روپ میں اس سے جا کر ملیں گی۔ اسے اعتماد میں لینے کیلئے' اس کیسٹ کی ایک ڈپلی کیٹ کاپی کروا کر اس کے حوالے کر دیں گی...... اور اس سے کہنا کہ...... تم اس ریڈ فائل کو ڈی کوڈ کروانے میں اس کی مدد کر سکتی ہو...... اور جھوٹ موٹ کہہ دینا کہ...... ایک آرمی آفیسر سے تمہاری دوستی ہے...... جو اب ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے......''

''مگر اس ریٹائرڈ فوجی آفیسر کو میں کہاں سے لاؤں گی...... ؟''

اس نے مجھ سے قدرے الجھ کر پوچھا۔

''اس فرضی...... عمر رسیدہ ریٹائرڈ آفیسر کا کردار میں خود سنبھالوں گا......'' میں نے اسرار بھرے لہجے میں کہا تو...... اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا...... پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ بولی۔

''تمہاری بات میں کافی وزن ہے...... ایسا ہو سکتا ہے......''

''بس...... تو پھر...... کل ہی آپ کو یہ کام کرنا ہوگا...... اور میں بھی آج کے بعد...... ایک عمر رسیدہ ریٹائرڈ آرمی آفیسر کے بھیس میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

اگلے دن میں نے ایک عمر رسیدہ شخص کا بہروپ بدلا...... اپنے بالوں اور بھنوؤں سمیت مونچھوں کو سفید کر ڈالا...... اور...... اپنا نام ریٹائرڈ کرنل زبیر رکھ دیا۔

نوری بیگم...... تنہا...... سلطان جہانزیب کی رہائش گاہ کی طرف...... گلبرگ روانہ ہو گئی...... وہ کیسٹ بھی اسے دینے کیلئے لے جا چکی تھی۔

میں اور بابو شاہ اب بے چینی سے اس کی آمد کے منتظر تھے...... میرے اندر انجانے وسوسے بھی سر ابھار رہے تھے۔ میں نے اسی طرح پہلے بھی سلطان جہانزیب کے گرد جال بننے کیلئے...... صبا کے پپا سیٹھ اصغر کو روانہ کیا تھا...... مگر...... عیار اور شاطر...... سلطان جہانزیب نے یہ چال الٹ دی تھی۔ مگر اب کی بار میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ میں اس بار ناکام نہیں رہوں گا۔ اس کی بہت سی ٹھوس وجوہات تھیں۔

نمبر ایک...... نوری بیگم ایک ممتا کی ماری ماں کا کردار بھرپور طریقے سے نبھا سکتی تھی۔ کیوں کہ سلطان جہانزیب کو بہرحال یہ معلوم نہ تھا کہ...... نوری بیگم کو اس کے بیٹے کی موت کا علم ہو چکا ہے...... یوں وہ...... نوری بیگم کی باتوں میں آ سکتا تھا۔

نمبر دو...... ریڈ فائل کو ڈی کوڈ کروانا...... سلطان جہانزیب کیلئے سب سے اہم مسئلہ بنا ہوا تھا اور کچھ بعید نہیں تھا کہ بھارتی ایجنٹ...... راجہ پٹیل سے وعدہ کرنے کے بعد' سلطان جہانزیب...... ملکی دفاعی اور ایٹمی راز بھی حاصل کر چکا ہو...... اور وہ اس ریڈ فائل میں موجود ہوں...... جسے ڈی کوڈ کروانا تھا اس نے......

نمبر تین...... میرے ریٹائرڈ آرمی آفیسر کے بہروپ پر بھی اسے شک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ نوری بیگم پختہ العمر عورت ہونے کے باوجود...... پر کشش خاتون تھی اور اس پر ایک ادھیڑ عمر شخص کا عاشق ہو جانا بھی سمجھ میں آتا تھا۔

یہ وہ تین اہم عوامل تھے...... جو بظاہر اپنی جگہ حقیقت خیز نظر آتے تھے......

بہرطور...... چند گھنٹوں بعد...... نوری بیگم واپس لوٹی تو میں نے دیکھا اس کا چہرہ...... جوشِ مسرت سے تمتما رہا تھا۔ میرا دل...... بے طرح مضطربانہ سی خوشی کے احساس تلے دھڑکنے لگا۔

نوری بیگم نے مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ...... وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہے۔ اس نے وہ ثبوت والی کیسٹ جیسے ہی اپنے بیٹے کا پتہ بتانے کی غرض سے اس کے حوالے کی تو سلطان جہانزیب خوش ہو گیا تھا۔ تب...... نوری بیگم نے اسے میری ہدایات کے مطابق ان ساری باتوں سے بھی آگاہ کر ڈالا...... جو میں نے اسے سمجھا دی تھیں۔

"عمران! سلطان جہانزیب...... اب تم سے ملنے کو بے چین ہے۔" وہ آخر میں میری طرف دیکھ کر خوشی سے بولی۔

"مجھ سے ملنے کیلئے...... یا ریٹائرڈ کرنل زبیر سے ملنے کیلئے۔" کامیابی کی چند خوشی بھری ساعتیں نصیب ہوتے ہی...... میری شوخی بیدار ہوئی اور نوری بیگم بے اختیار مسکرا اٹھی...... پھر اس نے بتایا کہ مجھے کس طرح...... ایک لالچی انسان کا کردار نبھانا ہو گا۔ وہ آج رات دس بجے کا وقت مقرر کر آئی تھی۔

چنانچہ میں اور نوری بیگم...... گلبرگ روانہ ہو گئے۔ کوٹھی پہنچتے تو...... سلطان جہانزیب بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔

"یہ ہیں...... کرنل زبیر...... جن کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔"

نوری بیگم نے سلطان جہانزیب سے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا...... میرا دل سینے میں بری طرح دھڑ دھڑا رہا تھا۔ اگر اس مردود کو مجھ پر ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو...... وہ کھڑے کھڑے مجھے شوٹ کر دیتا...... مگر میں نے اتنی مہارت اور صفائی سے ایک ادھیڑ عمر شخص کا بھیس بدل رکھا تھا کہ...... وہ مجھے بالکل بھی نہیں پہچان پایا تھا۔

بہرطور...... رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے آواز بدل کر لالچی فطرت انسان کے لب و لہجے میں اس سے کہا۔

"دیکھئے سلطان صاحب! جب میں آرمی میں تھا تو...... ایسے کئی اہم رازوں کی...... کوڈنگ اور ڈی کوڈنگ کرنا میرے ہی سپرد ہوتا تھا...... بلکہ...... بسا اوقات تو

میں اپنے ونگ کمانڈر سے باقاعدہ اس کی اجرت خالص سونے میں لے لیا کرتا تھا...... اب ریٹائر ہونے کے بعد تو میں دگنا معاوضہ طلب کرتا ہوں......مگر...... میں تمہارا کام بھی صرف نوری بیگم کی وجہ سے کرنے کو تیار ہوں...... اور...... وہ...... بھی...... چار گنا زیادہ معاوضے پر......منظور ہے تو بولو۔''

سلطان جہانزیب کی آنکھیں فوراً چمک اٹھیں......اور وہ جلدی سے مضطربانہ خوشی کے احساس تلے بولا۔''مم...... مجھے......منظور ہے...... بولو...... کتنا معاوضہ چاہتے ہو......؟''

''یہ میٹر پر منحصر ہے......ایک صفحے کا میں پورے پچاس لاکھ لوں گا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''مم......مگر...... یہ تو بہت زیادہ ہیں۔'' وہ مکاری سے بولا۔ مگر میں نے بھی دانستہ اپنی اہمیت بڑھانے کیلئے......اسی پر اصرار کیا......تو وہ ایک گہری سانس لے کر اٹھتے ہوئے بولا......''اچھا ٹھیک ہے...... مجھے منظور ہے......میں ابھی آتا ہوں۔''

وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ میں نے اور......نوری بیگم نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ذرا دیر بعد وہ لوٹا تو میں اور نوری بیگم بری طرح ٹھٹک گئے۔

سلطان جہانزیب کے ساتھ...... چار مسلح آدمی تھے......اور خود اس کے ہاتھ میں بھی ایک لمبی نال والا خوفناک پستول دبا ہوا تھا......اس کے ہونٹوں پر بڑی سفاکانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ نوری بیگم کا تو چہرہ ہی فق ہو گیا جبکہ خود مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ اور دل جیسے......رک رک کر دھڑکنے لگا۔

پہلا مہیب خدشہ جو میرے دل و دماغ میں ابھرا تھا وہ یہی تھا کہ......سلطان جہانزیب نہ صرف ہماری چال سمجھ چکا ہے بلکہ میری اصلیت سے بھی واقف ہو گیا تھا۔

''کرنل زبیر صاحب! اب تم بلا معاوضہ میرا کام کرو گے...... ورنہ تمہاری لاش کا بھی کسی کو پتہ نہیں چلے گا......'' سلطان جہانزیب نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے سرسراتے لہجے میں کہا تو بے اختیار میں نے طمانیت کی سانس لی......گویا...... میرا خدشہ غلط تھا۔ وہ ابھی تک مجھے وطن فروش کرنل زبیر کے روپ میں ہی سمجھے ہوئے

تھا......البتہ......قریب بیٹھی ہوئی نوری بیگم ضرور پریشان ہو گئی......لہٰذا وہ ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کیلئے غصے کے مارے یکدم اٹھ کھڑی ہوئی......اپنے شوہر سے بولی۔

''جہانزیب...... یہ کیا حرکت ہے......؟ کیا تم میرے ساتھ دھوکہ بازی کرو گے......؟'' وہ خبیثانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس سے بولا۔

''بیگم! محبت اور جنگ میں سب جائز ہے......تم اس کے ہاتھوں کھلونا بن چکی ہو۔ میں اسے کھلونا بناؤں گا......تم راستے سے ہٹ جاؤ......'' اس کا اشارہ میری طرف تھا۔ پھر اس نے مجھے اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا۔ میں جان بوجھ کر ہچر مچر کرنے لگا تو اس نے اپنے مسلح گرگوں کو اشارہ کیا......وہ بیک وقت میری طرف بڑھے......اور مجھے بیدردی کے ساتھ بازوؤں سے کھینچ کر کھڑا کر دیا۔ میں اندر سے اب فکرمند ہونے کے بجائے خوش تھا......سلطان جہانزیب میری چال میں آ چکا تھا......اگرچہ وہ اب گن پوائنٹ پر مجھ سے کسی فوجی کرنل زبیر کے روپ میں ملکی دفاعی اور ایٹمی رازوں والی ریڈ فائل ڈی کوڈ کروانا چاہتا تھا......مگر میں چنداں پریشان نہ تھا بلکہ اس کے برعکس میں تو خوش تھا کیوں کہ میرے پاس اب اسے مزید بے وقوف بنانے اور چکر دینے کے بہت سے مواقع میسر آ سکتے تھے۔

بہرطور وہ مجھے جن کمروں اور راہداریوں سے گزارتے ہوئے پکڑے لے جا رہے تھے......میں وہ سب ذہن نشین کرتا جا رہا تھا۔

اس کے بعد مجھے ایک نسبتاً چھوٹے کمرے میں لایا گیا......اچانک میں نے دیکھا کہ......سلطان جہانزیب نے اپنے ایک مسلح گرگے کو......مخصوص اشارہ کیا جسے میں نہیں سمجھ پایا تھا......

وہ اشارہ میری آنکھوں میں پٹی باندھنے کا تھا۔

اب میں کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چند قدم پر چلنا پڑا تھا اس کے بعد پھر کھڑے ہو گئے۔ میرا دل اب تیزی سے دھڑ دھڑانے لگا۔

میں اب انہی کے رحم و کرم پر تھا۔ اچانک میری ٹھٹکی ہوئی سماعتوں میں ہلکی سی سرسراہٹ گونجی......اس کے بعد مجھے آگے دھکیلا گیا۔

اب مجھے کسی زینے سے نیچے اتارا جانے لگا۔ میں سمجھ گیا یہ اس خفیہ تہہ خانے تک جانے والا زینہ تھا۔

تقریباً پندرہ سولہ قدم نیچے اترنے کے بعد میرے پاؤں زمین پر ٹک گئے۔

میری آنکھوں سے فوراً پٹی اتار دی گئی۔ اس کے بعد میری جامہ تلاشی لی گئی میں آنکھیں پھاڑے تہہ خانہ نما نفیس کمرے کو دیکھ رہا تھا جو بیک وقت بیڈ روم اور سٹڈی روم کا منظر پیش کرتا تھا۔

کمرے کی دیواروں پر فقط دو بڑی الماریاں نصب تھیں۔ ایک کونے میں بیڈ اور...... چند کرسیوں کے علاوہ...... ایک عدد فیملی صوفہ اور میز بھی نظر آ رہی تھی۔ کمرے میں ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ الماریوں میں مضبوط بڑے بڑے آہنی قفل لگے ہوئے تھے۔ مجھے ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ سلطان جہانزیب نے اپنے دو آدمیوں سے تحکمانہ کہا۔

''تم دونوں اوپر جاؤ...... اور...... نوری بیگم کو روکے رکھو...... ان سے کہنا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں آ کر اس سے بات کرتا ہوں۔''

''اوکے سر......'' وہ دونوں مودبانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ اب تہہ خانے میں سلطان جہانزیب اور میرے علاوہ...... اس کے دو مسلح آدمی موجود تھے۔ میں نے ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کیلئے...... سلطان جہانزیب کو غصے سے گھورتے ہوئے بولا۔

''سلطان...... یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو......''

''بکواس بند کرو اپنی......'' وہ مارے طیش کے دھاڑ کر بولا۔

''میں وہی کرتا ہوں...... جو مجھے اچھا لگتا ہے...... اور اب تم بھی وہی کرو گے...... جو میں کہوں گا۔''

وہ رعونت سے بولا۔ اس کے بعد وہ ایک الماری کی طرف بڑھا۔ میری نظریں بغور اس پر جمی ہوئی تھیں...... اس نے اپنی جیب سے چابی نکال کر...... ایک الماری کو کھولا...... پھر اندر سے ایک فائل نکالی۔

وہ سرخ رنگ کی پلاسٹک فائل تھی۔ ''ریڈ فائل۔'' میرے سنسناتے ذہن میں

یہ لفظ ابھرا...... میری رگوں میں خون کی گردش یکلخت تیز ہو گئی۔

یہ وہی ریڈ فائل تھی جس میں وطنِ عزیز کے اہم راز کوڈ کی صورت میں موجود تھے۔ اگر یہ ڈی کوڈ ہو کر بھارتی ایجنٹوں کے ہاتھ لگ جاتے تو یقیناً...... وطن عزیز کو زبردست دھچکا پہنچ سکتا تھا۔

سلطان جہانزیب...... وہ فائل...... لئے...... میرے قریب آیا...... ایک کرسی گھسیٹ کر اس پر براجمان ہو گیا۔ جبکہ اس کے دونوں مسلح آدمی...... بالکل چوکس کھڑے تھے۔

سلطان جہانزیب نے ایک نظر میرے چہرے پر ڈالی...... اور پھر ریڈ فائل میرے سامنے کھول کر رکھ دی...... پھر درشت آواز میں بولا۔

''یہ ہے وہ فائل...... جسے تمہیں ڈی کوڈ کرنا ہو گا۔''

میں نے نظریں سکیڑتے ہوئے اس کے ہاتھ سے فائل لی...... اور اس میں پنچ کیے کاغذات کی ورق گردانی کرنے لگا...... میری کنپٹیاں سائیں سائیں کرنے لگیں...... آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اندر میرے آتش فشاں پھٹنے لگا...... اس فائل کے اندر موجود وطن عزیز کے ایسے حساس راز تھے جو اگر خدانخواستہ بھارتی خفیہ ایجنٹوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا...... اس میں اہم فوجی رازوں کے علاوہ...... دفاعی اور ایٹمی راز بھی شامل تھے...... نیز...... فوجی چھاؤنیوں کی تفصیل، کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کے محل وقوع کے ساتھ...... اہم تنصیبات کے نقشے بھی تھے۔

مجھ پر ایسی ہیبت طاری ہو گئی کہ...... میرا رواں رواں...... جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر شدت جوش سے مرتعش ہونے لگا۔

یہ ''ریڈ فائل......'' گویا ایک ایٹم بم تھا...... میرا جی چاہا کہ جہانزیب جیسے غدار اور ذلیل کتے کا چشم زدن میں ادھر ہی خاتمہ کر ڈالوں...... جس نے چند ٹکوں کے عوض میں اپنا ضمیر بھارتی خفیہ ایجنٹوں کے پاس گروی رکھ دیا تھا اور...... ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے درپے تھا۔

اب...... سلطان جہانزیب...... میرے نقطہ نظر کے مطابق واجب القتل ہو چکا تھا۔

مگر میں ہاتھ آئی کامیابی کو جلد بازی میں ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے بمشکل اپنے اندرونی ابال اور...... پرغیظ کیفیات پر قابو پایا تو اچانک سلطان جہانزیب کی کھرکھراتی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''یہ فائل...... تمہیں...... آج اور اس وقت ڈی کوڈ کرنا ہوگی سمجھے تم......''

میں نے دانستہ...... ناسمجھ میں آنے والے انداز میں اپنی پیشانی پر الجھن آمیز سلوٹیں ڈالتے ہوئے بولا۔

''میں اسے ڈی کوڈ کرتو لوں گا...... لیکن...... مجھے اس کام میں پورے دو دن لگ سکتے ہیں...... کیوں کہ...... یہ بہت اہم راز ہیں اس لئے...... انہیں بہت مشکل کوڈ میں تحریر کیا گیا ہے۔''

''دو دن......؟'' سلطان جہانزیب حیرت و پریشانی سے بولا۔

''یہ تو بہت زیادہ مدت ہے...... میں نے تو آج......'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک کمرے میں تیز بپ کی آواز گونجی...... یہ آواز...... سلطان جہانزیب کی رسٹ واچ سے ابھری...... اس نے جلدی سے واچ اپنے منہ کے قریب لے جاکر۔

''زیرو نائن الیون اسپیکنگ'' کہا...... واچ ٹرانسمیٹر اپنے کان سے لگا کر دوسری طرف سے ہونے والی گفتگو سنتا رہا...... مگر یہ گفتگو چند سیکنڈ جاری رہی اس کے بعد سلطان جہانزیب نے اپنے قریب کھڑے آدمی سے تحکمانہ کہا۔

''راجہ پٹیل آیا ہے...... جاؤ...... اسے بھی ادھر ہی لے آؤ...... آج اسے بھی یہ خوش خبری سنا دیں گے...... کہ...... آج ہمارا ایک پرانا مسئلہ حل ہونے والا ہے۔''

اس کے لہجے میں غرور تھا۔ راجہ پٹیل کے تذکرے پر میں چونکے بنا نہ رہ سکا...... یہ وہی کتا بھارتی ایجنٹ تھا جس نے سلطان جہانزیب کو چند ٹکوں کے عوض ضمیر فروش بنایا ہوا تھا...... اور...... ایک مربوط نیٹ ورک کے تحت...... وہ...... وطن عزیز کیلئے...... زہر قاتل بنا ہوا تھا۔ اور اب مجھ پر یہ فرض اور ذمہ داری عائد ہوتی تھی...... کہ...... غدار وطن...... سلطان جہانزیب کے ساتھ ساتھ...... بھارتی ایجنٹ راجہ پٹیل اور اس کے پورے نیٹ ورک کو بھی تباہ کرنا ہوگا۔

میں ادھر...... خود کو لالچی اور حریص ضمیر فروش انسان کے روپ میں ظاہر

کرنے کیلئے سلطان جہانزیب کی منت سماجت کرنے لگا کہ...... وہ اس کام کے مجھے کچھ نہ کچھ رقم دے۔

چنانچہ جب راجہ پٹیل بھی اندر داخل ہوا تو...... میں اس کی طرف سے بظاہر بے پرواہ بنا...... سلطان جہانزیب کے ترلے منتیں کرتا جارہا تھا مگر کن انکھیوں سے راجہ پٹیل کا بھی جائزہ لے رہا تھا۔

''یہ کیا چکر ہے...... سلطان...... تم نے اتنی اہم فائل اس کے ہاتھوں میں کیوں دے رکھی ہے......؟'' وہ یکدم درشت لہجے میں اس سے بولا۔ غالباً ایک اجنبی کے ہاتھ میں ریڈ فائل دیکھ کر...... راجہ پٹیل فکرمند سا ہوگیا تھا۔ وہ انتہائی مکروہ صورت شخص تھا۔ جسم گینڈے کی طرح تومند' سر کے بال آدھ انچ سے زیادہ نہ تھے۔ آنکھیں مینڈک کی طرح باہر کو ابلی ہوئی...... جن میں ایک عجیب سی وحشت اور سفاکی گویا ازل سے کھنڈی ہوئی تھی...... ناک موٹی تھی۔ اور کسی بیل کی طرح...... نتھنے اٹھے ہوئے صاف نظر آرہے تھے۔

یہی خطرناک بھارتی ایجنٹ...... راجہ پٹیل تھا۔

یہ سب مجھے...... بظاہر ایک عام سا مگر...... حریص اور لالچی بوڑھا سمجھ رہے تھے...... اس لئے ان لوگوں کے انداز و اطوار میں کوئی خاص گرمجوشی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میرا ذہن...... سائیں سائیں کررہا تھا۔

تہہ خانے میں اب...... سلطان جہانزیب اور بھارتی ایجنٹ راجہ پٹیل کے علاوہ صرف ایک مسلح آدمی کھڑا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ...... سلطان جہانزیب اور...... راجہ پٹیل کے پاس بھی...... پستولیں ہوں...... مگر...... یہ میرے لئے ایک بہترین موقع تھا کہ...... میں وطن عزیز کی خاطر...... اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان لوگوں کو جہنم واصل کر کے...... اس فائل کو...... جلا ڈالوں......

چنانچہ میں اپنے درانہ وار عزائم کے جارحانہ پہلوؤں پر غور کرنے لگا اور ساتھ ہی موقع کا بھی منتظر تھا۔

''سلطان جہانزیب...... تم بہت لالچی ہونے کے ساتھ بے وقوف بھی ہو۔''

اچانک راجہ پٹیل نے سلطان کی زبانی میرے بارے میں تفصیل جاننے کے بعد...... الٹا

اسے ہی ڈانٹا...... اور سلطان جہانزیب بوکھلا کر اس کا چہرہ تکنے لگا۔

"کرنل زبیر اگر...... روپے لے کر...... ہمارا کام با آسانی کرنے پر آمادہ ہے تو...... تم...... اسے گن پوائنٹ پر کیوں لینے کی کوشش کر رہے ہو...... ہٹو پرے۔"

راجہ پٹیل یہ کہہ کر مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف بڑھا اور بولا۔

"کرنل زبیر صاحب! سلطان جہانزیب نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا میں اس کی معافی چاہتا ہوں...... آپ بالکل بے فکر ہو جائیں...... آپ کو یہ ریڈ فائل ڈی کوڈ کرنے کی منہ مانگی قیمت ملے گی۔"

میں نے خوش ہونے کی اداکاری کی...... میں جانتا تھا کہ...... یہ مکار لومڑی یعنی راجہ پٹیل...... سلطان جہانزیب کی طرح مجھے ضمیر فروش سمجھے ہوئے تھا اور...... مجھے اپنے لئے...... آئندہ بھی کارآمد بنانے کیلئے...... رقم کی آفر کی تھی۔

"ر...... ر...... ر...... راجہ پٹیل صاحب...... اسے اتنی بڑی رقم دینے کی کیا ضرورت ہے بھلا...... یہ کام تو میں اس سے گن پوائنٹ پر بھی لے سکتا ہوں......؟"

سلطان جہانزیب نے ہکلاتے ہوئے کہا تو...... راجہ پٹیل نے اسے گھورا اور پھر دانت پیس کر بولا۔

"سلطان جہانزیب......! تمہاری سوچ پیسے سے شروع ہو کر پیسے پر ہی ختم ہوتی ہے...... کبھی دور اندیشی سے بھی کام لے لیا کرو...... کرنل زبیر آئندہ بھی ہمارے کام آتا رہے گا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو...... پٹیل صاحب......؟" سلطان جہانزیب بولا۔

"میں تو اسے کام لینے کے بعد قتل کر ڈالنا چاہتا تھا۔" اس کی سفاک گفتگو پر میں سناٹے میں آ گیا۔

"یہ تم بے وقوفی کرتے...... اچھا ہوا...... میں وقت پر پہنچ گیا...... تم ایک طرف ہٹ جاؤ...... میں اس سے بات کرتا ہوں......" راجہ پٹیل نے اس سے کہا پھر مسکرا کر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

"کرنل...... زبیر صاحب! آپ اس فائل کو کتنے روز میں ڈی کوڈ کر دیں گے......؟"

"ابھی میں نے بتایا تھا دو دن تو لگ ہی جائیں گے۔"

میں نے کہا تو راجہ پٹیل چند ثانئے الجھن آمیز سوچ میں مستغرق ہو گیا۔

پھر بولا۔ "دیکھو کرنل زبیر صاحب! درحقیقت اس ریڈ فائل کو ڈی کوڈ کروانے کے چکر میں...... ہم پہلے ہی بہت سا وقت ضائع کر چکے ہیں...... دراصل...... میری اچانک بھارت سے یہاں آمد کا مقصد یہی تھا کہ...... اس فائل کو بغیر ڈی کوڈ کے ہی واپس لے جاؤں...... اور ہم خود اس میں سر کھپائی کرنے کی کوشش کریں...... مگر یہاں آ کر یہ نئی بات معلوم ہوئی...... چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا...... مگر......" وہ اتنا کہہ کر سانس لینے کیلئے ذرا رکا...... میری سانسیں...... "مگر" پر اٹک کر رہ گئیں۔

"مگر...... میں چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں یہاں رہ سکتا۔ اس لئے...... اب تم ایسا کرو کہ اس ریڈ فائل سمیت میرے ساتھ بھارت چلو...... اور وہیں اس فائل کو آرام سے ڈی کوڈ کرتے رہنا...... ہم مستقل بنیادوں پر آپ کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" اس کی بات پر میں واقعی خوشی سے جھوم اٹھا۔

میں یہی تو چاہتا تھا کہ...... کسی طرح...... ان بھارتی ایجنٹوں کی کمین گاہ تک پہنچ جاؤں...... اور پھر ان کا وہ نیٹ ورک تباہ و برباد کر ڈالوں...... جس کے ذریعے...... یہ لوگ میرے پاک وطن کے خلاف ناپاک سازشوں میں مصروف تھے...... میں بھارتی خفیہ ایجنٹوں کے اس پورے نیٹ ورک کا وہ حشر کرنا چاہتا تھا کہ...... آئندہ ملک دشمن عناصر کو...... پاک وطن کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات بھی نہ ہو سکے۔ اللہ میرا ساتھ دے رہا تھا۔

"میری بظاہر مشکل اور ناممکن نظر آنے والی مسدود راہیں خود بخود ہی آسان ہو کر کھلتی چلی گئی تھیں۔

میں نے فوراً...... خوش ہو کر...... راجہ پٹیل کی یہ آفر قبول کر لی...... پھر راجہ پٹیل نے وہ ریڈ فائل اپنے قبضہ میں لے لی...... سلطان جہانزیب البتہ کسی عجیب سی الجھن آمیز پریشانی میں مبتلا تھا۔ بہرطور...... ہم ذرا دیر میں اوپر کمرے میں آ گئے۔ نوری بیگم ابھی تک وہیں موجود تھیں...... سلطان جہانزیب کے حکم کے مطابق اس کے آدمیوں نے اسے ابھی تک وہاں سے جانے نہ دیا تھا...... مگر...... میں نے کمرے میں

آتے ہی کسی خیال کے تحت...... نوری بیگم کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا تھا...... وہ مجھے دوبارہ ان کے ساتھ...... دوستانہ انداز میں دیکھ کر اچنبھے میں ضرور مبتلا ہوئی...... مگر میرا اشارہ پاتے ہی وہ خاموشی سے چلی گئی۔

ہم تینوں اب صوفوں پر آمنے سامنے براجمان ہو گئے۔

وہ ریڈ فائل...... راجہ پٹیل کے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی۔ تاہم میں اب مطمئن تھا...... اور مجھے ملک دشمن عناصر کے خلاف ڈبل کراس مشن بھی انجام دینے کا موقع بآسانی میسر آ رہا تھا...... اب میں اللہ سے یہی دعا مانگ رہا تھا کہ...... میری اصلیت ان پر ظاہر نہ ہونے پائے...... ورنہ سارا بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا تھا۔

''سلطان جہانزیب...... تم نے...... کیپٹن عمران کا کانٹا ابھی تک صاف نہیں کیا......؟''

معاً...... راجہ پٹیل نے اس سے پوچھا۔ اور میرے اندر دھکڑ پکڑ سی ہونے لگی۔ مگر میں نے اپنے چہرے کے تاثرات کو سپاٹ ہی رہنے دیا۔

''میں نے اس کی رہائش گاہ پر حملہ کروایا تھا جس میں اس کے گھر والوں کو تو موت کی نیند سلا دیا گیا تھا مگر بدقسمتی سے...... کیپٹن عمران...... بچ نکلا لیکن بے فکر رہیں...... اب وہ کہیں کا نہیں رہا ہے......'' یہ کہہ کر اس نے میرے بارے میں ساری تفاصیل سے اسے آگاہ کر دیا۔ سلطان جہانزیب کے اس اقرار پر میری کنپٹیاں دہکنے لگیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے...... مگر باوجود اس کے...... اس کا خاتمہ ضروری ہے......'' راجہ پٹیل نے اسے تنبیہ کی۔

''ہاں...... میرے آدمی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں...... سنا ہے...... وہ سیٹھ اصغر کے ہاں مقیم ہے۔''

سلطان جہانزیب نے کہا اور میں نے اس کی ناقص معلومات پر اندر ہی اندر سکون کی سانس لی۔

''ہوں...... خیر......'' پٹیل نے ایک ہنکاری بھری...... پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''زبیر صاحب! اب آپ کا کیا ارادہ ہے......؟ چلیں گے میرے ساتھ......؟''

میں نے کہا۔ ''ظاہر ہے...... اب میں یہاں رہ کر کیا کروں گا...... اگر آپ لوگوں کے ساتھ کام کے دوران مجھے مراعات حاصل ہوں گی...... تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی...... مگر...... میری ایک شرط ہے......؟'' میں نے دانستہ رنگ آمیزی کی۔

''ہاں...... ہاں...... بولو...... تمہاری کیا شرط ہے......؟'' راجہ پٹیل فوراً فراخ دلی سے بولا۔

''میں نے ذرا نوعمر لڑکوں کی طرح شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی خود کو جوان محسوس کرتا ہوں...... اگر میری ایک حسین و جمیل دوشیزہ سے شادی کرا دی جائے...... اور مجھے بھارت میں اچھی رہائش کے ساتھ شہریت بھی مل جائے تو...... میں اپنی باقی زندگی سکون سے گزاروں گا۔''

''آف کورس...... ہم اپنے خاص آدمیوں کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں...... کیا تم اتنا بتا سکتے ہو کہ...... تم ہمارے کس کام آ سکتے ہو......؟'' اس نے کسی خیال کے تحت مجھ سے پوچھا۔

''ہاں...... کیوں نہیں...... میں تم لوگوں کے بہت کام آ سکتا ہوں......'' میں نے کہا۔

''سب سے اہم کام تو میں ڈی کوڈنگ کرنا جانتا ہوں...... پھر اس کے علاوہ...... میں فوج میں رہ چکا ہوں...... اگرچہ اب ریٹائرڈ کر دیا گیا ہوں...... مگر میرے سینے میں اب بھی بہت سے ایسے اہم راز دفن ہیں جن سے تم لوگ بہت سے فوائد اٹھا سکتے ہو۔''

''ویری گڈ......'' راجہ پٹیل یک دم خوش ہو کر بولا۔

''تم ہمارے لئے...... بے شک کارآمد آدمی بن سکتے ہو...... چلو پھر...... تیاری پکڑو...... تمہیں اسی وقت چلنا ہو گا میرے ساتھ۔''

''میں بالکل تیار ہوں......'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

راجہ پٹیل نے اپنی رسٹ واچ اپنے بدہیئت سیاہ ہونٹوں کے قریب لا کر

تحکمانہ کہا۔ ''زیرو نائن الیون...... سنیل...... میں پوائنٹ زیرو پر پہنچنے والا ہوں...... میرے ساتھ ایک اور شخص بھی ہوگا...... اوکے......'' اس کے بعد...... وہ سلطان جہانزیب کو مخاطب کر کے بولا۔

''ابھی ہماری روانگی میں ایک گھنٹہ ہے......تم نے کوئی اہم بات کرنی ہو تو کر سکتے ہو۔''

سلطان جہانزیب نے ہولے سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں......کوئی ایسی خاص بات نہیں......''

''تم ایک کام کرو......'' اچانک راجہ پٹیل نے اس سے کہا۔

''تم کسی طرح......کیپٹن عمران...... کے فنگر پرنٹس حاصل کرنے کی کوشش کرو...... اور اپنے ''سکنیر'' پر محفوظ کر کے......ہمیں روانہ کر دینا۔'' بدبخت پٹیل ابھی تک مجھ سے خائف تھا۔

''میں یہ کام بہت پہلے ہی کر چکا ہوں......'' سلطان جہانزیب نے معنی خیز فخریہ مسکراہٹ سے کہا...... میرا دل انجانے خدشات کے مارے بری طرح دھڑ دھڑانے لگا۔

''گڈ...... ویری گڈ...... وہ پرنٹ میرے حوالے کر دو......اسے ہم اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر کے ڈور لاکنگ سسٹم میں فیڈ کر دیں گے......''

میں بظاہر خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سن رہا تھا......فنگر پرنٹ والے معاملے نے......ایک بار پھر میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجانا شروع کر دی......اور میں بمشکل......اپنی مضطربانہ کیفیات پر قابو پائے ہوئے تھا۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ان کم بختوں نے میرے فنگر پرنٹس لینے کی کوشش کی تو......ضرور میری اصلیت آشکارا ہو سکتی ہے۔

سلطان جہانزیب نے اپنے ایک آدمی کو سکنیر سے فنگر پرنٹس پیپر لانے کا کہا۔

ذرا دیر بعد وہ آدمی...... میرے فنگر پرنٹس کی چند کاپیاں نکال لایا۔

میرا دل اب بھی انجانے خطرے کے سنگین احساس تلے بے تحاشہ دھڑک رہا

تھا۔

راجہ پٹیل نے وہ کاپیاں اپنے سامنے رکھیں اور بغور فنگر پرنٹس کا معائنہ کرنے لگا۔ پھر میری طرف اشارہ کر کے......اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

''سلطان! تم اب ایسا کرو......کرنل زبیر کے بھی فنگر پرنٹس لے لو......'' میں اس کی بات پر سن ہو کر رہ گیا۔

''میں اس کے فنگر پرنٹس بھی اپنے ہیڈ کوارٹر کے ڈور اینڈ لاکنگ سسٹم سیکنر مشین میں فیڈ کر دوں گا...... تاکہ...... یہ بلا روک ٹوک...... ہمارے پاس آتا جاتا رہے......'' اس نے یہ بات اپنے تئیں میرے فائدے اور رابطے کی سہولت کیلئے ہی کہی تھی......مگر یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ...... اگر...... میرے فنگر پرنٹس کو اس نے میچ کر لیا تو میری اصلیت ان کے سامنے کھل سکتی تھی......پھر یہ لوگ میرا کیا حشر کرتے...... یہ میں ہی جانتا تھا۔

مگر میں انکار بھی نہیں کر سکتا تھا......ورنہ انہیں مجھ پر فوراً شبہ ہو سکتا تھا کہ...... میں کرنل زبیر کے فرضی کردار میں درحقیقت عمران ہوں۔

صورتحال یکدم خطرناک حد تک پلٹا کھا چکی تھی......میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بہرطور...... میں بلا تاخیر اٹھ کر......راجہ سلطان کے ساتھ چل پڑا۔

اس کے ہمراہ......ایک گن مین بھی تھا۔

ہم تینوں ایک وسیع و عریض کمرے میں پہنچے...... یہاں ایک بڑی سی میز پر......آٹومیٹک کمپیوٹرائزڈ سکینر مشین رکھی ہوئی تھی۔

''کرنل زبیر......قریب آ جاؤ......'' سلطان نے گمبھیر آواز میں مجھ سے کہا۔

میرے وجود میں بری طرح سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ اپنے فنگر پرنٹس دینے کا مطلب......اپنی بھیانک موت کے کاغذ پر انگوٹھا ثبت کرنے کے مترادف تھا۔

میں نے چشم زدن میں ایک خطرناک فیصلہ کیا اور دزدیدہ نظروں سے پہلے قریب کھڑے اس کے اکلوتے گن مین کی طرف دیکھا۔ وہ لاپرواہیانہ انداز میں کھڑا تھا۔ رائفل اس کی پشت پر ٹنگی ہوئی تھی۔ سلطان جہانزیب مجھ سے مخاطب ہونے کے بعد......خود......سکینر مشین کو آپریٹ کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی میری جانب

پشت تھی۔ میں جیسے ہی اس کے آدمی کے قریب سے ہو کر گزرنے لگا تو میں نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ اس کی گردن دبوچ لی...... اور رگ حساس مسل ڈالی...... وہ بے ہوش ہو کر...... زمین پر ڈھیر ہونے لگا تو میں نے لپک کر اس کی رائفل پشت سے اچک لی۔ ادھر سلطان جہانزیب کو جیسے ہی اپنے...... عقب میں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تو وہ یکدم پلٹا مگر تب تک میں گن کی مہیب نال اس کی پیشانی سے لگا چکا تھا...... مارے دہشت کے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تت...... تت...... تم کو...... کون...... ہو'' وہ لکنت زدہ لہجے میں اتنا ہی بول پایا تھا کہ میں نے اپنی نقلی داڑھی مونچھیں نوچ کر پھینک دیں...... مجھے پہچانتے ہی اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

''ذلیل کتنے! وطن فروش...... خونی...... میری ماں اور بہن کے قاتل...... اپنی موت کیلئے تیار ہو جا......'' میں اسے خوفناک نظروں سے گھورتا ہوا مغلوب الغضب ہو کر بولا۔ پھر اپنی بھیانک موت کو سامنے پا کر سلطان جہانزیب نے خود کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے...... بہ سرعت جھکائی دی...... اور پھر چیختا چلاتا ہوا...... دروازے کی طرف دوڑا...... میں اس وقت سراپا آتش فشاں بنا ہوا تھا...... میری گن نے گولیوں کی ایک مہیب آتشیں باڑ اگلی...... اور...... سلطان جہانزیب...... کے حلق سے بڑی کریہہ چیخ بلند ہوئی...... پھر اس غدار وطن کا ناپاک وجود گولیوں سے چھلنی ہو کر زمین بوس ہوتا چلا گیا۔

اسے جہنم واصل کرنے کے بعد میں طوفانی بگولے کی طرح...... کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اور گن ہاتھ میں لیے اس کمرے میں آ گیا جہاں سلطان جہانزیب کے چار عدد...... مسلح آدمی...... اور راجہ پٹیل موجود تھا۔ وہ لوگ خطرہ بھانپتے ہی ادھر ہی دوڑے آ رہے تھے...... مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح ٹھٹکے کیوں کہ میں اب اپنی اصلی صورت میں تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے میں...... نے ٹرائیگر دبا کر...... نال گھما دی...... وہ چاروں کریہہ چیخوں کے ساتھ...... گرتے چلے گئے...... راجہ پٹیل ریڈ فائل تھامے...... طوفانی جھونکے کی مانند باہر کو دوڑا...... تو میں نے اسے بھی برسٹ مار کر جہنم

واصل کر دیا۔

ایک غدار وطن' سلطان جہانزیب...... اور...... بھارتی دشمن ایجنٹ' راجہ پٹیل کو جہنم واصل کرنے کے بعد...... میرا پورا وجود سرشاری سے بھر گیا۔ مگر میرا مشن ابھی پورا نہیں ہوا تھا...... یہ لوگ محض کٹھ پتلی تھے جبکہ میں ان کے پورے نیٹ ورک کا قلع قمع کرنا چاہتا تھا...... جو خاص طور پر...... وطن عزیز کی جڑیں کھوکھلی کرنے کیلئے ہی ترتیب دیا گیا تھا...... وہ لوگ سلطان جہانزیب کی جگہ...... کسی دوسرے کو ہمنوا بنا سکتے تھے اور میں اس بھارتی ایجنٹوں کے پورے ناپاک گروہ کو نابود کر دینا چاہتا تھا تاکہ...... پھر کبھی کسی دشمن کو...... ایسی ناپاک جرأت کی ہمت نہ ہو سکے۔

کوٹھی پر خاموشی طاری تھی...... میں نے سب سے پہلے راجہ پٹیل کی لاش کے نیچے دبی ہوئی...... ریڈ فائل کھینچ کر نکالی...... پھر اس کی ٹرانسمیٹر واچ اٹھا کر اپنی کلائی پر باندھ لی۔ میں واپس پلٹا...... اور سلطان جہانزیب کی لاش کے قریب آ کر نفرت سے اس پر تھوکا اور اس کے بعد میں نے...... ریڈ فائل کے اندر سے اہم رازوں کی کاغذی تفصیل نکال کر انہیں دیا سلائی دکھا دی...... پھر...... ادھر ادھر...... سے آڑی ترچھی لکیروں والے کاغذات تلاش کر کے فائل میں نتھی کر دیئے...... اس کے بعد میں نے...... باہر آ کر دو کاروں میں سے پٹرول نکال کر...... اندر چھڑک دیا اور دیا سلائی دکھا کر...... کوٹھی سے باہر گلیوں میں گم ہو گیا۔

میرے عقب میں...... کوٹھی نے دھیرے دھیرے آگ پکڑنا شروع کر دی۔
میں وہاں سے بہت دور ویرانوں میں نکل آیا۔ اور ایک جگہ ذرا ستانے کیلئے بیٹھ گیا۔
اب میں کسی حد تک خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔

مجھے اب جہنم واصل...... راجہ پٹیل کے ساتھی...... سنیل کی کال کا انتظار تھا...... کیوں کہ میرے ذہن طباع نے فوراً ہی ایک مربوط پلاننگ ترتیب دے دی تھی۔

رات دبے پاؤں بیت رہی تھی۔ راجہ پٹیل کی لاش کی کلائی سے اتاری ہوئی ٹرانسمیٹر کی رسٹ واچ میں وقت دیکھا تو رات کے تین بج رہے تھے...... چہار سو ایک ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ کھلے تاریک آسمان پر...... طباق چاند...... ٹمٹماتے تاروں کی مجلس میں دمک رہا تھا...... اچانک ٹرانسمیٹر کی مخصوص ''بپ'' کی آواز رات کے مہیب سناٹے

میں گویا خطرے کے سائرن کی طرح گونجی اور یکبارگی میرا دل زور سے دھڑکا......

میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے...... واچ ٹرانسمیٹر کا چھوٹا سا بٹن دبایا اور اسے اپنے منہ کے قریب کرتے ہوئے راجہ پٹیل کا وہ کوڈ دہرایا جو اس نے تھوڑی دیر پہلے...... سنیل کی کال وصول کرتے ہوئے میرے سامنے ادا کیا تھا۔

''ہیلو...... زیرو نائن الیون...... سنیل میں سلطان جہانزیب کا آدمی...... زبیر بات کر رہا ہوں...... میں راجہ پٹیل کے ساتھ زیرو پوائنٹ پر پہنچنے والا تھا کہ...... انٹر سروسز والوں نے...... کوٹھی پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے...... سلطان جہانزیب اور...... راجہ پٹیل صاحب کو ہلاک کر ڈالا ہے...... میں بڑی مشکلوں سے اپنی جان بچا کر اور...... وہ ریڈ فائل لے کر...... اس وقت...... واہگہ بارڈر کے قریب چھپ کر بیٹھا ہوا ہوں...... تم مجھے لینے آ رہے ہو...... یا پھر میری رہنمائی کرو...... تاکہ میں خود تم تک پہنچ سکوں...... اوور......''

''اوہ...... ویری سیڈ......'' دوسری طرف سے سنیل نامی شخص کی پرتشویش آواز ابھری۔

''یہ سب کب اور کیسے ہوا...... تم نہیں جانتے...... سلطان جہانزیب اور راجہ پٹیل ہمارے لئے کتنے اہم تھے...... اوور......؟''

''یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے...... ملٹری انٹیلی جنس کے آدمی مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں...... میرے پاس وہ ریڈ فائل موجود ہے...... کیا تم سلطان جہانزیب اور راجہ پٹیل کی قربانیوں کو ضائع کرنا چاہتے ہو...... اوور......'' میں نے دل ہی دل میں ان دونوں خبیثوں کی قربانیوں پر لعنت بھیجی اور سنیل کو شیشے میں اتارنے کیلئے اس بار ذرا درشت لہجے میں کہا تو وہ بولا۔

''ہم بارڈر کے دوسری طرف موجود ہیں...... بارڈر کراس کرنا ہمارے بس کی بات نہیں...... اوور۔''

''تو پھر راجہ پٹیل کس طرح اندر داخل ہوا تھا......؟ اوور......'' میں نے پوچھا۔

''وہ ایک زمین دوز سرنگ کے ذریعے اندر داخل ہوا تھا...... مگر اب وہ سرنگ

بارڈر سیکیورٹی فورسز والوں کی نظروں میں آ چکی ہے...... تم ہرگز ادھر کا رخ مت کرنا...... بلکہ ہو سکے تو...... واپس شہر کی طرف لوٹ جاؤ...... ریڈ فائل سنبھال کر رکھنا...... اوور......'' میں نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔

''میں تمہاری ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں...... لیکن میں زیادہ عرصے...... انٹر سروسز والوں سے خود کو نہ بچا پاؤں گا...... تم لوگوں کو...... میرے یہاں سے نکلنے کا بندوبست کرنا ہوگا اوور......''

''ٹھیک ہے پھر...... تم تھوڑا انتظار کرو...... میں باس سے رابطہ کر کے تمہیں مزید ہدایات دوں گا...... مگر اس سے پہلے فی الحال تم...... خود کو کسی محفوظ پناہ گاہ میں محبوس کر لو...... اوور اینڈ آل۔'' یہ کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ میں چند ثانئے ہونٹ بھینچے کچھ سوچتا رہا اس کے بعد...... واپس لوٹ گیا

☆......☆......☆

پو پھٹنے تک میں......نوری بیگم کے بنگلے پر پہنچا۔

وہ بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے زندہ سلامت اپنے سامنے پا کر وہ خوش ہو گئی اور مضطربانہ انداز میں بولی۔

''عمران صاحب! آپ خیریت سے تو ہیں ناں...... میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ کہیں وہ خبیث سلطان جہانزیب......''

''بے فکر رہو...... اب وہ خبیث جہنم واصل ہو چکا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر پرطمانیت لہجے میں کہا۔ اور پھر اسے ساری حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ میں بری طرح تھکا ہوا تھا۔ ریڈ فائل کے اصل کاغذات بھی نذر آتش کر چکا تھا اب وہ ریڈ فائل...... بوگس فائل کے سوا کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

نوری بیگم نے میری مضمحل طبیعت کو محسوس کرتے ہوئے آرام کرنے کا کہا۔ وہ مجھے ایک آرام دہ کمرے میں لے آئی...... یہاں ایک نرم و گداز بیڈ بچھا ہوا تھا۔ میں اس پر لیٹتے ہی سو گیا۔ اور ایسا سویا کہ...... دوپہر دو بجے...... بابو شاہ نے مجھے آ کر اٹھایا۔

میں نہا دھو کر فریش ہوا۔ پھر ہم تینوں نے اکٹھے لنچ کیا۔ میں نے بے دلی سے کھانا کھایا...... مجھے...... سنیل کی کال کا انتظار تھا۔

کھانے کے بعد...... چائے کا دور چلا تو......ہم ڈرائنگ روم میں آ کر صوفوں پر براجمان ہو گئے۔

''عمران صاحب! آپ واقعی ایک حب الوطن اور بہادر انسان ہیں......آپ نے جس جوانمردی کے ساتھ سلطان جہانزیب جیسے وطن فروش اور راجہ پٹیل جیسے......

خطرناک بھارتی ایجنٹ کو کیفر کردار تک پہنچایا وہ لائق تحسین ہی نہیں بلکہ قابل تقلید مثال ہے...... میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں...... اور آپ کو سلام کرتا ہوں......'' اس طویل عرصے میں...... بابو شاہ نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔ ''کاش...... میں بھی آپ کے ساتھ...... وطن عزیز کی خاطر کچھ کر سکتا...... چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔''

''تمہاری سوچ قابل قدر ہے...... بابو شاہ!'' میں نے حوصلہ افزاء لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''مگر...... بعض اہم معاملات...... تنہا انجام دینے کے ہی متقاضی ہوتے ہیں......''

''اب آپ کا آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہے......'' معاً نوری بیگم نے پرسوچ خاموشی کے بعد پوچھا۔

میں نے اس کی طرف دیکھ کر ایک ہمکاری لی پھر بولا۔

''مجھے اب سنیل کی کال کا انتظار ہے...... دیکھیں وہ کیا کہتا ہے......؟''

''عمران صاحب...... تقدیر واقعی آپ کا ساتھ دے رہی ہے......'' وہ رشک بھرے لہجے میں بولی۔

''آپ نے بڑی کامیابی کے ساتھ نہ صرف ملکی رازوں کو دشمن ایجنٹوں کے ہاتھوں میں جانے سے بچا لیا...... بلکہ دشمن کے دو انتہائی اہم مہروں سلطان جہانزیب اور راجہ پٹیل کو بھی جہنم واصل کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ...... دشمن ایجنٹوں کی صفوں میں داخل ہونے کی بھی راہ ڈھونڈ لی...... یہ واچ ٹرانسمیٹر ......آپ کے مشن کی کامیابی کا بہترین ذریعہ بن سکتی ہے۔'' میں اس کی بات پر ہولے ہولے اپنے سر کو تفہیمی جنبش دینے لگا۔

اچانک...... میری واچ ٹرانسمیٹر سے ہلکی بپ کی آواز ابھری...... میں چونکا...... پھر میں نے...... سب سے پہلے ہاتھ کے اشارے سے...... بابو شاہ اور نوری بیگم کو کچھ بولنے سے منع کیا۔

پھر...... اپنی کلائی پر بندھی واچ ٹرانسمیٹر کو کان کے قریب کرتے ہوئے چھوٹا سا بٹن آن کر دیا...... پہلے ہلکی سرسراہٹ ابھری...... اس کے بعد...... سنیل کی آواز

ابھری......

''ہیلو...... زیرو نائن الیون...... میں سنیل مخاطب ہوں...... اوور۔''

''میں نے بھی جواباً کوڈ دہرانے کے بعد اوور کہا تو اس نے سب سے پہلے پوچھا۔

''تم اس وقت کہاں ہو......؟'' اوور

''میں اپنے ایک دوست کے گھر چھپا ہوا ہوں...... مگر...... یہاں میں زیادہ دیر نہیں رہ سکتا...... اوور......'' میں نے کہا۔

''میں نے تمہارے بارے میں باس کو بتایا تھا۔'' وہ ایک ثانئے کو رکا اور میرا دل جیسے کنپٹیوں پر دھڑکنے لگا...... انہوں نے تمہارے لئے ہدایات دی ہیں کہ...... تم...... ابھی وہیں رہو...... اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس ریڈ فائل کو ڈی کوڈ کرنے کی کوشش کرو...... پھر ہمارا...... ایک آدمی...... تمہارے بتائے ہوئے پتے پر آ کر...... وہ فائل لے جائے گا اوور......''

''اور میں......؟ میں اب یہاں رہ کر کیا کروں گا......؟ مجھے یہاں رتی بھر بھی تحفظ نہیں ہے...... میں کسی وقت بھی انٹر سروسز کے اہلکاروں کے ہتھے چڑھ سکتا ہوں...... وہ تو مجھے اذیتیں دے دے کر مار ڈالیں گے...... تم لوگوں کو میرے تحفظ کے سلسلے میں بھی کچھ کرنا ہوگا...... اوور......''

''شانت رہو (بے فکر رہو) باس نے مجھے سب سے پہلے تمہارے تحفظ کیلئے ہدایات دی ہیں...... ہمارا آدمی واہگہ بارڈر کے ایک گاؤں میں رہتا ہے...... وہ...... خانہ بدوشوں کے ایک قافلے کے ذریعے تمہیں بھی اپنے ہمراہ...... سرحد پار کروا دے گا...... میں تمہیں...... گاؤں کا پتہ بتا دیتا ہوں...... تم...... ابھی اور اسی وقت وہاں پہنچ جاؤ...... اوور اینڈ آل۔''

سنیل نے مجھے اس آدمی کا نام...... جندول بتایا تھا...... اور وہ جس سرحدی گاؤں میں رہتا تھا...... وہ زیادہ دور نہ تھا۔

میں نے اسی وقت نکلنے کا پروگرام بنایا۔ اسلحے کے نام پر میرے پاس صرف...... ایک کولسٹر پستول تھا اور چند فاضل راؤنڈ۔

نوری بیگم نے مجھے، بابو شاہ کو بھی ساتھ لے جانے کو کہا مگر میں نے صاف انکار کر دیا۔

تاہم...... بابو شاہ مجھے مذکورہ گاؤں تک چھوڑنے کیلئے ساتھ روانہ ہوا۔

نوری بیگم اور بابو شاہ نے مجھے میرے مشن کی کامیابی کیلئے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

بابو شاہ خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہم سہ پہر پانچ بجے کے قریب روانہ ہو گئے تھے۔ ایک گھنٹے بعد ہم...... مذکورہ گاؤں کے قریب پہنچے تو...... میں نے بابو شاہ سے کار کو روکنے کا کہا...... پھر بابو شاہ مجھ سے بغلگیر ہونے کے بعد واپس لوٹ گیا اور میں آگے بڑھ گیا۔

''چاروں طرف...... بھربھری مٹی والا...... میدان نظر آ رہا تھا...... جہاں جابجا...... چھدری چھدری خودرو جھاڑیوں کی بہتات بھی نظر آتی تھی۔

خانہ بندوشوں کی ایک بستی نظر آئی تھی۔ میں ذرا ستانے کیلئے رکا اور پھر چل پڑا۔

بستی کی آبادی...... سوڈیڑھ سو نفوس سے زیادہ نہ تھی۔ میں جندول کا پتہ پوچھتا ہوا اس کی جھگی میں پہنچا۔

وہ ایک...... سانولی رنگت کا تنومند شخص تھا...... قد مجھ سے ذرا دبتا ہوا تھا...... اس کی آنکھوں میں شکرے جیسی چمک تھی...... یہ بھی دشمن ایجنٹ تھا...... مگر...... خانہ بدوشوں کے بہروپ میں یہاں موجود تھا...... میں نے اسے کوڈ ورڈز بتائے پھر سنیل کی گفتگو کا حوالہ دیا...... سنیل نے چوں کہ اسے پہلے ہی میرے بارے میں بتا دیا تھا اس لئے...... وہ غائبانہ طور پر مجھے پہچان گیا تھا...... اس نے مجھے ایک بوسیدہ سے مونڈھے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر خود ایک جھلنگا سی چارپائی پر براجمان ہونے کے بعد مجھ سے بولا۔

''وہ فائل کہاں ہے......؟''

''میرے پاس ہے......'' میں نے مختصراً کہا...... ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ...... گہری گہری اور اسرار بھری نظروں سے بغور میرے چہرے کو گھورے ہی جا رہا

تھا......

''کہاں ہے......؟ مجھے دکھاؤ'' وہ بولا۔ جانے کیوں مجھے اپنے وجود میں سرسراہٹ سی دوڑتی محسوس ہونے لگی۔ میں نے...... اپنی قمیص کے نیچے پیٹ سے بندھی ہوئی فائل اس کے سامنے کردی۔

اس نے فائل میرے ہاتھ سے لی...... اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا...... میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اگر اسے ذرا بھی شک ہو جاتا کہ...... یہ فائل محض آڑی ترچھی لکیروں والے ردی کاغذوں کا پلندہ ہے تو...... دشمن ایجنٹوں کی صفوں میں گھسنے کا میرا منصوبہ بری طرح ناکام ہوسکتا تھا۔

وہ چند لمحے ورق گردانی کرنے کے دوران...... بغور...... فائل کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے بعد...... اس نے سنسناتی نظروں سے میری طرف دیکھا اور فائل میرے منہ پر کھینچ ماری۔ ایک لمحے کو تو میں بری طرح بوکھلا گیا۔ جندول نے اگلے ہی لمحے پھرتی کے ساتھ...... ایک سیاہ نال والا...... خوفناک پستول نکال لیا...... اور اس کا رخ میری طرف کرتے ہوئے...... ابلتی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھور کر خونخوار لہجے میں بولا۔

''سچ سچ بتاؤ...... کون ہو تم......؟ ورنہ تمہارے سینے میں گولی اتار دوں گا۔''

وہی ہوا...... جس کا مجھے ڈر تھا...... مگر میں بھی حوصلہ ہارنے والا نہ تھا...... اور حیران و پریشان ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے اس سے بوکھلا کر بولا۔

''یہ...... یہ...... تم کیا کہہ رہے ہو......؟ راجہ پٹیل نے مجھے اپنا ساتھی بنایا تھا اور......''

''بکواس بند کرو......'' وہ میری بات کاٹ کر پرغیظ لہجے میں غرایا۔

''باس نے مجھے تمہاری اصلیت جاننے کیلئے اس کام پر معمور کیا تھا...... کیوں کہ...... ریڈ فائل کی اصلیت اور اس کے مندرجات سے میں ہی واقف تھا...... اور اب محض ردی کاغذوں کی فائل نے تمہاری بھی اصلیت ہمارے سامنے روی کر کے رکھ دی ہے۔ اب مجھے پورا یقین ہے کہ تمہی نے ہمارے دو اہم مہروں کو......'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی لات چلادی...... نتیجتاً پستول اس کے

ہاتھ سے نکلتا چلا گیا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر...... اس کی ناک پر گھونسہ رسید کر دیا۔ اس کے حلق سے...... وحشیانہ غراہٹ ابھری۔ مگر وہ بھی مردود سخت جان ثابت ہوا تھا...... اگرچہ ناک پر لگنے والی ضرب نے اس کا بدہیئت سیاہ رو چہرہ لہولہان کر ڈالا تھا...... مگر...... وہ بھی ایک تربیت یافتہ ایجنٹ تھا۔

اس نے چشم زدن میں اپنے مختل پڑتے حواسوں پر قابو پایا تھا اور بجلی کی سرعت کے ساتھ اپنے گھٹنے کی زوددار ضرب میرے پیٹ میں رسید کر دی...... اذیت کی ایک طوفانی لہر میرے رگ و پے میں سرایت کرتی چلی گئی...... اور میرا جی الٹنے لگا...... میں اپنا مضروب پیٹ پکڑے بے اختیار رکوع کے بل جھکا تو...... اس نے ایک بار پھر اپنے گھٹنے کی ضرب...... میری ناک پر رسید کرنے کی کوشش کی مگر...... میں اب اسے کہاں موقع دینے والا تھا...... میں نے اپنا دکھن زدہ پیٹ چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے...... اس کی ٹانگ پکڑ کر مروڑ ڈالی...... اس نے اچھل کر دوسری ٹانگ کی کک میرے سینے پر رسید کر دی...... میں لڑکھڑا کر چند قدم جیسے پیچھے ہٹ گیا...... وہ زمین پر گرا اور...... صحرائی چھپکلے کی طرح...... لوٹ لگاتا ہوا...... قریب گرے ہوئے اپنے پستول کی طرف لپکا...... میں اگر چاہتا تو باآسانی اپنی کولٹ نکال کر اسے واصل جہنم کرسکتا تھا۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ گولی چلنے کی دھماکے دار آواز سے...... بستی والے ادھر متوجہ ہوں۔ چنانچہ میں نے اس کے پستول تک پہنچنے سے پہلے ہی اس پر ایک لانگ جمپ لگا دی...... اس کا ہاتھ زمین پر پڑے پستول سے چند انچ کے فاصلے پر ہی تھا کہ میں نے لپک کر اٹھا لیا اور پھر...... اس کی آہنی ضرب سے...... جندول کے سر کے پچھلے حصے پر وار کیا وہ اوغ کی آواز نکال کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔

یہ دشمن ایجنٹ تھا۔ میں اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا...... اس لئے میں نے اس کا ٹینٹوا دبا کر...... بے ہوشی کی حالت میں ملک عدم پہنچا دیا۔

میں نے جلدی جلدی...... اس کی جامہ تلاشی لی...... مگر کوئی قابل ذکر شے نہ برآمد ہوئی۔ یہی حال...... جھگی کی تلاشی لینے پر ہوا۔

میرا ذہن اب اس نئی صورتحال پر تیزی سے کام کر رہا تھا...... میں نے چند ثانیے اپنی پھولی ہوئی سانسوں کو بحال کیا پھر اچانک ایک خیال بجلی کے کوندے کی

طرح...... میرے ذہن رسا میں ابھرا تھا۔

جندول کی آواز پر میں نے غور کیا تھا۔ اس کی آواز عام انداز کی کھردری اور بھاری تھی۔ میں ذرا سی کوشش کے بعد...... اس کی آواز نکال سکتا تھا۔ میری اصلیت پر دشمن ایجنٹوں کو شبہ ہو چکا تھا۔ اور میں اب...... ان کے اس شبہے کو یقین میں بدلنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس طرح ہی میں انہیں ڈاج دینا چاہتا تھا......

اچانک مجھے خیال آیا کہ ہر ایجنٹ کے پاس وسیع حیطہ عمل والا ٹرانسمیٹر یا وائرلیس ہوا کرتا تھا...... جس کے ذریعے وہ...... اپنے باس اور ایک دوسرے سے رابطہ کرتے رہتے تھے......

ضرور...... جیندول کے پاس بھی ایسا ہی کوئی ڈیوائس ہونا لازمی امر تھا۔

یہ سوچ کر میں نے ایک بار پھر جھگی کی باریک بینی سے تلاشی لینا شروع کر دی تو...... ایک لوہے کے پرانے بکسے کے اندر سے ایک چھوٹا سا وائرلیس سیٹ برآمد کر لیا۔ وائرلیس سیٹ کو آپریٹ کرنا مجھے آتا تھا مگر میں پہلے دوسری طرف سے آنے والی کال کا منتظر رہنا چاہتا تھا...... کیوں کہ...... جندول سے رابطہ کر کے وہ تازہ رپورٹ لینے کی کوشش کر سکتے تھے۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔

وائرلیس سیٹ سے ہلکی سیٹی کی آواز ابھری...... میں نے...... ہیڈ فون کانوں میں چڑھا کر...... مائیک منہ کے قریب کر لیا اور ایک سرخ جلتا بجھتا بٹن دبا دیا۔

''ہیلو...... سنیل اسپیکنگ...... جیندو...... کیا رپورٹ ہے۔''

یہ سنیل ہی تھا...... میں دانستہ زور زور سے ہانپتے ہوئے...... جیندول جیسی بھاری اور کھردری آواز میں بولا۔

''ہمارا شک درست ثابت ہوا...... وہ دشمنوں کا جاسوس ہی تھا...... اس نے ہی ہمارے دو اہم مہروں...... سلطان جہانزیب اور راجہ پٹیل کو بھی ہلاک کیا پھر...... ہمارے ساتھ ملنے کا ڈرامہ رچاتے ہوئے وہ...... ایک نقلی اور بوگس فائل ترتیب دے کر اسے ریڈ فائل کے روپ میں لے کر میرے پاس پہنچا...... میں نے فائل دیکھتے ہی بھانپ لیا کہ...... یہ اصل فائل نہیں...... یوں میں نے بڑی مشکلوں سے اسے قابو کر

لیا...... تھا...... اور اس سے اصل فائل کے بارے میں ابھی پوچھ گچھ کر ہی رہا تھا کہ اس نے اپنی داڑھ میں دبے ایک سائنڈ کیپسول کو چبا کر اپنی جان کش کر ڈالی اوور......''

میری صراحت بھری گفتگو کے بعد سنیل کی متاسف آواز ابھری۔

''جیندو! یہ بہت برا ہوا...... بہت برا ہوا ہے...... ہمارے دو اہم مہرے بھی مارے گئے اور...... اصل فائل بھی ہاتھ سے چلی گئی...... اتنا کہہ کر وہ چند ثانئے کیلئے خاموش ہوا...... اور...... میں اندر ہی اندر اس کی ناکامی پر خوشی محسوس کر رہا تھا۔

''ہمارا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے...... کاش کم از کم وہ ریڈ فائل ہی ہمارے قبضے میں آ جاتی تو اس نقصان کی تلافی ہو جاتی۔''

''خیر...... تم اب ایسا کرو...... کسی طرح یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو...... اوور۔''

''ہرگز نہیں...... میں وہ ریڈ فائل لیے بغیر خالی ہاتھ نہیں لوٹوں گا......'' اوور...... میں نے دانستہ اپنی اہمیت جتانے کیلئے پرجوش لہجے میں کہا۔

''نہیں جیندو! ہمیں اب نئے سرے سے منصوبہ بندی کرنا ہوگی...... یہ باس کا حکم ہے...... تم اٹاری سے سیدھا امرتسر...... پہنچو...... میں ستیاپال کے ہاں تمہارا منتظر ہوں...... وہاں سے ہم...... ہیڈ کوارٹر کی طرف لوٹ جائیں گے...... باس نے ہنگامی میٹنگ بلا لی ہے...... اوور اینڈ آل۔''

سنیل نے اتنا کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ اور میرا دل...... جوش مسرت سے بلیوں اچھلنے لگا۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ...... اگر میں اٹاری کے راستے امرتسر پہنچ بھی جاتا ہوں تو ستیاپال کے مکان میں سنیل سے روبرو ملوں گا تو...... جیندول کی جگہ ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ ہوشیار ہو جائے گا۔

چنانچہ میں نے اس کا حل بھی سوچ لیا۔ جلد ہی...... خانہ بدوشوں نے اپنا پڑاؤ اٹھا لیا۔

میں جیندول کے بھائی کی حیثیت سے ان میں شامل ہو گیا تھا۔

جیندول کی لاش میں نے زمین میں گاڑ دی...... اور میر کارواں کو یہی بتایا تھا کہ...... وہ شہر جا چکا ہے۔ یہ خانہ بدوش قبیلہ درحقیقت راجستھان کی کولھی اور......

میگھواڑ برادری سے تعلق رکھتا تھا...... میں نے بھی خود کو یہی ظاہر کیا تھا...... یہ لوگ...... ایک خاص تہوار پر یہاں آتے تھے...... بہرطور...... میں ان لوگوں کے ساتھ کسی طرح...... بارڈر کراس کر کے...... اٹاری سے امرتسر جا پہنچا...... میں ابھی کولہی قبیلے سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا کیوں کہ...... پرائے دیس میں...... میری بقا ہی اس میں تھی کہ...... میں خانہ بدوش کے بھیس میں ان کے ساتھ ہی نتھی رہوں......

امرتسر، گورداسپور، جالندھر، چندی گڑھ، صوبہ ہماچل پردیش کی حدود میں آتے تھے۔

خانہ بدوش کولہی قبیلے کے سردار کا نام...... راموکولہی تھا۔ میں نے اس سے اچھی خاصی جان پہچان پیدا کر لی...... اس کی بیوی اور ایک جوان بیٹی اور بیٹا تھے۔ بیٹا شادی شدہ تھا...... بیٹی رتنا...... البتہ...... بیوہ تھی...... وہ جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی تھی۔ پتہ نہیں بیوہ ہونے کے بعد اس نے دوسری شادی کیوں نہ کی......؟ مگر بہرحال...... وہ اپنے خاندان کے ساتھ خوش تھی۔ مجھے ستیا پال کی رہائش گاہ جانا تھا جہاں سنیل میرا منتظر تھا۔ یعنی اپنے ساتھی...... جیندو مل کا۔

ہم نے...... جس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا وہ آبادی سے ذرا ہی دور تھا...... خیمے تان لئے گئے تھے۔ گدھے اور خچر...... کھول دیئے گئے تھے...... ہر کوئی اپنے میں مگن ہو چکا تھا۔

میری زندگی کا یہ پہلا موقع تھا کہ...... میں اس طرح خانہ بدوش کے روپ میں...... رہ رہا تھا۔ بہرطور...... میں ان کی سنگت میں خوش تھا اور سمجھتا تھا کہ...... سردست انہیں لوگوں کے ساتھ رہنے میں ہی میری عافیت ہے۔

سردار راموکولہی کو چوں کہ میں نے جیندو مل کا بھائی بتایا تھا اس لئے میں نے اسے اپنا نقلی نام...... بھیرو مل بتایا تھا۔

قبیلے میں سردار راموکولہی کا ہی حکم چلتا تھا...... مگر ذاتی معاملات میں ہر فرد آزاد تھا۔ میں نے شہر میں مٹرگشت کے دوران...... ستیا پال کے گھر کا پتہ چلا لیا تھا...... اور...... اریب قریب سے اس کے بارے میں معلومات بھی حاصل کر لی تھیں...... یہ بہت مشکل اور خطرے والا کام تھا۔

ایک پنواڑی سے پان خریدنے کے بہانے میں نے سرسری انداز میں پنواڑی سے پوچھا۔

''لالہ جی...... یہ ستیا پال سنا ہے بڑا ساہوکار ہے...... غریبوں کا بہت کھیال کرتا ہے۔'' میں نے خانہ بدوشوں کے سے لہجے میں پوچھا تاکہ پنواڑی یہی سمجھے کہ میں ستیا پال سے خیرات یا مال کی اعانت طلب کرنے والا ہوں۔ وہ بھی خاصا باتونی تھا بولا۔

''ستیا پال...... ساہوکار تو ہے...... پر وہ کسی کو کچھ دیتا دلاتا نہیں ہے...... اس سے ہوشیار ہی رہنا...... مہاشے جی!'' پھر وہ ادھر ادھر تکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''آپس کی بات ہے...... یہ ستیا پال...... ہمارے ملک (بھارت) کا جاسوس ہے جاسوس...... ''را'' کا نام سنا ہے...... تم نے......؟''

''میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ...... را...... بھارتی جاسوسی تنظیم ہے...... اور ستیا پال اس کا ایجنٹ ہے...... اسے کسی پر بھی پاکستانی جاسوس کا شبہ ہوتا ہے...... تو وہ فوراً...... اسے محض ذرا سے شک کی بنیاد پر بلا تصدیق مروا ڈالتا ہے۔''

''کیا اس کا بال بچہ ساتھ نہیں رہتا......؟'' میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''اس وقت...... ہمارے علاوہ اور کوئی گاہک وہاں موجود نہ تھا۔

''پنواڑی...... ایک پتے پر کتھا چونا لگاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں...... صرف چار پانچ چھڑے چھانٹ ہی رہتے ہیں...... یہ لے پان...... اور کسی اور ساہوکار کا دروازہ کھٹکھٹانا......''

اس نے پان بنا کر میرے حوالے کیا اور میں خاموشی کے ساتھ...... ستیا پال کے مکان کی طرف چل پڑا۔ مکان کے قریب پہنچ کر میں رکا نہ تھا کیوں کہ پنواڑی نے مجھے پہلے سے خبردار کر دیا تھا کہ...... اس کے جاسوس...... سادہ روپ میں گھومتے رہتے ہیں......

مکان زیادہ بڑا نہ تھا...... میں واپس لوٹ آیا۔

پڑاؤ میں واپس پہنچا تو وہاں میں نے غیر معمولی...... ہنگامی کیفیت محسوس کی۔ پتہ چلا کہ...... کچھ بھارتی ایجنٹ...... خانہ بدوشوں کے اس پڑاؤ کی تلاشی لینا چاہتے تھے...... اجمالی تفصیل یہ تھی کہ...... یہ چیکنگ معمول کے مطابق سرحد پار سے آنے والے ہر خانہ بدوش قبیلے کی ہوا کرتی تھی...... اور ستیا پال اپنے آدمیوں کے ساتھ گھر گھر اور ہر ایک فرد کی چیکنگ کیا کرتا تھا۔

یہ سن کر میں...... متفکر کر سا ہو گیا...... میں دشمن ملک کے ایجنٹوں کے علاقے میں قدم رکھ چکا تھا...... اس لئے اب مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔

بہر طور...... میں نے مزید جاننے کیلئے...... سردار راموکولہی کو کریدا اور پوچھا۔

''لالہ جی! سنا ہے...... کہ...... ستیا پال ''را'' کا ایجنٹ ہے...... اور اسے اگر کسی پر ذرا سا بھی پاکستانی جاسوس ہونے پر شبہ ہو جائے تو...... وہ محض شک کی بنیاد پر ہی...... منش کو گولی مار دیا کرتا ہے......''

''ہاں...... بہت اپرادی اور...... ظالم آدمی ہے یہ......'' سردار راموکولہی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا پھر دوبارہ لاپرواہیانہ انداز میں بولا۔

''پھر ہمیں چنتا کرنے کی کیا ضرورت ہے......؟ ہم کوئی پاکستانی جاسوس تھوڑا ہی ہیں۔''

''ہاں...... یہ تو ہے......'' میں نے بھی سر ہلایا۔

چیکنگ کا مرحلہ آیا۔

سب کو...... ایک کھلے میدان میں قطار لگانے کا حکم دیا گیا۔ میں نے ستیا پال کو دیکھا وہ ایک پکی عمر کا کرخت صورت شخص تھا۔ اس کی چندی چندی آنکھوں سے گویا ازلی کھنڈی ہوئی سفاکی مترشح تھی...... اس کے ساتھ دس مسلح افراد اور بھی تھے۔

سردار راموکولہی کو البتہ...... اپنی ہی جھونپڑی میں محبوس رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔

میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

ستیا پال اور اس کے آدمی...... جھونپڑیوں کی تلاشی لے چکے تھے...... اب وہ باری باری...... قطار میں کھڑے ہوئے سارے خانہ بدوشوں کے چہروں کو بغور گھورتے

اور...... اس کی جامہ تلاشی لیتے۔ میں نے واچ ٹرانسمیٹر پھینک دیا تھا جبکہ کولسٹر پستول زمین میں دبا دیا تھا۔ پھر جب میری باری آئی...... تو...... ستیا پال کے خونخوار آدمیوں نے...... بغور میرے چہرے کا جائزہ لیا...... اور پھر...... میری تلاشی لینے کے بعد ستیا پال کو آواز دی۔

''سر...... یہ شخص قبیلے کا نہیں لگتا ہے۔''

''اس نے ستیا پال کو بتایا اور میری تو جیسے روح فنا ہو گئی۔

ستیا پال نے اپنا مکروہ چہرہ...... میرے ذرا قریب کرتے ہوئے اپنی چندی چندی سفاک آنکھوں سے دیکھا پھر سراسرتے لہجے میں بولا۔

''کیا نام ہے تمہارا......؟''

''بھیرومل......'' میں نے بظاہر اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ پورا قبیلہ ہمارا دیکھا بھالا ہے...... اور...... اکثر سرحد پار آتا جاتا رہتا ہے...... مگر تم کو آج پہلی بار دیکھا ہے...... اس سے پہلے کہاں رہتے تھے تم......؟'' اس نے ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

میں نے بلاتعویق و تامل جواب دیا۔

''میں...... اس سے پہلے...... لاہور...... میں رہتا تھا...... وہاں بھکاریوں کی پکڑ دھکڑ ہوئی تو بھاگ کر...... ان میں شامل ہو گیا۔''

''ہندو ہو تم......''

''ہاں......''

''ذات' برادری......؟''

''میگھواڑ بھی اور کولہی بھی۔'' میں نے کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''جی وہ...... میری ماتا میگھواڑ تھی اور پتا کولہی۔''

''بے وقوف! ذات نسل باپ سے چلتی ہے نا کہ ماتا سے......''

''جی...... جی...... سمجھ گیا......'' میں نے بے وقوف خود کو ظاہر کرنے کی اداکاری کرتے ہوئے گھبرا کر کہا۔

”سنیل ......ان کے سردار راموکو بلاؤ۔“

”اچانک ستیا پال نے ساتھ کھڑے اپنے آدمی سے تحکمانہ کہا...... اور میں اس کے منہ سے سنیل کا نام سن کر چونک پڑا۔

گویا یہی وہ سنیل تھا...... میں نے دل میں کہا......اور دزدیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

ذرا دیر بعد......سردار راموکولہی کو وہاں بلوایا گیا۔

”یہ تمہارے قبیلے مین نیا منش لگتا ہے...... جانتے ہو کون ہے یہ......؟ اور کہاں سے آیا ہے؟“ ستیا پال نے سردار کولہی سے تحکمانہ پوچھا۔

”ہاں...... ہاں میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں...... بے چارے کا دنیا میں کوئی نہیں۔ پہلے لاہور میں رہتا تھا...... پھر ہم سے آن ملا......“

”ٹھیک ہے...... ایک بات یاد رکھنا آج کل ایک عمران نامی پاکستانی جاسوس ہمارے لئے...... پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔تم ذرا احتاط اور ہوشیار رہنا......“ ستیا پال نے اسے تنبیہ کی...... پھر وہ سب واپس لوٹ گئے...... میں نے بھی بے اختیار سکون کی سانس لی۔

اب ستیا پال ہی کے ذریعے...... میں ان کے ہیڈکوارٹر کا پتہ لگا سکتا تھا...... اگرچہ یہ ایک جان لیوا حد تک مشکل ترین اور خطرناک کام تھا......مگر میں نے وطن دشمن نیٹ ورک توڑنے کی قسم کا رکھی تھی۔ جذبہ حب الوطنی سے سرشار میں کفن بدوش ہو کر...... یہاں گویا اپنے وطن دشمنوں کے سینے پر پاؤں رکھ چکا تھا۔

لٰہذا اب ایک خطرے سے میں صاف بچ چکا تھا اور اب مجھے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا۔

ادھر میں نے بھی اپنی باتوں اور خدمات کے ذریعے سردار راموکولہی کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔مگر اس کے ساتھ ساتھ...... میرے گلے ایک مصیبت بھی لگ چکی تھی اور وہ مصیبت تھی......سردار کی بیوہ جوان بیٹی...... رتنا دیوی...... وہ میرے گلے کا ہار بنتی جا رہی تھی۔

وہ اپنے باپ کی بہت لاڈلی تھی...... یہی وجہ تھی کہ اس کے مزاج میں بے

باکی، خودسری اور سرکشی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

وہ اکثر مجھے کبھی میٹھی میٹھی اور کبھی پیاسی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی۔

اس کا شادی شدہ بھائی...... جیون داس...... اپنی بیوی اور دو نوعمر بچوں کے ساتھ الگ جھونپڑے میں رہتا تھا۔

سردار کے جھونپڑے میں ایک وہ خود، اس کی بیوی...... اوشا اور بیوہ بیٹی رتنا دیوی رہتی تھی...... میری رہائش سردار کے برابر والے جھونپڑے میں ایک چھوٹی سی مڑھی کی صورت میں تھی۔

میں اپنی کٹیا میں ایک رات سونے کی تیاریاں باندھ رہا تھا کہ......ایک آہٹ پا کر چونک پڑا اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ میرا ایک فطری عمل تھا کیوں کہ میں کچھ ایسی خطرناک صورتحال سے دوچار تھا کہ مجھے اپنے سائے سے بھی محتاط ہو کر رہنا پڑتا تھا۔

میں نے جھگی کے ایک بدنما بانس سے جھولتی لالٹین کی روشنی میں دروازے کی طرف دیکھا...... دروازہ کیا تھا...... ایک تنگ چوکھٹ پر پیوند زدہ ٹاٹ جھول رہا تھا...... ٹاٹ کو سرکاتی ہوئی......رتنا اندر داخل ہوگئی۔

رات کے اس پہر اسے یوں اچانک اور راز داری سے اپنی جھگی میں پا کر میں بری طرح ٹھٹک گیا...... بلکہ گھبرا گیا تھا۔

”کیوں...... رے...... یوں بٹر بٹر کیوں دیکھت ہے...... کیا پہلے کبھی نہیں دیکھت ہو......؟“ وہ ٹھنک کر بولی۔

”ر......ر......رتنا......تو......اس وقت......؟“ میں پریشانی سے بولا۔

یہ چنڈال چوکری...... مجھے کسی وقت بھی مروا سکتی ہے...... اگر سردار یا قبیلے کے کسی آدمی نے اسے یہاں دیکھ لیا تو میری شامت ہی آجانی تھی۔

”کیوں...... رے...... ڈرتا کاہے کو ہے......؟ تیرے کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ اس لئے کہ...... باپو کا تو کھاس (خاص) آدمی ہے۔“

وہ لاپرواہیانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی...... مستانی چال چلتی ہوئی میرے قریب، میرے ساتھ، چارپائی کی پائتی پر بیٹھ گئی اور لگی مجھے پیاسی نگاہوں سے

دیکھنے۔

میں اس کی دیدہ دلیری اور ''خطرناک'' بے باکی پر بری طرح سٹپٹا گیا تھا اور اس سے زیادہ...... پریشان بھی...... تاہم میں نے اس ہٹیلی کو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو رتنا...... تیرا اس طرح رات گئے...... میرے پاس آنا اچھا نہیں لگتا...... کسی نے دیکھ لیا تو...... تیرا تو شاید کچھ نہیں بگڑے مگر...... میں بے موت مارا جاؤں گا۔''

میری بات پر...... اس نے...... جیسے ہی زور سے ہنسنے کیلئے منہ کھولا تو...... میں نے اس کی آواز باہر تک سنائی دینے کے ڈر سے فوراً اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی ہنسی دب کر رہ گئی مگر پھر دوسرے ہی لمحے...... اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر بے اختیار بوسہ لے لیا...... میں نے یوں جھٹک کر اپنا ہاتھ اس کے ہونٹوں سے ہٹا لیا جیسے...... کسی ناگن نے مجھے ڈس لیا ہو۔

''تو اتنا ڈرتا کیوں ہے مجھ سے رے...... اس لئے کہ میں سردار کی بیٹی ہوں......؟''

''وہ ہولے سے محبت بھری مسکراہٹ سے بولی۔

''ظاہر ہے...... اور کیا وجہ ہوسکتی ہے......؟'' میں نے بے اختیار کہا۔

''تو باپو کی چنتا نہ کر......'' وہ بولی۔ ''دیکھ...... تو یوں کر پھر...... میرے باپو سے اپنے واسطے...... میرا ہاتھ مانگ لے......''

اس نے جیسے میری تھکی ہوئی سماعتوں پر دھماکہ کیا۔

''ایں......؟ یہ...... یہ...... کیا کہہ رہی ہے تو...... سردار تو مجھے ایسی جرأت پر کھڑے کھڑے قبیلے اور برادری سے نکال باہر کرے گا۔'' میں نے لہجے میں خوف سموتے ہوئے چالاکی سے کہا...... اس بے چاری کو کیا پتہ تھا کہ...... میں ایک مسلمان تھا...... اور وہ ہندو کولہی......

''وہ میرا باپو ہے...... میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں...... اور وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ بلکہ...... وہ تو...... خوش ہوجائے گا تو بات تو کر کے دیکھ۔''

وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔ اب تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے......

میں نے یہی بہتر سمجھا کہ...... اپنی اصلیت بتانے کے بجائے...... اسے یہی بتاؤں کہ...... مجھے اپنے سردار سے اس کی بیٹی کا اپنے لئے رشتہ مانگنے سے خوف محسوس ہوتا تھا۔

لہٰذا کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے میں اس سے بولا۔

''نا بابا...... مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔''

''کیا میں تجھے اچھی نہیں لگتی......؟'' اس نے خفا ہونے والے لہجے میں کہا۔

مصلحت...... اور...... موجودہ سنگین حالات کا تقاضا یہی تھا کہ...... میں اسے خود سے ناراض نہ ہونے دوں...... کیوں کہ میں ایسی خودسر اور سرکش لڑکیوں کی ہذیانی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ جو اپنے مقصد کے حصول کی خاطر...... بڑے بڑے مسائل کھڑے کرسکتی تھی۔ لہٰذا میں اسے چمکارتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ ''یہ بات نہیں ہے رتنا......''

''تو پھر کیا بات ہے......؟'' وہ تنک کر بولی۔

میں چند ثانئے پرسوچ خاموشی کے انداز میں اپنے ہونٹ کاٹتا رہا پھر بولا۔

''رتنا...... میں تیرا ہاتھ مانگنے سے پہلے تیرے باپو کی اچھی طرح خدمت چاکری کرنا چاہتا ہوں...... تو چنتا نہ کر...... جب میں یہ محسوس کروں گا کہ...... وہ اب مجھے اپنے بیٹوں کی طرح چاہنے لگا ہے تو پھر...... میں اس کے قدموں میں سر رکھ کر تیرا ہاتھ اپنے لئے مانگ لوں گا۔''

''سچ......'' اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی۔

''بالکل سچ......'' میں نے مسکرا کر کہا۔ اس کے بعد وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔

سردی کے باوجود مجھے اپنی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندوں کا احساس ہونے لگا۔

بہرطور...... اس چنڈال کے جانے کے بعد...... میں نے سکھ کی سانس لی۔

اس کے بعد دوبارہ جھلنگا چارپائی پر دراز ہوگیا۔

خانہ بدوشوں کا سردار...... راموکولہی میرے لئے خاصا سود مند ثابت ہو رہا

تھا...... وہ مجھ پر خاص طور پر مہربان تھا...... شاید اس کی ایک اہم وجہ یہ ہو کہ وہ ایک جوان بیٹی کا باپ بھی تھا۔ بیٹی بھی وہ...... جو جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی...... میں بھی ایک ایسے ''ضرورت مند'' باپ کی الفت اور نظر کرم کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اور اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اسے...... گاہے بگاہے ستیاپال کے بارے میں کریدتا رہتا تھا۔

اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا تھا کہ...... امرتسر' گورداسپور اور جالندھر میں پاکستانی جاسوسوں کے داخلے کے خدشے کی وجہ سے...... یہاں...... انڈین سکیورٹی فورسز کا جاسوسوں کے علاوہ...... بارڈر سکیورٹی فورسز...... بھارتی انٹیلی جنس اور بھارتی بدنام زمانہ خفیہ تنظیم ''را'' کے ایجنٹ بھی سادہ وردی میں گھومتے رہتے ہیں...... ستیاپال بھی انہی فورسز کا ایک اہم کارپرداز تھا۔ اس سے زیادہ اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ میری مراد...... ہیڈکوارٹر سے تھی......

تاہم میں دشمن ایجنٹوں کے ہیڈکوارٹر کے ساتھ ساتھ...... ان کے اسی نیٹ ورک کے بارے میں پتہ چلانا چاہتا تھا جو...... صرف اور صرف...... پاکستان کو ٹارگٹ بنائے ہوئے تھا۔

اتنا تو تقریباً ہر عام پاکستانی شہری کے علم میں بھی ہوگا کہ...... اس وقت بھارت میں بعض شرپسند اور انتہا پسند ہندوؤں کی تین تنظیمیں پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وعناد کے جذبات رکھتی ہیں...... ان میں وشوا ہندو پریشد' بجرنگ دل اور اکالی دل پیش پیش تھیں...... اور میں نے ستیاپال اور اس کے خونی ہرکاروں کے بارے میں جو معلومات اپنے طور پر اکٹھی کر رکھی تھیں اس کے مطابق...... انہی میں سے ایک یا تینوں کی ملی بھگت سے یہ نیٹ ورک تشکیل دیا گیا تھا۔ جن کا کام صرف اور صرف یہ تھا کہ...... پاکستان کو کمزور کرنے کیلئے...... ان کے دفاعی اور فوجی رازوں کے ساتھ ساتھ...... ایٹمی رازوں کا خفیہ طور پر حصول تھا۔

یہ نیٹ ورک کس نام سے موسوم تھا......؟ اس کے بارے میں ابھی مجھے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اور مجھے ان کا یہی نیٹ ورک توڑنا تھا مگر یہ تب ہی ممکن ہوسکتا تھا جب میں ان کی جڑوں میں گھس جاؤں...... اور اس کی جڑ...... اس نیٹ ورک کا وہ خفیہ ہیڈکوارٹر تھا...... جہاں سے انہیں ہدایات جاری ہوتی تھیں۔

لہٰذا میں نے اب ستیاپال اور اس کے ساتھیوں پر کڑی نظر رکھنا شروع کر دی تھی۔ یہ بہت جان جوکھم والا خطرناک کام تھا۔ اور...... میں ہر صورت اس مشن کو پورا کرنے کا عزم مصمم کر چکا تھا۔

میں کوشش کیا کرتا تھا کہ...... خانہ بدوشوں کے چند افراد کی ٹولی کی صورت میں شہر گردی کرتا رہتا تھا...... تاکہ...... کسی بھارتی ایجنٹ کو مجھ پر شبہ نہ ہوسکے۔

بوقت ضرورت...... میں تنہا بھی یہ کام نمٹانے کی کوشش کرتا تھا۔

اس روز سہ پہر کو بھی ایسا ہی ہوا۔

میں نے ستیاپال کے مکان کا ایک چکر لگایا تو...... چونک پڑا۔

اس کے مکان کے سامنے ایک بہت بڑا ٹرک کھڑا تھا...... جس کے عقبی حصے میں ایک بہت بڑا...... ریڈار بھی نصب تھا...... مجھے یہ اندازہ لگانے میں چنداں دیر نہ لگی کہ ضرور یہ ٹرک ان کے خفیہ ہیڈکوارٹر سے ہی آیا ہوگا...... جو ترسیل وغیرہ کا کام انجام دینے کیلئے استعمال ہوتا تھا۔

اب میں نے ایک خطرناک قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ...... یہ ٹرک واپس ضرور ان کے ہیڈکوارٹر کا ہی رخ کرے گا اور اب میں کسی طرح اس ٹرک کے اندر بیٹھ کر چھپنا چاہتا تھا۔

چنانچہ میں نے گردوپیش پر نظر ڈالی اور پھر ٹرک کے قریب جا کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ ڈرائیونگ سیٹ میں تو چھپنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا البتہ...... جنگلے والے حصے میں چھپنے کیلئے خاصی کشادہ جگہ تھی۔

میں اب واپس خانہ بدوشوں کے قبیلے کا رخ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے...... ادھر ادھر مٹرگشت کرنے کے بعد جب رات سر پر آئی تو ستیاپال کے مکان کی طرف بڑھا...... یوں بھی میں اس کے اریب قریب تھا۔ ذرا ہی فاصلے پر تھا کہ میں نے اچانک...... اس مذکورہ ٹرک کو سٹارٹ ہوتے ہوئے دیکھا۔ اب اس کی ہیڈ لائٹس بھی روشن ہوچکی تھیں...... میں چھپتے چھپاتے ذرا قریب پہنچا اور بغور ٹرک سواروں کی تعداد گننے کی کوشش کرنے لگا۔

ڈرائیونگ کیبن میں ڈرائیور سمیت تین افراد براجمان تھے...... ان میں ستیا

پال کا خاص آدمی سنبل بھی موجود تھا...... جبکہ ٹرک کے عقبی حصے میں صرف دو افراد موجود تھے۔ ٹرک سٹارٹ ہو کر آگے بڑھا...... ابھی اس کی رفتار ہلکی تھی...... میں نے شارٹ کٹ راستہ اپنایا اور...... دوڑتا ہوا...... اس کے راستے کے موڑ پر پہنچ کر رک گیا جدھر سے یہ ٹرک گزرنا تھا۔

پہلے تو میرا منصوبہ یہی تھا کہ...... دشمنوں کے اس خفیہ ہیڈ کوارٹر تک پہنچنے سے پہلے...... یہاں ستیا پال اور سنبل کو بھی موت کی نیند سلا دوں اور اس کا مکان بھی تباہ کر ڈالوں جو بلاشبہ ان کا ایک ذیلی ہیڈ کوارٹر تھا...... مگر...... میں اس موقع کو بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا...... میں راستے کے موڑ پر قد آدم اور گھنی خودرو جھاڑیوں میں دبک کر بیٹھ گیا۔ میری نظریں...... سامنے آتے ہوئے ٹرک کی ہیڈ لائٹس پر مرکوز تھیں۔

ٹرک اب خاصی تیز رفتاری کے ساتھ...... کھڑکھڑاتا ہوا بڑھا چلا آ رہا تھا......

میرا دل بے تحاشہ دھڑک رہا تھا۔

موڑ کے قریب پہنچ کر...... ٹرک کی رفتار بتدریج کم ہونے لگی...... میں ہوشیار ہو گیا۔ ٹرک اب دھیمی رفتار کے ساتھ موڑ کاٹنے لگا پھر وہ جیسے ہی میرے قریب سے گزرنے لگا تو...... میں نے لپک کر اس کے عقب سے نمودار ہوتے ہوئے...... جنگلے پر جا ٹکا۔

موڑ کاٹتے ہی...... ٹرک...... کی رفتار بھی تیز ہوتی چلی گئی۔ میں مضبوطی سے ٹرک کے عقبی جنگلے کو پکڑ کر اس کے ساتھ چپکا کھڑا تھا۔ پھر میں نے...... کینوس ہڈ کی جھری سے اندر جھانکا تو دو افراد...... ایک بوتل پیتے دکھائی دیئے...... وہ لائٹ قسم کی فاسٹ وائن باٹل تھی...... جسے وہ...... باری باری منہ لگا کر پی رہے تھے...... اس کے بعد مدہوش ہو کر وہیں لیٹ رہے۔

ٹرک درمیانی رفتار کے ساتھ...... ہچکولے کھاتا...... مضافات کی جانب بڑھا چلا جا رہا تھا۔ ان دونوں کے مدہوش ہو کر ڈھیر ہو جانے کے بعد میں آہستگی سے اندر کودا۔ دوڑتے ٹرک کی کھڑکھڑاہٹ کے شور میں...... میرے اندر کودنے کی نسبتاً ہلکی آواز دب گئی۔

میں آگے بڑھا سب سے پہلے ایک دشمن کی میں نے رگ حساس مسل کر اسے

بے ہوش کر دیا پھر دوسرے کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد دونوں کا ٹینٹوا دبا کر انہیں ہمیشہ کی نیند سلا دیا اور باری باری دونوں کی لاشوں کو ٹرک سے باہر اچھال دیا اس کے بعد گہری نظروں سے اندر کا جائزہ لینے لگا اور وہاں آس پاس بے ترتیب رکھی تین چار چوبی پیٹیوں کو دیکھ کر میں ایک خیال کے تحت چونک پڑا۔

ان صندوقوں کو جب میں نے کھولا کو دیکھا تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ تینوں صندوق اسلحے سے بھرے ہوئے تھے۔

ایک میں...... جدید گنیں اور راکٹ لانچر تھے‘ دوسرے میں فاضل راؤنڈ‘ راکٹ اور ہینڈ گرنیڈ کے علاوہ میگنیٹو ٹائم بم بھی تھے۔ اتنے سارے اسلحے کو دیکھ کر میری آنکھیں چمک اٹھیں۔ وطن دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کی لگن سوا تر ہونے لگی...... جذبہ حریت سے سرشار میرے دل کی دھڑکن تیز تر ہونے لگی۔

میں ڈرائیونگ کیبن والے حصے کی طرف بڑھا۔

یہاں ایک گول سوراخ تھا۔ میں نے آنکھ چپکا دی...... اندر کا منظر واضح تھا۔ سنبل...... اپنی گود میں ایک بریف کیس کھولے ہوئے تھا...... جبکہ اس کا دوسرا ساتھی بھی اس کی طرف متوجہ تھا۔ تب میں نے بغور دیکھا تو معلوم ہوا...... وہ بریف کیس درحقیقت ایک لیپ ٹاپ کمپیوٹر تھا...... اس کی سکرین روشن تھی۔ سنبل نے ہیڈ فون چڑھا رکھا تھا۔ سکرین پر ایک مخروطی عمارت کی شبیہ ابھری۔ پھر...... یہ شبیہ کلوز ہوتی چلی گئی۔ اس کے بعد...... اندر کے گوشے...... باری باری...... سکرین میں مختلف زاویوں سے ابھرنے لگے...... پھر اک گوشے کو...... سنبل نے ”کلک“ کیا تو وہ گوشہ کلوز ہو گیا۔

”اب وہاں...... ایک بھاری بھرکم شخص ایک کرسی پر نظر آ رہا تھا۔

”باس...... میں سنبل مخاطب ہوں......“ معاً سنبل نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں کہا۔ میرے اندر سائیں سائیں ہونے لگی۔

”کیا رپورٹ ہے......؟“ باس نے گمبھیر اور بارعب آواز میں پوچھا۔

”آپ سے کچھ ضروری نوعیت کی بات کرنا ہے۔“ سنبل نے مؤدبانہ کہا۔

”نوعیت......؟“ باس نے مختصراً پوچھا۔ میں اس کی شکل و صورت کو ذہن نشین

کر رہا تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ایک خاصا جسیم شخص تھا۔ عمر پچاس پچپن کے درمیان ہی رہی ہوگی۔ سر کے بال کہیں کہیں سے اڑے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں مکارانہ چمک اور ناک موٹی...... ہونٹ سیاہی مائل تھے۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سگار کے کش لگا رہا تھا۔

"باس...... کوئی پاکستانی خطرناک ایجنٹ ہمارے پیچھے لگ چکا ہے۔"

سنیل نے گفتگو کی نوعیت کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے مؤدبانہ کہنا شروع کیا۔

"خیال یہی ہے کہ...... وہ کوئی پاکستانی کمانڈو ہے...... اور انتہائی...... خطرناک اور تربیت یافتہ ہے...... اس نے سب سے پہلے...... پاکستان میں ہمارے ایک ہم خیال ساتھی...... سلطان جہانزیب کو ہلاک کیا پھر...... راجہ پٹیل کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ ہم نے جیند ول کو اس کے پیچھے روانہ کیا تو اس کا بھی پتہ نہ چل سکا۔ آپ سے مزید ہدایات حاصل کرنے کیلئے...... ستیاپال صاحب نے مجھے آپ کے پاس روانہ کیا ہے......"

"ہوں...... ٹھیک ہے......" باس نے ایک گمبھیر اور پرخیال ہنکاری بھرتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد سنیل وائنڈ اپ کرنے لگا تو میں نے سکرین پر ابھرنے والے نقشے کو ذہن نشین کرلیا۔ دشمنوں کے خلاف یہ میری ایک اور بڑی کامیابی تھی...... میں ان کے ہیڈکوارٹر کے محل وقوع اور...... علاقے سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔

ہیڈکوارٹر سے متعلق...... معلومات وغیرہ حاصل ہوتے ہی...... میں نے اب فوراً...... اپنی لائن آف ایکشن بدل ڈالی۔

اب میں سٹیپ بائی سٹیپ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔

دشمن ایجنٹوں کے ہیڈکوارٹر کے بارے میں مجھے علم ہو چکا تھا۔ میں کسی وقت بھی وہاں پہنچ سکتا تھا...... اس لئے دشمن ایجنٹوں کے نیٹ ورک کو توڑنے کیلئے...... سب سے پہلے...... ستیاپال کے سرحدی ذیلی ہیڈکوارٹر نما مکان کو تباہ کرنا لازمی تھا۔

ٹرک نے ابھی کچھ زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا۔ یہ پورا ٹرک اس وقت ایمونیشن ڈمپ تھا...... میں نے...... چند ضروری ہتھیار جن میں ایک عدد مشین گن اور دوسری ٹامی گن تھی ایک عدد راکٹ لانچر ٹرک سے باہر اچھال دیئے۔ پھر جلدی جلدی

فاضل گولیوں کی پٹیاں پھینکیں اس کے بعد راکٹ، ہینڈ گرنیڈ پھینکے، اس کے بعد جتنے بھی ٹائم بم تھے...... انہیں آپریٹ کر کے...... پانچ منٹوں کا "بلاسٹنگ ٹائم" سیٹ کرنے کے بعد میں نے بھی ٹرک سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ ٹرک رات کی تاریکی میں دھڑ دھڑاتا ہوا...... گم ہو گیا...... ٹھیک پانچ منٹوں بعد مجھے ایک ساعت شکن دھماکوں کی آواز سنائی دی...... ٹرک کی دشمنوں سمیت تباہی کے بعد میں...... نیچے پھینکا ہوا مختصر اسلحہ سمیٹنے لگا۔

اس کے بعد...... میں دوبارہ ستیاپال کے ذیلی ہیڈکوارٹر نما مکان کی طرف چل پڑا...... میں اسے تباہ کر دینا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

رات کے آخری پہر میں...... ستیاپال کے مکان کے قریب پہنچا...... چوں کہ...... یہ ان کے اپنے سرحدی علاقہ میں واقع تھا اس لئے وہاں...... آس پاس سناٹا طاری تھا۔ اندر ستیاپال اور اس کے آدمی محو خواب تھے۔ پوری بستی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

میں نے پھرتی کے ساتھ پیش قدمی کی اور...... ستیاپال کے مکان کی دیواروں پر ٹائم بم چپکا دیئے...... اور...... پندرہ منٹوں کا بلاسٹنگ ٹائم سیٹ کرنے کے بعد...... چند قدموں کے فاصلے پر جا دبکا......

ایک ایک لمحہ بہت بھاری گزر رہا تھا۔

جب ایک منٹ رہ گیا تو میں نے یکے بعد دیگرے تین چار ہینڈ گرنیڈ کی پنیں کھینچنے کے بعد انہیں...... ستیاپال کے وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے مکان کے صحن میں اچھال دیا اور اپنے جسم سے...... سارا اسلحہ اتار پھینکا...... اور...... دوڑتا ہوا جنگل کی طرف چلا گیا۔ دفعتہً میرے عقب میں یکے بعد دیگرے کان پھاڑ دھماکے ہوئے...... پھر یہ سلسلہ بتدریج دراز ہوتا چلا گیا...... میں نے ایک جگہ رک کر...... عقب میں دیکھا۔

ستیاپال کا وہ ذیلی ہیڈکوارٹر نما مکان دھڑا دھڑ شعلوں کی لپیٹ میں سلگ رہا تھا۔ پوری بستی میں کہرام مچ گیا تھا۔

میں...... چھپتے چھپاتے...... ایک لمبا چکر کاٹ کر خانہ بدوشوں کے پڑاؤ میں شامل ہو گیا...... دھماکوں کی آواز پر وہ لوگ بھی بدحواس ہو کر...... اپنے اپنے جھونپڑ خیموں سے باہر نکل آئے تھے...... میں بھی حیرانی و پریشانی کی اداکاری کرتا ہوا ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

بستی کے سارے لوگ...... آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگے...... مگر...... ستیاپال کا مکان جہنم زار بن چکا تھا۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی شہر سے آ چکی تھیں...... مگر انہیں بھی آگ بجھانے میں کئی گھنٹے لگے تھے۔

بعد میں یہ جان کر مجھے تسکین ہوئی کہ اندر ستیاپال سمیت سب دشمن ایجنٹ جل مرے تھے۔

☆......☆......☆

میرا اگلا قدم...... دشمن کے اصل ہیڈکوارٹر کی طرف تھا۔ مگر میں اسے تباہ کرنے سے پہلے ان کے نیٹ ورک سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا...... تاکہ ان کے سرکردہ...... لوگوں کو چن چن کر جہنم واصل کر سکوں...... چنانچہ میں ابھی خانہ بدوشوں کے بھیس میں انہی کے ساتھ ہی رہنا چاہتا تھا۔

مگر صرف ایک دن کیلئے...... کیوں کہ مجھے اندازہ تھا کہ...... اس تباہی کے بعد...... یہاں بڑی سخت چھان بین اور تلاش ہو گی۔

لہٰذا میں اس دن بعد دوپہر خاموشی کے ساتھ ایک مسافر لاری میں بیٹھ کر شہر روانہ ہو گیا۔

دشمنوں کا ہیڈکوارٹر...... ممبئی کے شہر بڑودہ میں تھا۔ لیکن میں نے ڈرائیونگ کیبن کے سوراخ سے سنیل کے لیپ ٹاپ کی سکرین پر ابھرے ہوئے نقشے میں جو...... اہم پوائنٹ ذہن نشین کیے تھے...... وہ...... بڑودہ سے...... خلیج کھمبات تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور صرف...... بڑودہ کے نیم پہاڑی علاقے سے لے کر...... خلیج کھمبات تک گول دائروں کو ایک ڈارک لائن سے نشان کھینچا گیا تھا...... گویا اب مجھے...... بڑودہ کے...... نیم پہاڑی اور جنگلاتی علاقوں سے لے کر خلیج...... تک کے ساحلی علاقے کو بھی ٹریس کرنا تھا۔

بہرطور...... میں شہر پہنچ کر ٹرمنس پر اتر گیا اور یہاں سے پہلے دہلی جانے والی ٹرین میں سوار ہو گیا...... دہلی اترنے کے بعد میں کوٹا ایکسپریس میں سوار ہو گیا...... کوٹا تقریباً پونے دو سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ وہاں اتر کر میں رتلام میل میں سوار ہو گیا جو سیدھی بڑودہ جاتی تھی...... بڑودہ کے بعد بھڑونچ آتا تھا...... اس کے بعد خلیج کھمبات

تک ریل کا راستہ نہ تھا...... البتہ روڈ سواری مل سکتی تھی۔

میں رات آٹھ بجے کے قریب رتلام میل پر سوار ہو گیا تھا۔ میں نے دانستہ سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا تھا۔ جس بوگی میں سوار ہوا...... وہ مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی...... مجھے بیٹھنے کو سیٹ نہ مل سکی تھی...... سفر طویل تھا...... اور بڑودہ کا سٹیشن صبح 10 بجے متوقع تھا۔

بہرطور...... میں بھی...... دوسرے بے ٹھکانہ مسافروں کی طرح...... بوگی کے فرش پر ہی بیٹھ گیا۔ ایک سابقہ آرمی آفیسر ہونے کی وجہ سے...... میں ان علاقوں کی اچھی طرح آگاہی رکھتا تھا۔

☆......☆......☆

رتلام میل نے وسل دی...... اور پلیٹ فارم پر دھیرے دھیرے رینگنا شروع کر دیا۔

شکر تھا کہ موسم سرد نہ تھا...... ورنہ تو میرے پاس سردی سے بچاؤ کیلئے کچھ بھی نہ تھا۔ گرم چادر یا سوئیٹر تو ایک طرف رہا...... اونی مفلر تک نہ تھا۔

لیکن جیسے ہی...... ٹرین راجستھان کے صحرائی علاقے سے نکلی تو...... ہلکی ہلکی ٹھنڈ کا اثر غالب آنے لگا۔ مگر...... اس کا تدارک میں نے یوں کیا کہ...... فرش پر بیٹھے ہوئے مسافروں کے ساتھ لگ کر بیٹھ رہا۔

ٹرین کے ساتھ...... بڑا عجیب مسئلہ محسوس ہو رہا تھا کبھی تو وہ...... تیز دوڑنے لگ جاتی اور کبھی بالکل ہی ست ہو جاتی...... اتنی کہ بآسانی کوئی مسافر...... نیچے اتر کر پیشاب کر کے دوبارہ سوار ہو سکتا تھا۔

شاید یہ لوپ لائن تھی اس لئے...... ورنہ تو مین لائن پر ایک دوسرے کے پیچھے تیز رفتار ٹرینیں دوڑتی رہتی ہیں...... اس لائن پر دوسری ٹرین کے آنے میں خاصا طویل وقفہ تھا...... بلکہ پورے بارہ گھنٹے کا وقفہ...... میں سکڑا سمٹا بیٹھا...... سوچوں میں گم تھا۔

سلطان اور راجہ پٹیل کی ہلاکت اور پھر ان سے ریڈ فائل حاصل کر کے اسے ضائع کر دینے کے بعد اب...... ستیا پال سمیت اس کے آدمیوں و مکان کو آگ اور بارود میں جھونک کر...... میں اپنے اس مشن کی پچاس فیصد کامیابی حاصل کر چکا تھا اور

دشمنوں کیلئے...... ایک خطرناک ہوا کی صورت اختیار کر چکا تھا...... وہ اب یقیناً...... بھوکے اور خونخوار بھیڑیوں کی مانند اپنے دانت نکوسے مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ میرے لئے یہ خوشگوار تبدیلی تھی...... کیوں کہ...... میں اچھی طرح جانتا تھا کہ...... پاکستان میں ان کا نیٹ ورک تباہ کرنے اور پھر انہی کی سرحد میں داخل ہو کر ان کا ایک ذیلی ہیڈ کوارٹر بموں سے اڑانے کے بعد وطن دشمنوں کی اب ساری توجہ...... یقیناً...... میری طرف مبذول ہو چکی ہو گی۔ لہٰذا میں بھی اب ان لوگوں کو تگنی کا ناچ نچانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ٹرین کئی چھوٹے چھوٹے سٹیشنوں پر رک رہی تھی...... اور بسا اوقات اس کا...... سٹاپ کسی سٹیشن پر اتنا طویل ہو جاتا کہ یوں محسوس ہونے لگتا جیسے...... ڈرائیور...... چلانا ہی بھول گیا ہو۔

مسافروں کا رش اب کم ہونے لگا تھا...... اس کے بعد مجھے ایک الگ تھلگ سیٹ مل گئی۔ میں فوراً وہاں جا کر براجمان ہو گیا اور کھڑکی سے باہر تاریکی میں بے مقصد گھورنے لگا۔ ذرا دیر بعد ٹرین ایک اور سٹیشن پر رکی تو...... میرے سامنے والی سیٹ سے بھی ایک مسافر نیچے اتر گیا۔ میں نے اپنی دونوں ٹانگیں سامنے کی خالی سیٹ پر پھیلا دیں۔ مگر...... مجھے زیادہ آرام نصیب نہ ہو سکا...... ایک مسافر سوار ہوا اور اس کے بعد...... ایک نوجوان جوڑا...... بھی سوار ہوا۔ لڑکی کی عمر...... بمشکل اٹھارہ بیس سال کے درمیان رہی ہو گی...... جبکہ لڑکا بھی زیادہ بڑا نہ تھا...... لڑکی نے بغچی تھام رکھی تھی...... دونوں ہی مجھے پریشان اور حواس باختہ نظر آ رہے تھے اور جلدی سے...... دائیں جانب والی سیٹوں پر براجمان ہو گئے جبکہ پہلا والا...... مسافر جو ایک کرخت صورت اور ادھیڑ عمر تھا...... وہ ان دونوں کو گھورتے ہوئے میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا...... لیکن باوجود اس کے وہ...... گاہے بگاہے اس پریشان و مضطرب الحال جوڑے کو گھورنے بھی لگتا تھا۔

کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے...... یہ ادھیڑ عمر کرخت صورت شخص ان کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہو۔ وہ جوڑا بھی شاید...... اس ادھیڑ عمر سے خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے یہ لڑکا...... لڑکی کو بھگا کر لے جا رہا ہو...... خیر...... میرا کیا...... میں

اپنے خیالوں میں کھو گیا۔

”دلو! مجھے بالکل وشواش نہیں آ رہا کہ...... تم اتنے بزدل بھی ہو سکتے ہو؟“

اچانک لڑکی کی دبی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اپنے ساتھی لڑکے سے مخاطب تھی۔ اس کے شکوہ کناں لہجے میں معصومیت تھی۔

”اگر میں بزدل ہوتا تو...... تجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر...... بھاگ نہ جاتا......؟“ لڑکے نے جواب دیا تو لڑکی نے سوجھے ہوئے منہ سے کہا۔

”تو اور تو کونسی بہادری والا کام کر رہا ہے......؟“

میری طرح...... میرے سامنے بیٹھا ہوا وہ کرخت صورت شخص بھی بغور ان دونوں کی گفتگو پر کان دیئے ہوئے تھا...... جبکہ وہ دونوں لڑکا لڑکی...... اب گردوپیش سے بے خبر ہو کر...... آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

”تجھے...... اپنے ماں باپ کے پاس ہی تو چھوڑنے جا رہا ہوں واپس...... جہاں سے تو بھاگی ہے۔ کیا یہ بہادری والا کام نہیں......“ لڑکے نے کہا۔

”جوان ناری ایک بار اپنے ماتا پتا کا گھر چھوڑ دے...... تو دوبارہ...... اسے کوئی پناہ نہیں دیتا...... دلو...... میں اب کس منہ سے اپنے دکھی ماتا پتا کا سامنا کروں گی......؟ تو نے...... تو نے میری زندگی تباہ کر دی...... مورکھ...... میں کیا کروں......؟“

لڑکی رو پڑی...... لڑکا پریشان ہو گیا...... تب میرے سامنے بیٹھے ہوئے کرخت صورت شخص نے کھڑے ہو کر...... لڑکے کو مخاطب کر کے کہا۔

”کیوں رے مورکھ! ایک جوان کنواری کنیا کو بھگا لے جا رہا ہے...... کروں تجھے پولیس کے حوالے......؟“ مجھے اس کا یوں دخل دینا برا لگا تھا مگر میں خاموش رہا البتہ لڑکی ضرور پریشان ہو گئی تھی...... مگر...... اس کا ساتھی لڑکا بالکل خائف نہ ہوا۔ بلکہ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا...... اور...... سینہ تان کر...... اس کرخت صورت والے شخص سے تیز لہجے میں بولا۔ ”تو کون ہوتا ہے...... ہمارے معاملے کے بیچ بولنے والا......؟ بیٹھ جا خاموشی سے اپنی سیٹ پر......“ اس کی جوابی کارروائی پر کرخت صورت والے شخص کو بھی طیش آ گیا...... وہ جارحانہ انداز میں اس لڑکے کی طرف بڑھا اور آنکھیں نکالتا ہوا درشت لہجے میں اس سے بولا۔

”چوری اور سینہ زوری...... ابھی بتاؤں تجھے کون ہوں میں......؟“

”اے بھیا...... رہنے دو...... میری تو قسمت ہی کھوٹی ہے...... جو اس بزدل کے کہنے پر آ کر...... اپنے باپ کی چوکھٹ پار کی...... اور اب مجھے دوبارہ میرے ماتا پتا کے پاس ہی لے جا رہا ہے......“ اس لڑکی نے ملتجی لہجے میں کرخت صورت والے شخص سے کہا۔

”یہ اگر تجھے تیرے گھر سے بھگا لے گیا تو...... اسے تجھ سے شادی کرنا چاہئے...... نا کہ بے سہارا چھوڑ دے...... میں ایسے لچے لفنگوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں...... جو...... تم جیسی معصوم لڑکیوں کو بھگا کر لے جاتے ہیں اور پھر...... مزے لوٹنے کے بعد بے سہارا چھوڑ دیتے ہیں۔“ وہ شخص غصے سے لڑکے کی طرف گھور کر لڑکی سے بولا۔ بے چاری لڑکی کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ میں اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ وہ شخص بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا مگر باوجود اس کے...... مجھے وہ لڑکا...... صورت سے اوباش فطرت نظر نہیں آ رہا تھا...... ورنہ...... وہ لڑکی کو واپس اس کے گھر نہیں لے جاتا...... اسے چھوڑ کر اپنی راہ لیتا۔

”نہیں...... نہیں...... بھیا...... میں بھگوان کی سوگند کھاتی ہوں دلو نے میرے ساتھ اب تک کوئی بھی ایسی ویسی حرکت نہیں کی ہے۔“

وہ لڑکی اس شخص کے جارحانہ تیور بھانپ کر جلدی سے لڑکے کی حمایت میں بولی۔

”تو' تو اس کی حمایت کرے گی ہی...... پر مجھے پھر بھی یقین ہے کہ...... یہ تجھے...... کسی کے ہاتھوں فروخت کر دینے کا ارادہ رکھتا ہے......“ وہ درشتی سے بولا تو دلو نامی اس لڑکے کو بھی غصہ آ گیا۔ ”زبان سنبھال کر بات کر...... ورنہ......“

”ورنہ...... کیا...... کیا کر لے گا تو......؟“

اب میرا بیچ میں پڑنا لازمی ہو گیا...... کیوں کہ...... وہ دونوں بے چارے پہلے ہی پریشان تھے اور پر سے یہ کرخت صورت ادھیڑ عمر...... خدائی فوجدار بن کر انہیں مزید پریشان کرنے پر تلا ہوا تھا۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ...... نوبت ہاتھا پائی تک جا پہنچتی میں نے کھڑے ہو کر...... سب سے پہلے اس کرخت صورت والے شخص کے کاندھے پر

ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''ٹھہرو بھائی...... میں انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر میں نے...... اس دلو نامی لڑکے کی طرف دیکھا اور بولا۔

''تمہارا پورا نام کیا ہے......؟''

''میرا نام دل مراد خان ہے......؟'' اس نے بڑی دلیری سے اپنا نام بتایا۔

میں چونک پڑا...... گویا یہ لڑکا مسلمان تھا...... پھر میں نے اس لڑکی سے نام پوچھا۔

وہ پہلے تو تردد کرنے لگی...... پھر مجھے بھلا مانس سمجھتے ہوئے بولی۔

''مم...... میرا نام...... اوشا دیوی ہے......''

''کیا......؟ تم ہندو ہو......؟'' میں ایک بار پھر چونکا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اوئے مسلے...... تو نے ہمارے ہندو مذہب کی لڑکی کے ساتھ یہ کھلواڑ کرنے کی جرأت کیسے کی......؟ اب تو میں تجھے زندہ جلوا ڈالوں گا...... تو...... تو مسلمان ہے......'' اس بار وہ کرخت صورت والا شخص جیسے غصے سے پھٹ پڑا تو لڑکے دل مراد نے بھی سینہ تان کر کہا۔

''ہاں...... میں مسلمان ہوں...... پھر......''

''پھر کی ایسی کی تیسی...... تب وہ کرخت صورت والا بھی آپے سے باہر ہو گیا۔

وہ بھی چونکہ ہندو ہی تھا...... ایک مسلمان لڑکے کے ساتھ...... اپنے مذہب کی ہندو لڑکی کو دیکھ کر اس کی رگ حمیت پھڑک اٹھی...... اگر میں اسے بروقت نہ روک لیتا تو دونوں میں سر پھٹول ہو جاتی۔

چند بیٹھے ہوئے دیگر مسافر بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے...... ان میں بیشتر ہندو تھے...... اور بڑی نفرت آمیز نظروں سے لڑکے کو گھورے جا رہے تھے...... جیسے اس کی تکا بوٹی کرنے کو بے چین ہوں۔ میں بھی ذرا پریشان ہو گیا تھا...... مجھے اس لڑکے دل مراد عرف دلو...... کی بے وقوفی پر غصہ اور اپنے آپ پر پچھتاوا محسوس ہونے لگا

تھا کہ...... میں نے بلاوجہ اس کا اصل نام پوچھ لیا...... جو میرا ہم مذہب یعنی مسلمان تھا۔

اب میرا اسے ان مشتعل ہندوؤں کے نرغے سے بچانا فرض تھا۔

تاہم میں نے مداخلت کرتے ہوئے ان مشتعل مسافروں کو سمجھاتے ہوئے لڑکے کی حمایت میں کہا۔

''بھائیو! بلاوجہ خون خرابے سے کیا فائدہ......؟ قصوروار تو دونوں ہی ہیں اگر لڑکے کے دل میں میل ہوتا تو...... یہ لڑکی کو بے سہارا چھوڑ کر اپنی راہ لیتا......''

میرے سمجھانے پر حالات ذرا قابو میں آئے تو میں نے لڑکے دل مراد خان سے پوچھا۔

''دیکھو لڑکے...... تم اب اس لڑکی کو خیر خیریت کے ساتھ...... اس کے گھر تک چھوڑ دو...... سمجھے......''

''ہاں...... جناب! اس لئے تو میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں خود اوشا دیوی کو اس کے گھر چھوڑنے کے بعد...... واپس لوٹ جاؤں......''

''واپس تو اب تیری لاش ہی جائے گی...... مسلے......''

''اس کرخت صورت والے نے بھنا کر اسے گالی دی...... تو مجھے بھی اس پر طیش آ گیا لیکن یہ معاملہ اتنا نازک تھا کہ...... اوشا لاکھ غلطی پر ہوتی مگر...... تعصب پسند ہندوؤں کا نزلہ...... مسلمان لڑکے دل مراد پر ہی گرتا...... وہاں سب کٹر ہندو موجود تھے...... مسلمانوں کی تعداد اگرچہ تھوڑی تھی...... مگر...... وہ لڑکے کی مدد کو درمیان میں کود پڑے تھے...... بلکہ ان میں ایک مسلمان نے تو...... دیدہ دلیری کے ساتھ...... سارے متعصب ہندوؤں کو للکار بھی دیا۔

''خبردار...... اگر کسی نے بھی لڑکے کو گندی آنکھ سے دیکھا...... لڑکی کا بھی اس میں برابر کا قصور ہے...... تمہیں صرف مسلمان لڑکا ہی قصوروار نظر آ رہا ہے......؟''

مسلمان مسافر کی ایک ہی للکار نے وہاں موجود سارے متعصب انتہا پسند ہندوؤں کو خاموش کروا دیا تھا...... مگر چوں کہ وہ زیادہ تعداد میں تھے...... اس لئے...... کچھ زیادہ ہی اکڑ رہے تھے...... اور لڑکی کی طرف سے جانب داری برت رہے تھے۔

میں شش و پنج میں مبتلا تھا مگر...... پیچھے ہٹنا بھی میرے بس میں نہ تھا۔ میں

نے ایک بار پھر بیچ بچاؤ کی کوشش کی اور با آواز بلند بولا۔

''میرا مشورہ ہے...... لڑکی کو اب ہم خود اس کے ماں باپ کے گھر چھوڑ آتے ہیں...... اور...... اس لڑکے کو...... جانے دیتے ہیں...... معاملہ یہیں ختم ہو جائے تو اچھا ہے...... بلاوجہ اس مسئلے کو جتنی ہوا دیں گے تو...... یہ بجائے حل ہونے کے...... آگ ہی بھڑکائے گا...... اور فساد کھڑے ہونے کا بھی اندیشہ ہے...... پھر سب سے بڑی بات یہ کہ...... جتنا اس مسئلے کو اچھالا جائے گا...... لڑکی اور لڑکی کے ماں باپ کی بدنامی بھی ہو گی......''

''تو بھی ضرور مسلہ (مسلمان) ہے...... جو لڑکے کی حمایت کر رہا ہے۔'' ایک شر پسند ہندو نے چیخ کر کہا۔ میں نے بھی بلا تعویق و تامل کہا۔

''ہاں میں بے شک مسلمان ہوں...... مگر میں لڑکے کی حمایت نہیں کر رہا...... درمیان کا راستہ بتا رہا ہوں...... تاکہ...... فساد نہ کھڑا ہوا......'' میری بات پر وہ کرخت صورت والا پھڈے باز ہندو شخص اب مجھ پر آنکھیں نکالتا ہوا نفرت انگیز لہجے میں بولا۔

''تم اپنی بکواس بند کرو...... ہم لڑکے کو پولیس کے حوالے کریں گے...... اور...... لڑکی کو بھی میں خود اپنے ساتھ لے جاؤں گا...... اس کے ماتا پتا کے گھر......''

''چلو لوگو! آگے بڑھو اور پکڑ لو اس مسلے (مسلمان) لڑکے کو اس نے ہماری غیرت کو للکارا ہے۔'' وہ خبیث آخر میں اپنے ہم مذہب ہندوؤں سے بولا تو مجھے بھی طیش آ گیا اور میں بھی...... چند مسلمانوں پر مشتمل ٹولے کے ساتھ جا شامل ہوا اور لڑکے دل مراد کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا پھر خوں تاک جوش غیظ سے بولا۔

''خبردار...... کسی نے اگر لڑکے کو ہاتھ بھی لگایا تو...... میں خون کی ندیاں بہا دوں گا'' میری للکار نے ان بزدلوں کے ٹولے پر ہیبت طاری کر دی...... وہ ہچر مچر کرنے لگے۔ مگر وہ کرخت صورت فسادی ہندو میری طرف جارحانہ انداز میں گھونسہ تانے بڑھا تو...... میں نے پھرتی کے ساتھ ایک لات اس کے سینے پر رسید کر دی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا...... اپنے ہندو ساتھیوں کے ٹولے سے جا ٹکرایا...... پھر وہ سب ہم پر بیک وقت پل پڑے...... لڑکی مارے خوف کے چیخنے چلانے لگی مگر مٹھی بھر مسلمانوں نے شر پسند ہندوؤں کے ٹولے...... کی خوب درگت بنا ڈالی۔

خود میں نے...... اس کرخت صورت والے فسادی ہندو کو...... جی بھر کر مار لگائی جس نے اس فساد کو ہوا دی تھی۔ ساتھ ہی میں نے مزید چار پانچ ہندوؤں کے بھی مار لگا دی...... یہ لوگ مار کھانے کے بعد...... ہانپتے کانپتے اپنی اپنی سیٹوں پر جا دبکے اور آپس میں لگے کھسر پھسر کرنے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ...... یہ لوگ...... بغض رکھنے والی قوم ہے...... آگے چل کر ہمارے لئے مشکل کھڑی کر سکتے تھے...... لہٰذا میں نے...... لڑکے دل مراد سے پوچھا...... کہ اس کا گھر کہاں ہے......؟

اس نے بتایا کہ...... اگلا سٹیشن اس کے گاؤں...... پرنام گڑھ کا ہے۔''

میں نے اسے...... وہاں اترنے کا کہہ دیا۔

اگلا سٹیشن آیا...... تو...... مار کھائے زخمی سانپ کی مثل سارے ہندو...... چیختے چلاتے ہوئے بوگی سے اتر کر پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے...... اور ٹرین میں موجود اپنے دیگر ہندو ساتھیوں کو بھی چیخ چیخ کر اترنے کا کہا۔

صورتحال نازک ہو چکی تھی۔ ان بزدلوں کے آڑے آنا اب دانش مندی نہیں تھی۔ میں نے وہاں چند گنتی کے مسلمانوں کو بوگی کے دوسری طرف اتر کر کھسک جانے کو کہا اور پھر خود بھی...... چھپتا چھپاتا لڑکے دل مراد خان...... لڑکی اوشا دیوی کو لئے دوسری طرف تاریکی میں اتر گیا۔

چشم زدن میں ہم پلیٹ فارم سے دور جا چکے تھے۔

پرنام گڑھ زیادہ بڑا گاؤں نہ تھا...... چند قدم چلے تھے کہ جنگل شروع ہو گیا...... یوں بھی بھارت کے بیشتر علاقے گھنے جنگلات اور پہاڑیوں پر مشتمل تھے۔ ہم تینوں ایک جگہ دبک کر بیٹھ گئے...... دور انجن کی وسل ابھری...... پلیٹ فارم کی بیمار سی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں...... ٹرین نے رینگنا شروع کر دیا تھا۔

اچھی طرح...... تسلی کرنے کے بعد...... میں نے ان دونوں بے وقوف لڑکی لڑکے کو غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''تم دونوں اگر گھر سے بھاگے ہی تھے تو...... بھلا ٹرین میں جھگڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو شکر ہوا کہ کوئی بہت بڑا فساد کھڑا ہوتے ہوتے رہ گیا......'' پھر میں نے لڑکے دل مراد سے کہا۔

"اور......تم یہ کیا بے وقوفی کر رہے ہو لڑکی کو گھر چھوڑنے کی...... اگر اتنے ہی بزدل تھے تو اس بے چاری کو کیوں گھر سے بھاگنے پر مجبور کیا تھا......؟"

دل مراد بولا۔ "بھائی جی! میں اوشا سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں...... اس کی اپنی مرضی بھی تو شامل تھی میرے ساتھ بھاگنے کی......"

"کیا تم دونوں یہ بات نہیں جانتے تھے کہ......تم دونوں کا مذہب الگ الگ ہے......" اب میں دونوں کو گھورا تو اس بار اوشا بولی۔

"بھیا! پریم پیار نا ذات پوچھے نہ مذہب...... ہم مجبور تھے......" وہ رونے لگی۔ میں نے اسے چپ کرایا پھر دل مراد سے بولا۔

"دیکھو...... اگر یہ لڑکی تمہارے ساتھ سچی ہے تو اسے اپنے ساتھ کہیں دور لے جاؤ...... اسے اپنے مذہب اسلام کے بارے میں بتاؤ اور یہ تم سے زیادہ اگر...... دین اسلام سے متاثر ہو کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے تو...... پھر اس سے شادی کر لینا...... سمجھے تم......"

"ارادہ تو میرا یہی تھا بھائی جی......" دل مراد خان اداسی سے بولا۔ "مگر......"

"مگر کیا......؟"

"مگر...... میرے ساتھ ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔" اس کے لہجے میں گہری پریشانی اور تشویش تھی۔

"کیسا مسئلہ......؟ کھل کر بتاؤ......" میں نے پوچھا۔

"وہ جی...... ہمارے گھروں سے بھاگنے کے بعد...... مجھے پتہ چلا کہ اوشا کے ماں باپ اور بھائیوں نے...... میرے ماں باپ اور سارے گھر والوں کو......جنجال میں ڈال دیا...... پورا گاؤں ان کے خلاف ہو گیا ہے...... پولیس الگ بار بار آ کر تنگ کرنے لگی ہے...... میرے باپ اور بھائیوں کو لاک اپ میں بند کر کے ان پر تشدد کیا جا رہا ہے۔ غرضیکہ...... ان لوگوں نے میرے گھر والوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے...... اوشا تو بڑے ساہوکار کی بیٹی ہے......جبکہ میرے ماں باپ تو بالکل ہی غریب ہیں جی......"

"دل مراد......! تم یا تو بے وقوف ہو یا پھر خود غرض......"

میں نے ذرا تیز لہجے میں اس سے کہا۔

"میں جی......؟" وہ ہونقوں کی طرح میری طرف دیکھ کر بولا۔

"تم نے پہلے یہ نہیں سوچا تھا کہ تم ایک ایسی لڑکی کو بھگا لے جا رہے ہو جو نہ صرف بڑے باپ کی بیٹی ہے بلکہ...... ہندو مذہب سے بھی تعلق رکھتی ہے...... تمہارے غریب ماں باپ کس طرح مقابلہ کر سکیں گے......؟ تم نے اپنا مقصد تو حاصل کر لیا مگر...... ان بے چاروں کو کبھی نہ ختم ہونے والی مصیبت میں مبتلا کر دیا......"

میرے طعن و تشنیع پر...... وہ بے اختیار رو پڑا......

"بھائی جی...... ! میں بہت نادم ہوں...... میں بہت شرمسار ہوں...... اسی لئے تو میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اوشا کو اس کے ماں باپ کے پاس چھوڑ دوں۔"

"اب ایک اور بے وقوفی مت کرو......" میں نے کہا۔

"ہاں......تم اس طرح سامنے آؤ گے......تو سارے ہندو تمہاری تکا بوٹی کر دیں گے...... تم پہلے یہ بتاؤ تمہارا اپنے گھر کے علاوہ اور بھی کسی دوسری جگہ ٹھکانہ ہے......"

"ہاں جی...... میں سیتا نگر میں ہی رہتا تھا...... وہیں میرا دوست سعید رہتا تھا...... وہی گاؤں سے خبریں لا کر مجھے میرے گھر والوں پر ہونے والے ظلم کی خبریں دیا کرتا تھا......" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے......تم ایسا کرو...... اپنے ماں باپ کا نام پتہ مجھے بتا دو......اور خود اکیلے سیتا نگر اپنے دوست سعید کے پاس چلے جاؤ...... میں اوشا کو لے کر اس کے ماں باپ کے پاس پہنچ جاتا ہوں...... سمجھے تم...... مگر اس سے پہلے......تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ......"

"بہت اچھا جی...... یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ بولا۔ پھر اس نے...... اوشا کی طرف حسرت زدہ نظروں سے دیکھا...... اوشا کی آنکھوں سے ہجر و فراق کے آنسو امڈ پڑے...... اس نے زار و قطار رونا شروع کر دیا...... میں نے اسے تسلی دی...... دل مراد خاموشی سے چلا گیا......

پھر میں اوشا کو لے کر اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔

تھوڑی دیر چلنے تو سامنے تاریکی میں مدھم سی روشنیاں اور گھروں کے خاکے نظر آئے۔ اوشا چلتے چلتے اچانک رک گئی۔

''کیا ہوا......؟ تم ...... چلتی کیوں نہیں......؟'' میں نے قدرے چونک کر پوچھا۔

''بھیا ...... تم بھی مسلمان ہو...... میرے ساتھ چلو گے تو...... کیا...... تم مصیبت کا شکار نہ ہو جاؤ...... میں یہاں سے خود ہی چلی جاتی ہوں...... اپنے گھر......''

اس کی بات معقول تھی...... لیکن پھر بھی میں اسے اس کے گھر کے دروازے پر ہی چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ چلتا رہا...... آبادی قریب آ گئی...... تو اس نے مجھے سامنے ایک نسبتاً بڑے اور پختہ اینٹوں والے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ...... وہ اس کے ماتا پتا کا گھر کا ہے۔ اب میں واپس لوٹ جاؤں......

یہ کہہ کر جب وہ جانے لگی تو...... میں نے اس سے کہا۔

''اوشا...... ہو سکے تو...... دل مراد کو معاف کر دینا...... اور ہاں...... مجھے پورا یقین ہے کہ...... تمہارے گھر والے تمہیں قبول کر لیں گے۔ ہو سکے تو...... دل مراد کے غریب ماں باپ کا بھلا کر دینا...... ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں......''

غمزدہ سی اوشا نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا اور پھر آگے تاریکی میں بڑھ گئی...... میں اسے تب تک جاتے دیکھتا رہا...... جب تک کہ وہ...... اپنے مکان کی چوکھٹ کے قریب نہ پہنچ گئی...... اس کے بعد میں واپس پرنام گڑھ کے ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑا۔

☆......☆......☆

پرنام گڑھ کے ریلوے سٹیشن کی عمارت...... خاصی پرانی اور بوسیدہ سی تھی۔ پلیٹ فارم بھی اکھڑا ہوا تھا۔ وہاں چہار سو ویرانی اور خاموشی کا راج تھا۔

آس پاس کوئی ذی نفس حتیٰ کہ...... عملے کا کوئی آدمی تک نظر نہ آتا تھا...... جس سے میں پوچھ سکتا کہ...... رتلام جانے والی...... دوسری ٹرین کس وقت آنے والی ہے......؟ بہر طور میں ایک سیمنٹ کی سالخوردہ سی بنچ پر بیٹھ گیا۔

رات دبے پاؤں سرک رہی تھی...... میں سکڑا سمٹا بیٹھا ہوا تھا...... ہر سو ہو کا عالم طاری تھا...... یہاں سے گزرتی ہوئی واحد فولادی پٹڑی...... چاند کی روشنی میں دور تک چمک رہی تھی...... مجھے نیند ستانے لگی اور پھر میں خود ہی یہ اندازہ کر کے وہیں بنچ پر ہی لیٹ گیا کہ...... ٹرین نے آنا ہوگا تو اب صبح ہی آئے گی...... بنچ پر لیٹ کر ذرا کمر سیدھی ہوئی تو...... مجھے یک گونہ آرام ملا اور میں گہری نیند میں ڈوب گیا۔

شور شرابے سے میری آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ پلیٹ فارم پر...... ٹرین کھڑی تھی...... وہ رتلام جانے والی تھی...... میں لپک کر اس میں سوار ہو گیا۔

ذرا دیر بعد...... ٹرین نے اداس سی وسل دی اور رینگنے لگی۔

شام گئے ٹرین رتلام کے پلیٹ فارم پر رکی...... میں اتر گیا۔

رتلام ریلوے سٹیشن کی عمارت نسبتاً بہتر تھی...... پلیٹ فارم بھی خاصا بڑا تھا۔ چہل پہل بھی خوب نظر آ رہی تھی...... پوچھنے پر پتہ چلا کہ...... بڑودہ تک ریلوے لائن کا رستہ سیلاب کی وجہ سے خراب ہو چکا ہے۔ البتہ مسافر بسیں جاتی ہیں۔ میں بھی ریلوے سٹیشن کی عمارت سے باہر نکلا۔

رتلام اچھا خاصا بڑا...... شہر تھا...... مگر بہر حال اس کا شمار ممبئی کے...... پسماندہ

شہروں میں ہوتا تھا۔

لاری اڈے تک جانے کیلئے میں...... ایک فورسیٹر پر بیٹھ گیا۔

اور پانچ روپے میں...... لاری اڈے پر اتر گیا۔

یہاں پوچھنے پر پتہ چلا کہ...... کوئی بھی لاری بڑودہ تک نہیں جا رہی ہے......

سیلاب نے ریلوے لائنوں کے علاوہ...... سڑک کے راستوں کو بھی متاثر کیا تھا۔

اب تو میں بڑا پریشان ہوا...... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں......؟ مقامی لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بڑودہ تک جانے والے راستے خاصی طویل مدت تک بند رہیں گے۔

"آخر...... کوئی تو نعم البدل راستہ ہوگا...... لوگ پھر کس طرح آتے جاتے ہوں گے......؟"

میرے اس سوال پر ایک نے بتایا کہ مجھے احمد آباد جانے والی لاری میں بیٹھ جانا چاہئے۔ وہاں سے بڑودہ قدرے قریب پڑے گا۔ ہوسکتا ہے وہاں سے بڑودہ تک جانے کیلئے کوئی سبیل پیدا ہو جائے۔

چنانچہ میں احمد آباد جانے والی...... بس میں سوار ہو گیا۔ بس مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔

بھارت اور پاکستان کا لیونگ سٹائل...... یہاں کا رہن سہن...... اور ٹرانسپورٹ وغیرہ سب ایک ہی سا تھا...... البتہ غربت یہاں زیادہ دیکھنے میں آتی۔

عصمت فروشی کے اڈے بھی تھے...... اور خفیہ پرائیویٹ طور پر بھی بعض گھروں میں...... یہ مکروہ کاروبار چل رہا تھا۔ بہرطور...... مجھے ان لغویات سے کیا لینا دینا تھا...... بس میں مجھے...... بڑی مشکلوں سے چند مسافروں کے بیچ پھنس کر جگہ ملی تھی۔...... یہ بس بھی سست رفتاری سے رواں دواں تھی۔

باہر رات گہری ہو چکی تھی...... مرطوب ہوائیں بھی زور پکڑنے لگی تھیں۔

مسافروں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ...... بس اگر اسی رفتار سے چلتی رہی تو...... رات کے تین بجے احمد آباد پہنچنا متوقع تھا۔

ابھی رات کا ایک بجا تھا...... مسافر بس سڑک پر درمیانی رفتار سے دوڑی چلی

جا رہی تھی۔ دونوں طرف گھنے جنگلوں کا سلسلہ تھا۔ اس کے بعد دائیں جانب چٹیل میدانی علاقہ شروع ہوا......

اچانک بس نے جھٹکے لینے شروع کر دیئے...... اور پھر اس کی رفتار کم ہونے لگی...... شاید کوئی خرابی واقع ہو گئی۔

بس رک چکی تھی...... بس ڈرائیور کے علاوہ ایک منشی اور کنڈیکٹر بھی تھا۔ وہ...... بس کے نیچے سیٹ بچھا کر خرابی درست کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تمام مسافر باہر اتر آئے اور پیشاب وغیرہ کرنے لگے۔

میں بھی نیچے اتر آیا...... کنڈیکٹر اور منشی بس کے نیچے خرابی درست کرنے میں مصروف تھے۔ ڈرائیور انہیں...... ٹول سپلائی کر رہا تھا...... پھر اس نے ایک جگہ کھڑے ہو کر سگریٹ سلگائی اور...... لمبے لمبے کش لینے لگا...... میں اس کے قریب پہنچا اور پوچھا۔

"بھائی صاحب! خرابی کتنی دیر میں درست ہو جائے گی......؟"

"ایک گھنٹہ تو لگ ہی جائے گا" وہ لاپرواہیانہ انداز میں اپنے بھونپو نما منہ سے دھواں اگلتے ہوئے بولا۔ اور ایک طرف ٹہلنے کے انداز میں آگے بڑھ گیا۔

میں نے وقت کا اندازہ لگایا اور سوچا کہ...... یہ میرے حق میں بہتر ہی ہے۔

گویا اب...... یہ بس پو پھٹنے تک ہی احمد آباد پہنچ پائے گی یوں مجھے کہیں رات گزارنے کا مسئلہ نہ ہوگا۔ نیند تو میں نے دن میں ہی پوری کر لی تھی۔

بہرطور...... ڈرائیور کے کہنے کے برعکس...... خرابی...... درست کرنے میں پورے دو گھنٹے صرف ہو گئے...... منشی اور کنڈیکٹر سامان سمیٹ کر بس کے نیچے سے نکلے...... تو ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھالی...... اور دو تین بار ہارن بجایا تاکہ نیچے اترے ہوئے مسافر بس میں سوار ہو جائیں۔

بس روانہ ہوئی...... اور ابھی ذرا ہی دور گئی تھی کہ...... گولیوں کی تڑتڑاہٹ ابھری...... ساتھ ہی ساعت میں دھماکے ہوئے...... مسافروں میں چیخ و پکار مچ گئی...... بس کے شیشے سمع خراش کرچیوں کی آواز سے بکھر گئے...... میں ایک طرف کو جھک گیا۔ ڈرائیور نے فوراً بریک لگا دیئے کہ کہیں الٹ ہی نہ جائے۔ کئی مسافروں نے خوف زدہ

ہو کر ”ڈاکو...... لٹیرے...... آ گئے......“ چلانا شروع کر دیا۔ چند ایک کے منہ سے میں نے...... ڈاکو دلیر سنگھ کا نام بھی سنا۔ بہرطور...... بس رکتے ہی کئی ڈھاٹے پوش مسلح ڈاکو گھوڑوں پر سوار تھے...... ہماری بس کو گھیرے میں لے لیا اور پھر سارے مسافروں کو نیچے اتار دیا۔

ان میں ایک لمبا تڑنگا...... چوڑی چھاتی والا...... ڈاکو بھی تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر ڈھاٹا نہیں باندھ رکھا تھا...... اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور وحشت خوں رنگ لیے ہوئے تھیں۔

سارے مسافروں کو گن پوائنٹ پر کھڑا کر کے...... انہوں نے ہمارا سب کچھ لوٹ لیا۔ میرے پاس جو تھوڑے بہت روپے تھے...... وہ ان خبیثوں نے لے لئے...... اچانک...... سرغنہ ڈاکو...... جو...... لوگوں کے کہنے کے مطابق...... دلیر سنگھ ہی تھا...... مجھے دیکھ کر بری طرح ٹھٹکا۔ پھر دوسرے ہی لمحے...... اس کی بڑی بڑی وحشی اور خوں رنگ لیے ہوئی آنکھوں میں...... ایک چمک ابھری...... اور وہ گھوڑے سے اتر کر...... بغور میرے چہرے کی طرف گھورتے ہوئے میری طرف بڑھا۔

”اوئے...... تو...... تو...... میرے بھائی کا قاتل...... واہ...... واہگرو واہ...... آج تو اپنے جانی دشمن کو سامنے دیکھ کر...... میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا......“ میں حیران پریشان اس کا منہ تکنے لگا۔ اس نے مجھے گریبان سے پکڑ لیا۔

”اب میں تجھے...... کتے کی موت ماروں گا...... مگر نہیں موت تو تیرے لئے بہت چھوٹی سزا ہو گی۔ میں تجھے اتنی اذیتیں دوں گا کہ...... تو مجھ سے رحم کی صورت موت کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے گا...... صرف موت......“ پھر وہ اپنے ساتھی ڈاکوؤں سے تحکمانہ بولا۔

”اس کتے کو لے چلو ڈیرے پر......“ میں داد فریاد کرتا رہ گیا...... مگر...... اس کے ساتھیوں نے مجھے دبوچ کر ایک گھوڑے پر بٹھا لیا اور پھر دور جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆......☆......☆

ان کا ڈیرا...... ایک جنگل میں تھا۔

یہ ان کی خفیہ کمین گاہ تھی۔ جنگل کے آس پاس سربفلک پہاڑیاں تھیں۔

مجھے...... ایک جھونپڑے میں لا کر پٹخا گیا...... یہاں...... گیس کے ہنڈولے روشن تھے۔

پھر...... ڈاکو دلیر سنگھ اپنی خوفناک نظروں سے مجھے گھورتا ہوا بولا۔

”بول کتے...... میں تیرا کیا حشر کروں اب...... تو نے میرے سوہنے بھائی جابر سنگھ کو قتل کرنے کی جرأت کیسے کی تھی؟“

یہ کہہ کر اس نے جوشِ غیظ سے مغلوب ہو کر...... میری تھوڑی پر زوردار مکا رسید کر دیا...... میں کئی قدم لڑکھڑاتا ہوا دور جا پڑا...... میرا نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا...... میں اپنے ہی لہو کا مزہ چکھنے پر مجبور ہو گیا۔

مجھے غصہ تو بہت آیا تھا...... مگر...... اس سے کہیں زیادہ میں پریشان اور حیران تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی تھی کہ...... اس بدبخت ڈاکو دلیر سنگھ کو...... میری طرف سے شدید غلط فہمی ہوئی ہے...... اب میں بھی خاموش نہ رہ سکا اور ہمت کر کے اس سے بولا۔

”دلیر سنگھ...... میں وہ نہیں ہوں...... جو تم سمجھ رہے ہو...... میں نے تو آج تک نہ تمہارا نام سنا تھا...... نہ ہی تمہارے بھائی کو دیکھا بھی تھا...... تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”غلط فہمی...... اور وہ بھی...... ڈاکو دلیر سنگھ کو......“ وہ غرا کر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

”ڈاکو دلیر سنگھ نے آج تک اپنے...... دشمنوں کا چہرہ نہیں بھلایا۔ میرے بھائی سونار کے...... قتل میں جو لوگ بھی شریک ہیں...... میں ان سب کو چن چن کر موت کی نیند سلا چکا ہوں...... مگر...... تمہاری مجھے زیادہ تلاش تھی...... کیونکہ...... میرے بھائی سونار کے قتل کی اصل منصوبہ بندی تمہاری تھی۔“

اب تو میں اس کی بات پر مزید پریشان ہو گیا۔ میں اسے اپنی اصلیت بھی نہیں بتا سکتا تھا...... اور یہی میری سب سے بڑی کمزوری تھی۔

میں نے اپنے حواسوں کو یکجا کیا اور تیزی سے سوچنے لگا کہ...... آخر اس خونی لٹیرے کو کس طرح اس بات کا یقین دلاؤں کہ میں وہ نہیں ہوں جو یہ مجھے سمجھ رہا تھا......
تب اچانک میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا اور میں اس سے بولا۔

''دیکھو دلیر سنگھ...... مجھے اب اس بات کا پورا یقین ہونے لگا ہے کہ...... اتفاق سے میری صورت...... تمہارے بھائی سونار سنگھ کے قاتل سے ملتی جلتی ہوگی...... اس لئے تمہیں میری طرف سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے...... کیا تم مجھے اس کا نام بتاؤ گے......؟''

''رمیش کمار......'' وہ بولا۔

''کہاں رہتا ہے وہ...... اور کیا کرتا ہے......؟''

''وہ پولیس انسپکٹر ہے...... اور ادھر ہی...... انوپ گڑھ میں رہتا ہے۔'' اس نے بتایا۔

میں نے سکون کی سانس لی اور اس سے کہا۔

''بس تو مسئلہ حل ہوگیا...... تم انوپ گڑھ سے اس کا پتہ بآسانی چلا سکتے ہو...... پھر تمہیں خود ہی میری بات کا یقین ہو جائے گا...... کیوں کہ میں تو تمہاری قید میں ہوں......'' میں نے کہا تو ڈاکو دلیر سنگھ کی آنکھوں میں ایک لمحے کو...... الجھن سی تیر گئی...... مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ درشت لہجے میں مجھ سے بولا۔

''ٹھیک ہے...... میں یہ بھی کر لوں گا...... اگر تیری بات جھوٹ نکلی تو یاد رکھنا...... میں بہت برا حشر کروں گا تیرا......''

اس کے بعد اس نے اپنے دو ساتھیوں کو اسی وقت انوپ گڑھ روانہ کر دیا۔

بعد میں مجھے پتہ چلا کہ انسپکٹر رمیش کمار جو میرا ہم مشکل تھا۔ اس نے ڈاکو دلیر سنگھ کے گروہ کا قلع قمع کرنے کی...... قسم کھا رکھی ہے...... اور اس نے کئی بار...... اس کے گروہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ اس کے کئی قریبی ساتھیوں کو اس کے بھائی سونار سنگھ سمیت ہلاک کر ڈالا تھا۔ انسپکٹر رمیش کمار...... اپنے بیوی بچوں کے ساتھ انوپ گڑھ میں ہی رہتا تھا...... وہاں...... پولیس کا ہمہ وقت بڑا سخت پہرہ لگا رہتا تھا۔

میری بات پر کسی حد تک بھروسہ کرنے کی اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ...... انسپکٹر رمیش کمار...... کبھی بھی یوں بغیر سکیورٹی کے عام مسافر کی طرح کھٹارا بس میں سفر نہیں کر سکتا تھا۔

بہر طور...... ایک گھنٹے کے اندر اندر اس کے آدمیوں نے آ کر میری بات کی تصدیق کر دی...... اور اپنے سرغنہ ڈاکو دلیر سنگھ کو بتایا کہ...... انسپکٹر رمیش کمار اس وقت اپنی سرکاری رہائش گاہ میں موجود ہے...... اور وہاں حسب معمول پولیس کا سخت پہرہ بھی تھا......

میں نے بھی سکون کی سانس لی...... مگر...... ڈاکو دلیر سنگھ الجھن آمیز سوچ میں مستغرق ہوگیا...... میں نے اس سے جانے کی درخواست کی تو وہ درشتی سے بولا۔

''ہرگز نہیں...... تو نے ہمارا ٹھکانہ دیکھ لیا ہے...... تو ہمارے خلاف پولیس کیلئے جاسوسی بھی کر سکتا ہے لہٰذا اب تجھے زندہ چھوڑنا ہمارے لئے خطرناک ہوگا...... تیری یہ بدقسمتی ہے کہ...... تیری شکل میرے بھائی کے قاتل سے ملتی ہے اور مجھے...... اپنے بھائی کے قاتل کی صورت سے اتنی نفرت ہے کہ اب میں تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ لہٰذا اب تو مرنے کیلئے تیار ہو جا......'' یہ کہہ کر اس کمینے سفاک خونی نے اپنی رائفل کی نال کا رخ میرے سینے کی طرف کر دیا۔

میرے پورے وجود میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ جھونپڑے میں اس وقت ڈاکو دلیر سنگھ کے علاوہ اس کے صرف چار ساتھی کھڑے تھے...... اب ہاتھ پیر چلانے کا وقت آ گیا تھا...... کیوں کہ...... میں ایک خونی لٹیرے کے ہاتھوں یوں بے موت مرنا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا جیسے ہی اس نے...... مجھ پر اپنی رائفل تانی میں نے چھلاوے کی طرح فضا میں ایک جست بھری۔ اس وقت...... ڈاکو دلیر سنگھ کی رائفل گرجی...... مگر میں اس کے فائرنگ پوائنٹ سے نکل چکا تھا اور سیدھا بجلی کی طرح اس کے سر پر ٹوٹا......

وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ...... میں نے اس کے ہاتھوں سے رائفل اچک لی...... اور زمین پر پاؤں ٹکتے ہی میں نے اس کے چاروں ساتھیوں کی طرف رائفل کا رخ کر کے لبلبی دبا دی...... میری رائفل زور سے گرجی اور وہ چاروں ڈاکو دلخراش چیخیں

مار کر زمین بوس ہوتے چلے گئے...... ڈاکو دلیر سنگھ کو میں ابھی صرف گن پوائنٹ پر رکھنا چاہتا تھا۔

اس کے چہرے پر پہلے تو حیرت کی پرچھائیاں نمودار ہوئی تھیں۔ شاید اسے مجھ سے اتنی پھرتی اور بہادری کی توقع نہ تھی...... مگر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے غیظ وغضب کی چنگاریاں پھوٹ پڑیں۔

میں نے اس کے غصے کی پروا کیے بغیر...... اس کی کنپٹی سے نال چپکا دی...... اور غرا کر بولا۔

''خبردار...... دلیر سنگھ! کسی قسم کی بھی دلیری دیکھانے کی کوشش کی تو...... تیرا بھیجا اڑا دوں گا۔''

اسی اثنا میں گولیوں کی آوازیں سن کر اس کے دوسرے ڈاکو ساتھی بھی اندر آ گئے۔

''خبردار! کوئی غلط حرکت مت کرنا...... ورنہ تمہارے سردار کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ اپنے ہتھیار پھینک دو......'' میں نے انہیں گھورتے ہوئے خوفناک غراہٹ سے کہا۔

وہ کبھی اپنے سردار کو دیکھتے تو کبھی مجھے...... مگر انہوں نے اب تک میرے حکم کی تعمیل نہ کی تھی...... میں نے...... ڈاکو دلیر سنگھ سے درشت لہجے میں کہا۔

''دلیر سنگھ...... میں نے تو سر سے کفن باندھا ہوا ہی ہے...... اپنے ساتھیوں کو حکم دو کہ ہتھیار پھینک دیں...... میں یہاں سے خاموشی کے ساتھ چلا جاؤں گا۔''

چونکہ دلیر سنگھ پر میرے خوں رنگ لہجے کی ہیبت سوار ہوگئی تھی اور پھر اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد میں ڈاکو دلیر سنگھ کو گن پوائنٹ پر جھونپڑے سے باہر لے آیا پھر نہایت ہوشیاری کے ساتھ ڈاکو دلیر سنگھ کو گن پوائنٹ پر لیے...... اس طرف بڑھا...... جدھر بہت سارے گھوڑے بندھے ہوئے تھے...... میں نے ڈاکو دلیر سنگھ کو گھوڑے پر سوار ہونے کا حکم دیا...... اور اس کے سوار ہوتے ہی...... خود بھی اس کے پیچھے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا...... گھوڑے کی لگامیں...... ڈاکو دلیر سنگھ نے تھامی ہوئی تھیں...... اس

کے بعد میرے اگلے حکم کے مطابق ڈاکو دلیر سنگھ نے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی۔ ہم نامعلوم منزل کی سمت روانہ ہو گئے۔

کافی دور نکل آنے کے بعد...... اچانک ایک موقع پر ڈاکو دلیر سنگھ نے نجانے کیا حرکت کی کہ...... گھوڑا...... دوڑتے دوڑتے رکا اور پھر زور سے ہنہناتے ہوئے...... الٹ ہو گیا۔

میں اس کی چالاکی نہ سمجھ سکا اور میرا توازن بگڑ گیا...... میں رائفل سمیت نیچے آ رہا۔ میرے گرتے ہی...... دلیر سنگھ نے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی...... اور تاریکی میں گم ہو گیا۔

میرے لئے یہی بہت تھا کہ...... میری ان خون آشام لٹیروں سے جان چھوٹ گئی ہے۔ میں اب ویران اور سنسان جنگل میں تنہا کھڑا تھا۔

رائفل میرے پاس تھی...... ڈاکوؤں کے دوبارہ پلٹنے کے ڈر سے میں ایک بل کھاتے ہوئے کچے راستے پر ہو گیا۔

آگے...... آبادی نظر آ رہی تھی...... یہ انوپ گڑھ تھا۔

ایک چوکیدار کی مجھ پر نگاہ پڑی...... اور پھر وہ یک دم مؤدب ہو کر حیرت سے بولا۔

''ر...... ر...... میش صاحب...... آپ...... تو......''

میں پہلے تو چونکا...... پھر میں سمجھ گیا کہ...... وہ بھی مجھے علاقے کا تھانیدار...... رمیش ہی سمجھ رہا تھا۔ میں نے بھی یہی بہتر جانا کہ اس پر یہی ظاہر کروں کہ...... میں ہی انسپکٹر رمیش ہوں۔

گویا...... انسپکٹر رمیش...... اس علاقے میں خاصا مشہور تھا۔

''صاحب جی آپ ضرور...... اس مورکھ ڈاکو...... دلیر سنگھ کے ہی پیچھے گئے ہوں گے......؟ مگر آپ کے پولیس اہلکار نظر نہیں آ رہے......؟''

اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔ اس کے اندازِ گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ...... ڈاکو دلیر سنگھ نے یہاں اچھی خاصی دہشت پھیلا رکھی تھی۔

"بابا...... میں نے ڈاکو دلیر سنگھ کی خفیہ کمین گاہ کا پتہ چلا لیا ہے......تم ایک کام کرو گے......؟" میں نے کسی خیال کے تحت اس سے کہا۔ تو وہ فوراً عاجزی سے بولا۔

"ہاں...... ہاں......تھانے دار صاحب...... حکم کرو......"

"دیکھو...... اس وقت جوش اور پریشانی میں...... میرا دماغ کام نہیں کر رہا...... میں نے تھوڑی سی چڑھا بھی رکھی ہے......تم مجھے میری سرکاری رہائش تک لے جا سکتے ہو......" میری بات پر وہ پہلے تو حیران ہوا......مگر پھر اپنا سر دھنتے ہوئے بولا۔

"ہاں...... ہاں...... صاحب......آؤ میرے ساتھ۔"

میں اس کے ساتھ چل پڑا...... دور کہیں...... آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

انسپکٹر رمیش کمار کی سرکاری رہائش گاہ وہاں سے زیادہ دور نہ تھی۔ تھانے کی باؤنڈری وال اچھی خاصی بڑی تھی...... اس کے اندر ہی یعنی تھانے کی عمارت کے عقب میں......انسپکٹر رمیش کمار کی سرکاری رہائش گاہ تھی۔

وہاں پولیس کا سخت پہرہ تھا...... میں نے چوکیدار کو واپس جانے دیا۔

اس کے بعد...... جیسے ہی تھانے کی عمارت کے اندر داخل ہوا تو...... مجھ پر بیک وقت روشنیوں کا سیلاب امڈ پڑا......مگر دوسرے ہی لمحے کھٹا کھٹ سلوٹ جھاڑنے کی آوازیں بھی ابھریں......روشنیوں کے ہالے ہٹ گئے......

وہ سارے انڈین پولیس اہلکار تھے اور مجھے...... انسپکٹر رمیش کمار ہی سمجھ رہے تھے...... میں نے بھی سردست...... یہی مناسب جانا کہ اپنی اصلیت ان کے سامنے آشکارا نہ ہونے دوں......

"سر...... آپ اس وقت کہاں گئے ہوئے تھے......؟ اور وہ بھی اکیلے...... ہمیں پتہ بھی نہ چلا......؟"

ایک اہلکار نے حیرت سے، مگر باادب پوچھا۔

"ہاں...... میں......ایک اہم مشن پر گیا تھا اور میرا خاموشی سے نکلنا ہی زیادہ بہتر تھا۔" میں نے جواباً گمبھیر آواز میں کہا۔

"سر......اگر بھگوان نہ کرے......وہ کمینہ ظالم دلیر سنگھ......"

"بس...... رہنے دو اب اس بات کو...... میں اس کی خفیہ کمین گاہ کا پتہ چلا آیا ہوں......" میں نے اس کی بات کاٹ کر متانت آمیز جوش سے کہا اور وہ محض سر ہلا کر رہ گیا۔

اس کے بعد میں...... رہائش کے مین گیٹ سے ہوتا ہوا اندر داخل ہوا...... پھر مرکزی دروازے پر لگی کال بیل پر انگلی رکھ دی۔

میں نے انسپکٹر رمیش سے ملنے کا ارادہ کر رکھا تھا تاکہ...... اسے جلد از جلد...... ڈاکو دلیر سنگھ کی خفیہ کمین گاہ کے بارے میں آگاہ کرسکوں۔

ذرا دیر بعد دروازہ کھلا اور سامنے ایک جوان عورت کو دیکھ کر میں چونک سا گیا۔

میرے چونکنے کی وجہ...... اس کا خوبصورت مگر...... آنسوؤں سے لبریز چہرہ تھا...... اس کی عمر...... تیس پینتیس سے زیادہ نہ تھی۔ رنگت صاف تھی...... اور چہرہ کتابی تھا...... ماتھے پر تلک تھا...... اس کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے خوب روئی ہے...... بلکہ اس وقت بھی اس کا شہابی چہرہ آنسوؤں سے لبریز تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ جیسے اپنا غم بھول کر بری طرح چونکی...... پھر اس کی بڑی بڑی جھیل ایسی سرگیں آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''اس وقت زحمت دینے کی معافی چاہتا ہوں......'' میں اس کی حیرت کی وجہ سمجھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

''مجھے انسپکٹر...... رمیش سے ملنا ہے...... انہیں ایک بہت اہم اور خفیہ نوعیت کی اطلاع دینا ہے......''

''اندر آجائیں......'' اس کے لب کپکپائے اور وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی تھی پھر مجھے اندر آنے کا رستہ دیا...... اور میں غڑاپ سے چوکھٹ عبور کرکے اندر آگیا۔

''آ...... آ...... پ کا نام......؟'' میرے اندر داخل ہوتے ہی اس نے لکنت زدہ لہجے میں پوچھا...... اور پھر میں نے اسے اپنا...... غلط نام بتایا...... یعنی اشوک کمار اور وہ مجھے اندر ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

''مم...... مم...... مجھے یقین نہیں آ رہا...... کہ آپ...... کی صورت میرے...... پتی...... رمیش سے بہت......'' وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ...... جانے کس بات پر اس کا جی بھر آیا...... اور وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی...... میں پریشان سا ہو گیا۔

اور اس سے رونے کی وجہ پوچھی...... تو اس نے پلو سے اپنے آنسو پونچھتے

ہوئے مجھے اپنے ساتھ آنے کو کہا...... اور اٹھ کر ایک کمرے کی طرف بڑھی...... طوعاً و کرہاً...... میں بھی حیران و پریشان سا اٹھ کر اس کے...... عقب میں ہولیا۔

وہ مجھے اپنے بیڈ روم میں لے آئی...... سامنے...... بڑے سے آرام دہ بیڈ پر ایک شخص لیٹا ہوا تھا...... میں اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا...... حیرت انگیز طور پر اس کی شکل وصورت مجھ سے ملتی تھی۔ ایک ذرا رتی برابر کا بھی فرق نہ تھا حتیٰ کہ قد کاٹھ میں بھی زیادہ فرق نہ تھا۔

میں سمجھ گیا تھا کہ یہی انسپکٹر رمیش کمار ہے۔ اور یہ عورت اس کی بیوی...... مگر...... میری یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ...... یہ عورت رو کیوں رہی ہے......؟ اور مجھے یہاں اپنی خواب گاہ میں کیوں لائی ہے......؟''

''یہ میرا پتی...... انسپکٹر رمیش کمار ہے۔'' عورت نے بالآخر لرزیدہ ہونٹوں سے کہا۔

''مگر...... یہ دل کا مریض تھا...... انہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی دل کا دورہ پڑا تھا...... اور...... اور...... ان کا دیہانت ہو گیا......'' اس نے بہ مشکل اپنے رقت بھرے لہجے پر قابو پاتے ہوئے بتایا...... میں بری طرح چونک پڑا......

میں نے فوراً آگے بڑھ کر...... انسپکٹر رمیش کی لاش کا بغور معائنہ کیا...... اس کی نبض اور سینے کی دھڑکن خاموش تھی۔ آنکھوں کی پتلیاں بھی پھیل چکی تھیں۔

وہ واقعی مر چکا تھا...... دل کا دورہ اس کے لیے...... موت کا پیغام ثابت ہوا تھا...... میں اب پریشان اور متفکر سا ہو گیا تھا۔

''مجھے بہت دکھ ہوا...... شاید تقدیر کو یہی منظور تھا۔'' میں نے کلمہ افسوس ادا کیا۔

''ہاں...... یہ میرے لئے ہی نہیں...... بلکہ میرے دو چھوٹے بچوں کے علاوہ...... اس پورے گاؤں...... انوپ گڑھ کیلئے بھی ایک سانحہ ہے...... بلکہ ناقابل تلافی نقصان ہے......'' وہ بولی۔

''ہاں...... آپ درست کہہ رہی ہیں۔'' میں نے ہولے سے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے...... آپ کے پتی ایک بہادر انسان تھے...... وہ خاص طور پر ڈاکو دلیر سنگھ کی سرکوبی کیلئے ہی اس علاقے میں ٹرانسفر کروا کے آئے تھے......"

"ہاں...... وہ اپنے آدرش کے پکے تھے......" وہ غم زدہ لہجے میں بولی۔

"سرکار نے جیسے ہی ڈاکو دلیر سنگھ کی بڑھتی ہوئی خونیں وارداتوں کے بارے سنا تو ان کا تبادلہ یہاں کر دیا تھا...... حالانکہ ان سے پہلے...... متعدد پولیس افسروں نے نہ صرف اپنا تبادلہ کینسل کروا لیا بلکہ...... کچھ افسر ڈاکو دلیر سنگھ کے گروہ کے ہاتھوں مارے بھی گئے...... میرے بہادر پتی کو جیسے ہی یہ اہم ذمہ داری سونپی گئی...... انہوں نے بلاچون وچرا حکم کی تعمیل کر ڈالی۔

ڈاکو دلیر سنگھ نے اس سے پہلے...... انوپ گڑھ ہی نہیں...... بلکہ آس پاس کے علاقہ میں بھی...... لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا...... مگر میرے بہادر پتی نے یہاں کا چارج سنبھالتے ہی...... ڈاکو دلیر سنگھ کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا تھا...... جس سے اس کی خونیں وارداتوں میں کمی آ گئی...... اور گاؤں والوں نے بھی سکھ کا سانس لیا تھا...... مگر...... میرے بہادر پتی...... نے...... ڈاکو دلیر سنگھ کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا...... لیکن...... اب...... ڈاکو دلیر سنگھ کی خونیں سرگرمیوں کا آغاز دوبارہ ہو جائے گا...... انوپ گڑھ...... پر ظلم و جبر کے دوبارہ سیاہ ابر چھا جائیں گے......" وہ اتنا کہہ کر رو دی...... میں گم صم کھڑا رہ گیا۔

وہ پھر رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میرے دونوں بچے...... اپنے پتا سے بہت محبت کرتے ہیں...... ان بے چاروں کو تو ابھی تک اپنے یتیم ہونے کا بھی...... پتہ نہیں ہے...... مجھے تو اب یہ سوچ سوچ کر ہول آ رہا ہے...... کہ...... وجے...... اور پنکی...... کو جب اس کا علم ہو گا تو...... ان معصوموں پر کیا بیتے گی......"

یہ کہہ کر...... وہ...... گھٹی گھٹی آواز سے رونے لگی...... پھر شدید غم کے باعث اسے چکر آ گیا وہ گرنے لگی تو میں نے اسے تھام لیا...... اور خواب گاہ سے نکال کر...... دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گیا...... اور اسے ایک صوفے پر آہستگی سے بٹھا دیا پھر قریب دھری...... پورٹیبل پر رکھے پانی سے بھرے جگ کو کانچ کے گلاس میں الٹا اور......

اسے...... رمیش کی بیوی کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ چند گھونٹ بھرنے کے بعد اس کی حالت قدرے سنبھلی...... میں سامنے کے صوفے پر براجمان ہو گیا اور گہری پر سوچ خاموشی میں مستغرق ہو گیا۔

اچانک وہ عورت مجھے مخاطب کر کے بولی۔

"اشوک صاحب! میں اپنے بہادر پتی کے مشن کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتی...... اگر آپ اس آڑے اور نازک وقت میں میرا ساتھ دیں تو...... نہ صرف اس سے دوسرے غریب لوگوں کا بھلا ہو گا...... بلکہ...... میرے دونوں معصوم بچوں کو بھی سہارا مل جائے گا...... ورنہ وہ دونوں ٹوٹ کر رہ جائیں گے......"

میں اس کی بات پر چونک کر اس کا چہرہ تکنے لگا...... اس کی نمناک آنکھوں میں ایک معصوم سی التجا تھی۔

"پلیز...... اشوک صاحب!...... آ...... آپ...... میرے آنجہانی پتی کا روپ دھار لیں آ...... آپ...... میری اور گاؤں والوں کی مدد کریں...... آپ ضرور میرے بہادر پتی کے ایک اچھے دوست ہوں گے...... ضرور انہی کی طرح...... بہادر بھی...... آپ...... انسپکٹر...... رمیش کمار بن جائیں...... بے شک عارضی طور پر ہی سہی جب تک...... وہ ظالم اور خونی ڈاکو دلیر سنگھ کا خاتمہ نہ ہو جائے...... تب تک میں بھی اپنے دونوں بچوں...... وکی اور پنکی کو ذہنی طور پر...... آمادہ کر لوں گی...... کہ وہ...... یتیم ہو گئے ہیں۔" عورت یہ کہہ کر پھر مارے رقت کے رو پڑی۔

میں اس کی بات سن کر دم بخود رہ گیا...... اور سوچنے لگا کہ...... کیا میں...... انسپکٹر رمیش کمار کا کردار نبھا پاؤں گا......؟ کیا اس طرح...... میں اپنے مشن کی بھی تکمیل جاری رکھ سکوں گا......؟ مگر جانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ...... میں عین اس وقت یہاں آ پہنچا تھا...... ممکن ہے...... اس خونی ڈاکو دلیر سنگھ کی موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہو...... جس نے بے گناہ اور معصوم لوگوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا...... پھر اس بدنصیب عورت کے چھوٹے معصوم بچے بھی تھے...... جو...... یقیناً اپنے باپ سے بہت محبت کرتے ہوں گے...... اور اس کے کاندھوں پر کھیلتے ہوں گے...... کیا برا تھا اگر میں...... عارضی طور پر ہی سہی...... انسانی بھلائی کی خاطر یہ قدم اٹھا لیتا...... مگر اس

میں...... عورت کی طرف سے بھی کچھ پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی تھیں یا نہیں بھی...... بہر طور...... میں نے تقریباً رضامندی والے انداز و لہجے میں اس سے کہا۔

''کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں......؟''

''میرا نام کملا ہے......'' اس نے ہولے اور پرامید لہجے میں نام بتایا۔

''دیکھئے...... کملا صاحبہ! میں صرف...... اس خونی ڈاکو دلیر سنگھ کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلئے...... آپ کی بات ماننے کو تیار ہوں...... اور رہی بات آپ کے دونوں بچوں کی...... میں کوشش کروں گا کہ عارضی طور پر ہی سہی...... میں ان سے مانوس ہو سکوں...... لیکن...... اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ...... آپ کے آنجہانی پتی رمیش کمار کی لاش کا کیا کیا جائے......؟ ان کے دیہانت ہونے کی بات راز میں کیسے رکھی جائے' میری بات پر پہلی بار اس کے غمناک چہرے پر خوشی کی رمق ابھری...... وہ بلاشبہ بڑے حوصلے والی عورت تھی۔

بہر طور...... وہ...... بولی۔

''اشوک صاحب! آپ اس کی چنتا نہ کریں...... میرا بھائی نریندر...... سب سنبھال لے گا...... میں اسے اعتماد میں لے کر ساری بات سمجھا دوں گی...... بعض اوقات انسان کی بھلائی کی خاطر کچھ کڑوے فیصلے بھی کرنا پڑتے ہیں...... مجھے اپنے آنجہانی پتی کا مجبوراً اس طرح بھی کریا کرم کرنا پڑے گا...... بس آپ انسپکٹر رمیش کمار کا روپ دھار لیں...... اور سارے معاملات سنبھال لیں...... میں آپ کو اپنے پتی کے انداز و اطوار وغیرہ کے بارے میں رہنمائی کیے دیتی ہوں......''

☆......☆......☆

قصہ کوتاہ...... کملا نے اپنے بھائی نریندر لال کے ساتھ نہایت راز داری برتتے ہوئے سارے معاملات خوش اسلوبی سے نمٹا لیے تھے اس نے اس وقت فون کر کے شہر سے...... اپنے بھائی نریندر لال کو بلوا لیا تھا۔

وہ لاش کا راز داری سے کریا کرم کرنے کیلئے...... انسپکٹر رمیش کمار کی لاش لے گیا تھا۔ اس کے بعد کملا نے مجھے اپنے آنجہانی پتی...... انسپکٹر رمیش کمار کے انداز و اطوار...... اور طریقہ تخاطب و انداز گفتگو کے بارے میں سمجھا دیا تھا۔

اس کے دونوں بچے...... وجے اور پنکی...... بہت پیارے تھے اور مجھے ان معصوموں پر بھی ترس آنے لگا تھا۔ جو بے چارے اتنی سی عمر میں یتیم ہو چکے تھے...... وجے کی عمر...... صرف چھ سات سال کے قریب ہی رہی ہو گی...... اور اس کی بہن پنکی صرف ایک ڈیڑھ سال ہی اس سے چھوٹی تھی۔

وہ دونوں معصوم مجھے ہی اپنا باپ سمجھے ہوئے تھے...... ان کی مجھ سے محبت اور انسیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ...... وہ اپنے مرحوم باپ سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ مجھے پپا پپا کہتے نہیں تھکتے تھے۔

ناشتے کی ٹیبل پر جب مجھے پپا کہہ کر مخاطب کرتے تو بے اختیار...... ان کی بدنصیب ماں کملا کی آنکھیں غم نہاں سے بھیگ جاتیں اور وہ بے چاری اپنا آنسوؤں بھرا چہرہ چھپا کے اٹھ کر چلی جاتی۔

بہر طور...... میں انسپکٹر رمیش کمار کی وردی میں...... سیدھا تھانے پہنچا...... اور پولیس کی بھاری کھیپ لے کر...... خونی ڈاکو دلیر سنگھ کی کمین گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ڈاکو دلیر سنگھ کی جب میں نے بھی بربریت کی داستانیں سنیں تو...... خود میرے اندر بھی اس موذی کو نابود کرنے کا جذبہ از خود بیدار ہونے لگا۔

ہم نے...... ڈاکو دلیر سنگھ کی خفیہ کمین گاہ پر ریڈ کیا...... مگر...... وہ اس سے پہلے ہی اپنے گروہ سمیت مفرور ہو چکا تھا۔ میں اس کی وجہ جانتا تھا...... مگر میں اب پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔ میں نے ڈاکو دلیر سنگھ کے پیچھے مخبر لگا رکھے تھے...... انسپکٹر رمیش کمار کے بہروپ میں مجھے چند دن ہی ہوئے تھے مگر اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ...... میں اپنے اصل مشن سے ہٹ گیا تھا۔

انسپکٹر رمیشن کمار کا بہروپ...... بھرنے کا مجھے اور فائدہ بھی تھا...... وہ یہ کہ مجھے اس طرح تحفظ مل گیا تھا...... اور میں اب باآسانی اپنے اصل مشن کی بھی تکمیل کر سکتا تھا...... لیکن اس سے پہلے میں ڈاکو دلیر سنگھ کا قصہ نمٹانا چاہتا تھا۔

ایک روز...... مجھے اطلاع ملی کہ ڈاکو دلیر سنگھ کے گروہ نے انوپ گڑھ سے تقریباً پندرہ میل دور ایک گاؤں میں حملہ کر کے کئی بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ

اتار دیا تھا اور لوٹ مار بھی کی تھی۔

میں نے اسی وقت پولیس فورس لی...... اور...... مذکورہ گاؤں کی طرف آندھی طوفان کی طرح روانہ ہوگیا...... وہاں پہنچنے پر لوگوں نے مجھے ڈاکو دلیر سنگھ کے فرار ہونے والے راستے سے آگاہ کیا...... میں پولیس فورس سمیت مذکورہ سمت روانہ ہوگیا۔ جلد ہی ہم نے ایک چھدرے جنگل میں اس گروہ کو جالیا اور بڑا گھمسان کا رن پڑا...... جوں ہی دلیر سنگھ کا گروہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہونے لگا تو میں ڈاکو دلیر سنگھ کو چھاپنے کیلئے اس کے تعاقب میں...... روانہ ہوا۔ میرے پاس انڈین سرکاری جیپ تھی۔ میرے ساتھ...... چار عدد خاکی وردی میں پولیس کے آدمی بھی تھے۔

میں نے دلیر سنگھ کی تلاش میں...... جنگل کا کونا کونا چھان مارا...... مگر...... وہ چھلاوہ فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا۔

بہرطور...... مجھے اس آپریشن میں...... اس قدر تو کامیابی ہوئی تھی کہ...... اس کے گروہ کے آدھے سے زیادہ ساتھیوں کو جہنم واصل کردیا گیا تھا اور باقی جو زخمی یا زندہ بچے تھے انہیں گرفتار کرلیا گیا تھا۔

گاؤں کے معصوم لوگ میری اتنی کامیابی پر بھی بہت خوش ہوئے تھے...... کملا بھی خوش تھی کہ...... بے شک ڈاکو دلیر سنگھ ابھی پکڑا تو نہیں گیا تھا مگر گروہ کا شیرازہ ضرور بکھر چکا تھا۔

”مجھے آج اپنے اس فیصلے پر خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے آپ کا انتخاب غلط نہیں کیا تھا۔“

ایک روز...... شام کی چائے پینے کے دوران کملا نے خوش ہوکر مجھ سے کہا۔

”میں کوشش کیا کرتا تھا کہ...... اس سے کم سے کم باتیں کروں...... اس لئے میں نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا...... تاہم...... مختصراً بولا۔

میں بہت جلد...... ڈاکو دلیر سنگھ کا بھی خاتمہ کرکے ہی رہوں گا۔“

چائے پینے کے بعد میں...... خود کو وجے اور پنکی میں مشغول کرلیا کرتا تھا۔

اس دوران میں ایک بات محسوس کرنے لگا تھا کہ...... کملا...... مجھے کبھی کبھی...... بہت

گہری اور سوچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی۔

اگر ایک عورت، مرد کی نگاہوں کا مفہوم فوراً جان لینے کی صلاحیت رکھتی ہے تو مرد بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے...... کہ بسا اوقات وہ ایک جوان عورت کی مخصوص حالات میں گہری سوچتی نگاہوں کا مطلب جان سکے۔

وہ مجھے اشوک نامی ہندو ہی سمجھے ہوئے تھی جبکہ میں مسلمان تھا...... اگر اس کے دل میں کوئی چور تھا تو یہ...... اس کی بھول تھی...... میں نے بہرحال اپنا دامن بچائے رکھا تھا۔ قصور کملا کا بھی نہ تھا۔ میں اس پر بدکار عورت کا الزام نہیں لگا رہا...... وہ یقیناً میرے چہرے میں اپنے آنجہانی شوہر رمیش کمار کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس پر مستزاد میری صورت بھی رمیش سے حیرت انگیز طور پر مماثلت رکھتی تھی...... اگر وہ میرے بارے ایسے چور خیالات اپنے دل میں رکھتی تھی تو وہ ایک فطری امر تھا۔ اس میں اسے برا سمجھنے کی کوئی بات نہ تھی...... ہم دونوں کے مذہب جدا تھے اور سب سے اہم بات یہ کہ میں اپنے وطن کی بقا کی خاطر یہاں ایک خاص مشن پر آیا تھا...... یہی سبب تھا کہ میں کملا سے کترانے کی کوشش کیا کرتا تھا...... البتہ دکھاوے کی خاطر مجھے مجبوراً اس کے ساتھ ساتھ رہنا پڑتا تھا......

میرا خیال تھا کہ میری بے رخی اور بے اعتنائی سے کملا مایوس ہوکر بالآخر میرا خیال اپنے دل سے نکال دے گی...... لیکن ایسا نہ تھا۔ اس کے اندر...... مزید سرکشی اتر آئی۔ ایک روز تو حد ہی ہوگئی۔ میں بچوں کے ساتھ سویا کرتا تھا۔ جب وہ سوجاتے تھے تو...... میں اپنے کمرے میں آجاتا تھا جہاں میں تنہا سوتا تھا۔ اس وقت بھی جب وجے اور...... پنکی سوگئے تو...... میں اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر دراز ہوگیا۔

میں اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے کملا کھڑی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات عجیب وغریب سے ہو رہے تھے۔ اگر میں اسے اندر آنے کیلئے راستہ دیتا اور...... کئی قدم پیچھے نہ ہٹ جاتا تو...... وہ کسی اندرونی چور جذبے سے مغلوب ہوکر مجھ سے لپٹ جاتی...... کیوں کہ...... اس کے اندر داخل ہونے کا انداز ہی ایسا تھا۔

"تم...... تم...... مجھ سے دور کیوں بھاگتے ہو...... بتاؤ مجھے۔" وہ عجیب ہیجان خیز لہجے میں بولی۔ "تم...... تم...... میرے پتی کا دوسرا جنم ہو...... میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم ہی میرے پتی رمیش ہو......" اس پر عجیب سی کیفیت سوار تھی۔ آنکھوں میں ڈوبنے کا سا منظر پیدا ہو رہا تھا۔ مجھے اس سے اب اخلاقی طور پر خوف محسوس ہو رہا تھا...... پھر وہ بے اختیار آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں بری طرح بوکھلا گیا۔ وہ مجھے چومنے لگی...... میں نے اسے پرے دھکیل دیا تو وہ پھر بھی باز نہ آئی اور دوبارہ میری طرف لپکی۔ میں نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا...... وہ بے اختیار روتی ہوئی میرے کمرے سے نکل گئی۔

میرا خیال تھا کہ اگلے دن وہ مجھ سے اپنے پاگل پنے پر معافی مانگے گی......

مگر ایسا نہ ہوا...... جب دونوں بچے سکول چلے گئے تو...... وہ میرے گلے کا ہار بنتے ہوئے اٹھلا کر بولی۔

"تم کتنی ہی بے اعتنائی برتو مجھ سے...... مجھے پورا یقین ہے کہ میری محبت تمہیں میری طرف متوجہ کرنے پر مجبور کر ہی ڈالے گی۔"

اب تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ مجھے گہری تشویش نے آن لیا تھا۔

میں نے اب سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کرنا شروع کر دیا کہ...... میں اسے اپنے بارے میں کم از کم اپنی حقیقت تو بتا ہی دوں کہ...... میں ایک ہندو نہیں بلکہ مسلمان ہوں...... شاید اس طرح وہ میرا خیال اپنے دل سے نکال دے۔

بالآخر میں نے ایک دن تنگ آ کر اسے یہ حقیقت بتا دی کہ...... میں ایک مسلم گھرانے سے تعلق رکھنے والا مسلمان ہوں...... اسے پھر بھی یقین نہ آیا تو میں نے اسے سنانے کیلئے...... زیر لب کلمہ پڑھ ڈالا۔ تب میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے...... وہ ایکا ایکی سناٹے میں آ گئی...... پھر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے کے تاثرات...... نفرت آمیزی میں بدل گئے...... اس کی سرمگیں آنکھوں میں جہاں کبھی میرے لئے محبت کے سمندر ٹھاٹھیں مارتے تھے ایکا ایکی نفرت کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں...... میں اس کی بدلتی کیفیات پر دنگ رہ گیا......

"اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ...... فوراً...... چھی چھی...... اپنا شریر بھی رگڑ رگڑ کر دھونا پڑے گا...... جاؤ دفع ہو جاؤ۔"

وہ حلق کے بل چلائی...... میں اس کا یہ کمینہ پن دیکھ کر غصے سے سرخ ہو گیا مگر عافیت اسی میں جانی کہ...... یہاں سے چپ چپاتے نکل جاؤں...... اور میں نے ایسا ہی کیا۔

وقت سہ پہر میں...... سرکاری بنگلے سے نکلا اور خاموشی سے انوپ گڑھ کے لاری اڈے پر جا پہنچا۔

میرے پاس تھوڑے بہت روپے تھے جو کملا ہی کی عنایت کیے ہوئے تھے۔

میں لاری اڈے پر پہنچا...... اور احمد آباد جانے والی بس میں سوار ہو گیا۔

☆......☆......☆

میں نے سوچا کہ یہ شاید اچھا ہی ہوا تھا...... ورنہ...... آگے چل کر میں بہت سی الجھنوں کا شکار ہوسکتا تھا۔ بلکہ کچھ بعید نہ تھا کہ میں اپنے اہم مشن سے بھی دور ہو جاتا۔ اب میں نے پکا تہیہ کرلیا تھا کہ...... چاہے کچھ بھی ہو جائے' میں پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کروں گا۔

لاری نے مجھے پو پھٹے احمد آباد اتار دیا۔ یہاں ہندو مسلم یکساں آبادی تھی۔

مجھے بڑودہ جانا تھا۔ چوں کہ سیلاب کی وجہ سے تمام راستے خراب تھے اور احمد آباد ہی وہ واحد علاقہ تھا جو بڑودہ کے قریب تھا۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ...... راستہ ابھی تک خراب تھا...... البتہ ایک دوسرا نعم البدل راستہ تھا تو سہی...... مگر وہ بہت طویل اور دشوار گزار تھا...... ٹرین کا تو خیر راستہ بالکل ہی خراب تھا...... مگر...... دوسرے نعم البدل راستہ سے بھی صرف پرائیویٹ گاڑیاں یا ٹیکسیاں ہی جاتی تھیں۔

ٹیکسی والا بھی کوئی کوئی راضی ہو رہا تھا...... جو راضی تھا بھی تو وہ اتنے دام بتا رہا تھا کہ...... اس سے کہیں بہتر یہ ہوتا کہ واپس دہلی جا کر بائی ایئر چلا جاتا۔

مجھ پر شدید جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں......؟ بڑودہ پہنچنا میرا ضروری تھا...... میں نے ذرا پیدل چل کر...... وہ نعم البدل راستہ دیکھا تھا...... وہاں کئی پرائیویٹ گاڑیاں آ جا رہی تھیں...... جو ذرا پیسے والے تھے اور ٹیکسی کے بھاری بھرکم کرائے کے متحمل ہو سکتے تھے انہوں نے ٹیکسیاں کروا رکھی تھیں۔ احمد آباد سے بڑودہ ایک اندازے کے مطابق سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا...... پرائیویٹ گاڑیاں...... یا رینٹ (Rent) پر بڑودہ تک جانے والی ٹیکسیاں...... بڑودہ تک پہنچنے میں تین چار گھنٹے یا بقول لوگوں کے نعم البدل راستہ دشوار گزار ہونے کی وجہ

سے پانچ گھنٹے بھی لگ سکتے تھے۔

مگر اس وقت میرا سب سے اہم مسئلہ سواری تھا۔ ٹیکسی میں ہائر نہیں کر پا رہا تھا۔ پرائیویٹ گاڑی میرے پاس تھی نہیں...... تو پھر...... کیا کیا جائے۔

کیا...... ہاتھ پر ہاتھ دھرے...... راستہ صاف ہونے کا انتظار کیا جاتا......؟ جس میں دس دن بھی لگ سکتے تھے اور دس ہفتے بھی...... جبکہ میں دشمنوں کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر...... ان پر تابڑ توڑ حملے کرنا چاہتا تھا...... تاکہ وہ دوبارہ میرے وطن کے خلاف...... کسی دوسری ناپاک سازش کے تار و پود نہ بن سکیں۔

چنانچہ میں نے ہر صورت آج ہی کسی بھی طرح بڑودہ روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کرلیا...... اس کیلئے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔

احمد آباد سے بڑودہ جانے والے...... جس نعم البدل اور دشوار گزار راستے پر میں کھڑا تھا وہاں میں نے...... اکا دکا باربرداری کے ٹرک بھی جاتے ہوئے دیکھے تھے۔

اب میں نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ...... وہاں کہیں چھپ کر کھڑا ہو جاؤں...... جیسے ہی...... اب کوئی باربرداری کا ٹرک گزرے گا...... میں چھپ کر عقب سے اس میں سوار ہونے کی کوشش کروں...... یا پھر...... ایک اور طریقہ بھی میرے ذہن میں تھا...... جو زیادہ بہتر تھا...... وہ یہ تھا کہ...... میں کسی طرح ٹرک والے کو کم سے کم کرائے پر راضی کر کے...... اس میں جائز طریقے سے سفر کروں......؟ چنانچہ سب سے پہلے میں نے اس طریقے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔

پورے گھنٹے بھر بعد ایک بڑا سا ٹرک سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اتفاق سے اس میں صرف ڈرائیور ہی بیٹھا نظر آیا...... میں نے اسے روکنے کا اشارہ دیا۔ وہ پہلے ہی سست رفتار سے کھڑکھڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا...... میرے اشارہ دینے پر وہ رک گیا...... ڈرائیور نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر اکھڑی سی آواز میں کہا۔

''کیا بات ہے......؟ کیوں ٹرک رکوایا ہے......؟''

میں نے ملتجی لہجے میں کہا۔ ''لالہ جی...... میں نے...... بڑودہ جانا ہے...... وہاں میرا ایک عزیز رشتہ دار بہت بیمار ہے...... مگر میرے پاس بہت تھوڑے روپے ہیں اگر آپ مجھے وہاں تک پہنچا دیں...... تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔'' (لالہ جی وہاں

ہندوؤں کا ایک معزز لقب جانا جاتا تھا)۔

میری بات پر...... وہ کچھ سوچتا ہوا پھر بولا۔

''ٹھیک ہے......مگر ایک شرط پر میں تمہیں بڑودہ لے چلوں گا۔''

''ہاں...... لالہ جی...... مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے......؟'' میں نے جلدی سے کہا۔

''تجھے ڈرائیونگ آتی ہے......'' اس نے پوچھا۔

میں نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تو...... اس نے مجھے ٹرک میں سوار ہونے کا کہا...... میں اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے...... دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

اس نے بغور میرا جائزہ لیا پھر ٹرک آگے بڑھا دیا۔

وہ بہت باتونی تھا۔ اس نے اپنا نام...... چھمن داس بتایا...... وہ...... سیبوں کی پیٹیاں بڑودہ کی فروٹ مارکیٹ لے جا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ...... اس کا ہیلپر ڈرائیور جو ایک وقت اس کا کنڈیکٹر بھی تھا...... کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی...... یوں اسے خود اکیلے ہی نکلنا پڑا تھا۔

ایک گھنٹے بعد اس نے مجھے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کو کہا اور خود کھسک کر برابر والی سیٹ پر آ گیا۔ میں نے فور وہیل ڈرائیونگ تو کی ہے......مگر...... ٹرک نہیں چلایا تھا...... لیکن میکنزم چوں کہ ایک ہی ہوتا ہے اس لئے میں پورے اعتماد سے سٹیئرنگ سنبھالے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہو گیا تھا۔

''خبردار...... چالیس پچاس سے زیادہ رفتار ہرگز مت رکھنا...... ویسے تم...... اچھی ڈرائیونگ کر رہے ہو۔'' وہ مجھے تنبیہ کرتے ہوئے بولا۔

''اچھا...... اچھا...... ٹھیک ہے۔''

''میں پیچھے جا کر سو رہا ہوں......'' وہ سر دھنتے ہوئے بولا۔

پھر اپنی قمیض کی جیب سے شراب کی ایک چھوٹی چپٹی بوتل نکال کر چند گھونٹ بھرے...... اور...... عقبی نشست میں سونے کیلئے چلا گیا...... ذرا ہی دیر میں اس کے خراٹے گونجنے لگے...... میں نے بھی سکون کی سانس لی۔ مجھے معلوم تھا کہ ڈرائیور پہلے

ہی نیند کے مارے ہوئے ہوتے ہیں...... اور تھوڑا سا بھی موقع ملے تو وہ سب سے پہلے اپنی نیند پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ اس کے پچھلی سیٹ پر سوتے ہی...... میں نے ٹرک کی رفتار ذرا بڑھا دی...... ٹرک اچھی کنڈیشن میں تھا...... اس کا انجن بھی طاقتور تھا...... وہ دھاڑتا گڑگڑاتا ہوا...... اسی کی رفتار سے دوڑنے لگا۔

لیکن...... اس راستے میں اس قدر موڑ آ رہے تھے کہ...... مجھے بار بار گیئر بدل کر...... ٹرک کی رفتار کم کرنا پڑ رہی تھی...... اس پر مستزاد راستہ بھی دشوار گزار تھا۔

ایک عرصے سے یہاں ٹریفک وغیرہ کی آمد و رفت نہ ہونے کی وجہ سے...... سڑک کی حالت نہایت خستہ ہو چکی تھی...... بلکہ...... اس راستے کو سڑک کہنا بھی سڑک کی توہین تھی...... جگہ جگہ سے سڑک اکھڑی ہوئی تھی بلکہ بعض جگہوں پر تو...... اتنے بڑے بڑے گڑھے تھے کہ ٹرک اس میں پھنستے پھنستے بچا تھا...... اور پھر کئی جگہ تو...... میلوں تک یہ ٹوٹی ہوئی سڑک بھی بالکل معدوم تھی...... صرف...... کچا ناہموار اور بل کھاتا راستہ تھا...... مجھے واقعی دانتوں پسینہ آ گیا۔

وہ ڈرائیور یقیناً 'چالاک تھا' جانتا تھا کہ...... مجھے بھی ضروری...... بڑودہ تک پہنچنا تھا اس لئے میں...... ٹرک کو دھیان سے بھی ڈرائیو کروں گا...... کہ کہیں ویرانے میں پھنس کر وقت ہی نہ ضائع ہو جائے...... وہ اب بے فکرمندی سے سو گیا تھا۔

یہی سبب تھا کہ میں بہت سنبھل سنبھل کر اور دھیان سے ٹرک چلا رہا تھا۔

دشوار گزار راستے پر ایک ہیوی لوڈڈ ٹرک چلانا کس قدر مشکل و مشقت طلب کام تھا یہ میں ہی جانتا تھا۔ اب مجھے...... لالچی ڈرائیور چھمن داس جو اس ٹرک کا مالک تھا کی اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ...... یہ کم بخت مجھ سے بار برداری کا بھی کام لینا چاہتا تھا۔ میں تو ابھی سے ہی تھک کر چور ہو رہا تھا۔

دو گھنٹے کی مسلسل اور جفاکش ڈرائیونگ نے میرے سارے جسم کی چولیں تک ہلا دی تھیں۔

بہر طور...... مقصد کی لگن تھی...... چنانچہ میرے لئے یہی بہت تھا کہ...... مجھے...... بڑودہ تک پہنچنے کیلئے...... ایک ذریعہ مل چکا تھا۔ چاہے محنت طلب سہی۔

دوپہر کے دو بج رہے تھے...... ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے مجھے...... بھوک ستانے لگی۔

ہچکولوں اور مشقت نے میرا معدہ خالی کر دیا تھا...... مگر اس سے زیادہ مجھے پیاس ستانے لگی...... لیکن یہ راستہ اس قدر ویران تھا کہ...... کئی میلوں تک کوئی ایک ذرا چھوٹا سا روڈ سائیڈ ہوٹل تک نظر نہ آیا تھا۔

البتہ دیگر پرائیویٹ گاڑیوں اور بار برداری کے ٹرکوں کی آمدورفت جاری تھی۔

میں بھوک اور پیاس کو بمشکل ضبط کیے بیٹھا تھا۔ چونکہ پیاس کے مارے تھکن بھی زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ تین بجے کے قریب جب میں بھوک پیاس اور تھکن سے بالکل نڈھال ہو گیا تو میں نے ایک جگہ ٹرک روک دیا۔

ڈرائیور چھمن داس...... شاید کھٹکے کی نیند سونے کا عادی معلوم ہوتا تھا لہٰذا ٹرک کے رکتے ہی فوراً اس کی آنکھ کھل گئی۔

''اوئے...... ٹرک کیوں...... روکا ہے......؟''

''مجھے بھوک اور پیاس لگی ہے...... کچھ کھانے پینے کو نہیں ہے تمہارے پاس......؟'' میں نے منہ پھلا کر پوچھا۔

''میرے پاس بھوجن تو ہے...... مگر وہ تو صرف میرے حصے کا ہے...... ہاں...... پانی کا کولر...... پیچھے رکھا ہے...... وہ پی لے۔'' اس نے غنودہ آواز میں کہا...... اور پھر خراٹے لینے لگا۔ مجھے اس کی بے رخی پر غصہ تو بہت آیا مگر ضبط سے کام لیتے ہوئے میں نے عقبی سیٹ سے پانی کا کولر اٹھا کر اپنے برابر کی سیٹ پر رکھا اور...... اس کے ڈھکنے والے حصے میں پھنسے ہوئے گلاس کو نکال کر دو تین گلاس پانی کے چڑھا گیا...... پیاس کی شدت کم ہوئی تو کسی حد تک بھوک کے مارے اینٹھتے ہوئے معدے کو بھی سکون ملا...... لیکن بھوک اپنی جگہ جوں کی توں تھی۔

مجھے اور کچھ تو نہ سوجھا...... میں نیچے اتر آیا اور ٹرک کے پچھلے حصے میں آ کر ایک سیبوں کی پیٹی کی پھٹیاں توڑ کر...... بڑے بڑے سرخ رنگ کے سیب کھانے لگا۔

چار پانچ سیب کھا کر میں بالکل سیر اور تازہ دم ہو گیا...... اس کے بعد دوبارہ

ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی......

چار بجے کے قریب وہ خبیث چھمن جاگا اور...... ایک گلاس پانی چڑھانے کے بعد...... کھانے کی پوٹلی کھول کر عقبی سیٹ پر ہی بیٹھ کر کھانے لگا۔

اس خبیث نے مجھے جھوٹے منہ بھی کھانے کا نہیں پوچھا...... میں دانت پیسے ڈرائیونگ میں مصروف رہا۔

رات نو بجے میں تھک کر بالکل چور ہو گیا تو...... چھمن اپنی نیند پوری کرنے کے بعد...... ہشاش بشاش ہو کر...... میرے برابر آ بیٹھا۔

میرا خیال تھا کہ اب وہ مجھے ذرا آرام کرنے کا موقع دے گا اور سٹیئرنگ خود سنبھال لے گا...... مگر جب اس خبیث نے مجھ سے کچھ نہ کہا تو بالآخر میں نے کھڑے دل سے کہا۔

''آپ نے تو نیند پوری کر لی ہے...... اب ذرا میں بھی تھوڑی دیر آرام کو لوں......''

اس نے خشمگیں نظروں سے مجھے گھور کر دیکھا...... اور غصے سے لڑاکا عورتوں کی طرح اپنا ہاتھ نچا کر بولا۔

''واہ...... واہ...... ایک تو پھوکٹ (مفت) میں بڑودہ کی سواری مل گئی اوپر سے آرام کا نخرہ بھی...... تجھے معلوم ہے...... احمد آباد سے بڑودہ تک کا کرایہ کتنا ہے......؟ پورے دو ہزار لگتے ہیں...... دو ہزار...... چل سیدھی طرح سے ٹرک چلاتا رہ...... ورنہ ادھر ہی راستے میں اتار دوں گا۔''

مجھے اس پر بے حد طیش تو آیا مگر میں ابھی اس خبیث سے کسی قسم کا پنگا نہیں لینا چاہتا تھا...... اس لئے...... بدستور ملتجی لہجے میں بولا۔

''لالہ جی! کچھ تو خیال کرو...... تم نے اپنی نیند پوری کر لی ہے...... میں نے بھوجن بھی نہیں کیا...... مجھے ڈر ہے...... کہیں...... ٹرک کو کسی کھڈ میں نہ پھنسا دوں......؟'' میں نے اسے دوسرے طریقے سے راضی کرنے کی کوشش کی تو تب کہیں جا کر وہ مانا اور مجھ سے سٹیئرنگ لے لیا۔ میں جلدی سے اچھل کر پچھلی نشست پر جا سویا۔

ابھی میں نے بمشکل دو تین گھنٹے نیند کی ہو گی کہ...... اس خبیث نے مجھے

جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

''چل اوئے اٹھ...... بہت کر لی نیند...... سنبھال سٹیئرنگ......''

میری آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں۔ سر بھی بھاری ہو رہا تھا۔ ادھوری اور ناکافی نیند سے بیداری پر میرا سر درد سے پھٹنے لگا...... میں نے چڑ کر اس سے کہا......

''کیا مصیبت ہے...... ابھی تو سویا تھا میں...... تھوڑی اور نیند کر لوں تو...... سنبھال لوں گا سٹیئرنگ۔''

''اوئے...... کیا یہ ٹرک تیرے باپ کا ہے...... چل اٹھ...... سنبھال سٹیئرنگ...... بڑودہ آنے ہی والا ہے......'' وہ غصے سے بھنا کر بولا تو...... مجھے بھی اس کی بداخلاقی پر طیش آ گیا اور میں نے اس کی گردن دبوچ لی۔

اس نے...... فوراً...... بریک لگا دی۔

''خبردار...... جو اب دوبارہ...... تو نے مجھ سے بداخلاقی کی تو...... ادھر ہی جان سے مار ڈالوں گا......'' میں نے آنکھیں نکالتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا تو اسے بھی غصہ آ گیا...... اس نے دانت پیس کر میرے چہرے پر گھونسہ جڑ دیا...... میری نیند پل بھر میں کافور ہو گئی۔

پھر تو جیسے...... ہم دونوں ہی گتھم گتھا ہو گئے۔

وہ بھی تنومند تھا...... اور روایتی ڈرائیوروں کی طرح بدمعاش ہی معلوم ہوتا تھا۔ ہم دونوں لڑتے ہوئے...... ڈرائیونگ کیبن سے باہر آ گرے۔ ٹرک کے ہیڈ لیمپس روشن تھے...... چہار سو تاریک اور ویران تھا۔

ہم دونوں وحشیوں کی طرح...... ایک دوسرے کو پچھاڑنے کے درپے تھے۔

میں پہلے ہی اس پر ادھار کھائے ہوئے تھا...... لہٰذا وہ دال خور ہندو جلد ہی میری لاتوں اور گھونسوں کی زد میں آ گیا...... میں نے اس کا مار مار کر بھرکس نکال دیا......

وہ بے ہوش ہو گیا میں ذرا دیر تک کھڑا ہانپتا رہا۔ لچھمن داس بھربھری مٹی والی زمین پر بے سدھ پڑا تھا۔ پہلے تو میرے جی میں آئی کہ...... اس خبیث کو ادھر ہی چھوڑ کر ٹرک کو لئے آگے بڑھ جاؤں...... مگر مجھے اس ناہنجار پر ترس آ ہی گیا۔

میں نے اسے اٹھا کر...... سیٹ پر ڈال دیا اور پھر سٹیئرنگ سنبھال لیا۔

سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

دور مشرق کی سمت پو پھٹنے لگی تھی...... راستہ بھی قدرے اب ہموار ہونے لگا تھا...... تھوڑی تھوڑی آبادی کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔

بڑودہ...... اب چند میل کے فاصلے پر تھا...... میں نے لچھمن داس کی طرف دیکھا۔ وہ جوں کا توں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ کم بخت بے ہوشی کے عالم میں اگلے ہی جہاں تو نہیں سدھار گیا۔

لہٰذا ایک جگہ ٹرک روک کر میں نے گلاس بھر کر اس کے چہرے پر انڈیلا...... اس کے گال تھپتھپائے...... وہ فوراً ہوش میں آ گیا...... مگر زخمی ہونے کی وجہ سے اس کے حلق سے اب کراہیں بلند ہونے لگیں۔

''م...... میں...... میں...... تجھے...... پپ...... پولیس کے حوالے کر دوں گا...... نہیں چھوڑوں گا تجھے...... مورکھ!'' وہ ہوش میں آتے ہی ہذیان بکنے لگا۔

''خاموشی سے پڑے رہو...... ورنہ باہر پھینک دوں گا......'' میں نے خوں خوار غراہٹ سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ وہ...... ذرا خوف زدہ نظر آنے لگا...... میں نے اسے اسی طرح پڑے رہنے کا حکم دیا...... میں اب خاصی تیز رفتاری سے ٹرک دوڑائے جا رہا تھا۔

جیسے ہی میں بڑودہ کی شہری حدود میں داخل ہوا...... میں نے ٹرک روک دیا...... اور...... لچھمن داس سے بولا۔

''لو سنبھالو...... اپنا ٹرک...... میں نے احمد آباد سے بڑودہ تک ٹرک ڈرائیو کر کے قیمت چکا دی ہے......'' یہ کہہ کر میں نیچے اتر آیا...... وہ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ میں آبادی کی طرف بڑھ گیا۔

عقب میں دیکھا تو...... ٹرک دوڑتا چلا جا رہا تھا...... میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی...... یہاں مجھے ایک روڈ سائیڈ ہوٹل دکھائی دیا۔ ہوٹل کیا تھا' ایک چھوٹا سا چھپر نما چائے خانہ تھا۔ میں احاطے میں بچھی ہوئی بنچ پر بیٹھ گیا۔ تھکن اور نیند سے برا حال ہو رہا تھا میرا...... کم بخت لچھمن نے مجھے ذرا بھی سونے نہ دیا تھا اور احمد آباد سے یہاں پہنچانے کیلئے خوب قیمت وصول کی تھی مجھ سے...... میں ٹانگیں پسار کر

لیٹ گیا۔

نجانے کتنی دیر سویا رہا تھا کہ کسی نے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ وہ ایک خدمت گار تھا۔ میں پوہ پھٹے سے دن چڑھے تک سوتا رہا تھا۔ دھوپ کی چبھن سے میری السائی ہوئی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

''اوئے...... اٹھ جا...... کافی دیر ہوگئی سوئے ہوئے تجھے...... گاہک آ رہے ہیں......'' وہ بھلا مانس تھا...... بے چارے نے مجھے سویا دیکھ کر سونے ہی دیا تھا اور میری نیند پوری ہونے کے بعد ہی اٹھایا تھا مجھے۔

''کوئی بکری بھی کروائے گا یا ایسے ہی پھوکٹ میں......؟''

''ہاں...... ہا...... یار...... تیری بڑی مہربانی ۔یہ بتا...... ناشتے میں کیا ملے گا؟''

''ناشتہ......؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''ارے بھائی میاں! دوپہر ہوگئی ہے...... کھانے کا پوچھ...... کھانے کا۔''

اور میں چونک پڑا...... گویا میں سحر سے دوپہر تک سویا رہا تھا۔

''اچھا بتا پھر...... کھانے میں کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''دال فرائی...... سبزی فرائی...... مرغی......'' وہ بولتا چلا گیا۔

''گوشت تو نہیں کھاتا......'' میں نے دانستہ کہا۔ تو وہ مسکرا کر بولا۔

''تو کیا تو بیاسی ہے......؟'' (بیاسی سبزی خور کو کہتے ہیں جو گوشت نہیں کھاتے)

''ہاں......''

''ایسا کر...... دال فرائی لے آ...... اور دو روٹیاں۔''

''ابھی لایا......'' وہ جانے لگا تو میں نے روکا۔

''منہ ہاتھ کہاں سے دھوؤں؟''

''وہ سامنے لگا ہے...... ہینڈ پمپ۔'' اس نے سامنے اشارہ کیا۔

میں ہینڈ پمپ کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے ہاتھ منہ دھو کر...... دوبارہ بنچ اور میز کے پاس آ بیٹھا تو خدمت گار...... پلاسٹک کی پلیٹ میں گرما گرم دال فرائی اور دو

تندوری نان چھابی میں رکھ گیا۔

دال بہت ذائقے دار اور لذیذ تھی...... میں نے دو نان کھانے کے بعد ایک اور منگوایا۔ پھر خدمت گار کو بلا کر پیسے پوچھے۔

''بیس روپے......''

''چائے مل جائے گی......؟''

''بالکل مل جائے گی۔''

ذرا دیر میں وہ...... چائے بھی لے آیا...... میں نے چائے پی اور وہ پھر آ دھمکا۔

''پچیس روپے دے دو......''

میں نے پچیس روپے اور...... پانچ روپے اضافی ٹپ کے طور پر دیئے۔

وہ خوش ہوگیا۔ ''لگتا ہے آج ہوٹل کا مالک نہیں آیا...... تم خود ہی سنبھال رہے ہو آج سارا کام......؟'' میں نے یونہی بات سے بات نکالنے کی غرض سے سامنے خالی مگر سالخوردہ سے کاؤنٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں جی...... مالک بڑا دیالو ہے...... مجھ پر بڑا وشواس کرتا ہے...... اس لئے تو میں نے بھی تمہیں سونے دیا تھا۔''

''تمہاری مہربانی...... اچھا یہ بتاؤ...... گھونسالا جانے والی بس کہاں سے ملے گی......؟''

''ادھر ہی سے ملے گی...... ابھی آنے والی ہے......''

''کتنا کرایہ لے گی......؟''

''پندرہ روپے......''

''بڑی مہربانی۔'' وہ چلا گیا۔

ذرا ہی دیر میں سامنے سے بس آتی نظر آئی۔ میں اس میں سوار ہوگیا۔

گھونسالا...... بڑودہ کے مغرب میں...... پانچ چھ میل مضافات میں تھا...... ایک گھنٹے میں بس نے مجھے وہاں اتار دیا۔

میرے اصل مشن کے آغاز کا یہ اہم مقام تھا۔ یہاں بہت سے ہندوؤں کے

مختلف فرقوں کے بہت سے مندر نظر آ رہے تھے۔ اب مجھے یہاں بہت محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

یہ علاقہ...... دشمن ایجنٹوں کا گڑھ تھا...... جو جنگل کے ساتھ ساتھ...... خلیج کھمبات کے ساحلی علاقے تک چلا گیا تھا۔

ایک بات میرے حق میں جا رہی تھی...... وہ یہ کہ...... دشمن میرا چہرہ نہیں پہچانتے تھے۔ مگر باوجود اس کے...... مجھے پھونک پھونک کر قدم بڑھانا تھا۔ یہ بہت حساس علاقہ تھا...... ذرا بھی کسی مشتبہ شخص کو بے مقصد مٹر گشت کرتے دیکھ کر انڈین انٹیلی جنس کے افراد چونک سکتے تھے۔

تاہم میں بھی...... چوکنا نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اپنے مشن کے نزدیک پہنچ کر میرے دل کی دھڑکنیں جوش سے فزوں تر ہونے لگی۔

اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے۔

میں نے یہ وقت ادھر ادھر...... مختلف مندروں میں گھومتے پھرتے گزارا تھا۔

جب...... شام کے سائے تاریکی میں ڈھلنے لگے تو میں مندروں کے پچھواڑے واقع اس جنگل میں داخل ہو گیا...... جدھر...... دشمنوں کے مضبوط نیٹ ورک کا...... خفیہ ہیڈ کوارٹر تھا۔

میں اندھیرے جنگل میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا...... یوں...... جیسے خونخوار بھیڑیوں کی کچھار کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ جنگل کے وسط میں پہنچا تو...... سامنے درختوں کے جھنڈ کی طرف سے مجھے روشنیاں سی پھوٹتی نظر آئیں۔ اب میں بالکل محتاط ہو گیا تھا...... روشنیاں...... دشمن کے خفیہ ہیڈ کوارٹر کا پتہ دیتی تھیں...... میں آگے بڑھنے لگا۔

ذرا قریب پہنچا تو...... سامنے جھیل دکھائی دی...... جھیل کے دوسری طرف...... ایک چوبی پلیٹ فارم تھا...... اور...... اس کے بعد...... وہ دو منزلہ اور وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی خشت ارغواں سے بنی مضبوط عمارت نظر آئی۔

یہ عمارت مستطیل تھی...... بادی النظر میں...... کسی ہوسٹل نما عمارت ہی کا منظر پیش کرتی تھی۔ میں قد آدم اگی جھاڑیوں میں دبکا ہوا...... اس عمارت کی طرف بغور تکنے لگا۔ عمارت کی چھت پر بھارتی پرچم لہرا رہا تھا۔ عمارت کے باہر...... چند بھاری بھرکم

فوجی گاڑیاں کھڑی نظر آ رہی تھیں۔

یہ مجھے فوجی چھاؤنی کی طرح کا ہی علاقہ معلوم ہو رہا تھا...... مگر حیرت کی بات تو یہ تھی کہ...... یہاں...... سکیورٹی کا کوئی خاص انتظام نظر نہیں آتا تھا۔ ذرا مزید قریب جا کر بغور دیکھنے پر مجھے عمارت کے بڑے بھاری بھرکم محرابی مین گیٹ کی محرابی پیشانی پر مخصوص مونو گرام دکھائی دیا...... اور میں دھک سے رہ گیا۔ یہ ''را'' کا ایک فارورڈ گروپ ''ڈیتھ سرکل'' تھا۔

جب ''آن سروس'' تھا تو...... ہمارے جاسوسوں نے اس کے متعلق خفیہ اطلاع بھی پہنچائی تھی کہ...... ''را'' کے مختلف ونگ تھے...... جن میں سے ایک ''ڈیتھ سرکل'' خاص طور پر...... پاکستان کے اہم راز چرانے کیلئے تشکیل دیا گیا تھا۔

اب میرا شبہ یقین میں بدل گیا تھا کہ...... راجہ پٹیل سے لے کر...... سنیل اور ستیاپال تک یہ سارے لوگ ''را'' کی اس ذیلی شاخ...... جو بالخصوص پاکستان کے خلاف خفیہ کارروائیوں میں مصروف تھے...... ''ڈیتھ سرکل'' سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ اور ان لوگوں نے سلطان جہانزیب کو بھی اپنا آلہ کار بنا رکھا تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ...... یہ خفیہ نیٹ ورک...... ''ڈیتھ سرکل'' ہی کا تھا جو حال ہی میں تشکیل دیا گیا تھا۔

یہ سوچ کر چند ثانیئے میں گردوپیش کی سن گن لینے کی کوشش کرتا رہا' اس کے بعد...... آگے بڑھا...... اور سب سے پہلے چھپتا چھپاتا ہوا...... جھیل کے کنارے کنارے...... چلتا ہوا عمارت کے عقب میں پہنچا تو بری طرح ٹھٹک گیا...... عمارت کے عقب میں تو جیسے جنگل میں منگل کا سماں تھا...... یہاں کھلا میدان تھا...... اور روشنیوں کا اچھا خاصا بندوبست نظر آتا تھا۔

باوردی ویٹر ہاتھوں میں ٹرے لئے عمارت کے اندر باہر آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔

میزیں اور کرسیاں بھی نظر آ رہی تھیں...... وسط میں ہوشربا حسینائیں جھلملاتے لباسوں میں...... مخصوص وردی پوش...... انڈین اہلکاروں کے شانہ بشانہ...... جام لنڈھاتی نظر آ رہی تھیں۔ گویا یہاں اچھا خاصا جشن کا سماں تھا...... مجھے حیرت تھی

کہ...... کیا انہیں ابھی تک...... اپنے نقصان کا علم نہ تھا یا...... پھر...... یہ سب ایک معمول کا حصہ تھا۔ یقیناً یہی بات ہو سکتی ہے۔

عمارت کے عقب میں بھی...... بڑا سا داخلی دروازہ نظر آ رہا تھا۔

یہاں افسروں کے علاوہ...... مسلح گارڈز بھی چوکنا انداز میں ایک حصار قائم کیے کھڑے تھے...... اگرچہ ان کے ہاتھوں میں بھی کھانے پینے کی پلیٹیں نظر آ رہی تھیں...... اس کے باوجود...... بھی...... ان کے انداز و اطوار میں چوکنا پن بدرجہ اتم موجود تھا۔ یہ لوگ یہاں بیٹھ کر میرے وطن کے خلاف ناپاک سازشوں کے تار و پود بننے میں مصروف رہتے تھے اور میں ان کی نیندیں حرام کرنے کسی وقت بھی ان پر قہر و غضب کی بجلی بن کر ٹوٹنا چاہتا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ میں ان کی صفوں میں داخل ہونے کی کوئی ایسی تدبیر سوچ رہا تھا کہ...... کسی طرح ان کی شہ رگ کے قریب پہنچ کر کچھ ضروری اور اہم نوعیت کی معلومات اکٹھی کر سکوں۔ میں نے دیکھا کہ...... انہوں نے جدھر کھانے پکانے وغیرہ کا بندوبست کر رکھا تھا اس جانب...... ویٹروں کی آوک جاوک (آمدورفت) نظر آئی تھی۔ میں ذہن میں ابھرنے والے ایک فوری خیال کے تحت...... مذکورہ سمت کی طرف رینگ گیا...... اپنے دیس میں ہونے کے زعم میں ان لوگوں نے اپنا سکیورٹی کا بھی کچھ خاص انتظام نہیں کر رکھا تھا...... ماسوائے Informality کے۔ چنانچہ میں ان کی اس عیاشانہ اور زعم آمیز غفلت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ لہٰذا مذکورہ جگہ کے قریب آ کر میں گھات لگائے بیٹھ گیا...... یہاں لوازمات خورد و نوش کی رسد و ترسیل کا انتظام بڑی بڑی میزوں پر نظر آ رہا تھا۔ ایک جانب الاؤ روشن تھے...... جن پر...... سالم مرغ بھونے جا رہے تھے...... یہاں ویٹروں کی پوری کھیپ نظر آ رہی تھی۔ جو اپنے اپنے کاموں میں منہمک تھے...... وہ یقیناً کسی مقامی ہوٹل سے ہی تعلق رکھتے تھے۔

میں ابھی جلد بازی سے کام لینا نہیں چاہتا تھا...... ورنہ اگر انہیں ذرا بھی شک ہو جاتا کہ...... میں یہاں ان کی شہ رگ کے قریب پہنچ چکا ہوں تو یہ لوگ اپنے سائے سے بھی محتاط ہو جاتے پھر میرے لئے اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا بہت ناممکن حد

تک مشکل ہو جاتا۔

میرا مقصد...... محض انہیں جہنم واصل کرنا ہی نہ تھا...... ورنہ میں چاہتا تو ڈیتھ سرکل کے اس ہیڈکوارٹر کی عمارت کو بارود کا ڈھیر بنا ڈالتا میرا اصل مقصد...... ان کے دیگر اصل اور اہم ٹھکانوں اور ان کے پورے نیٹ ورک کی جڑوں کو تلاش کرنا تھا...... اور یہ تبھی ممکن ہو سکتا تھا جب میں...... انہیں اسی طرح خوابِ غفلت میں رکھتے ہوئے اپنے مشن کا آغاز کروں۔ نجانے ایسے اور کتنے ڈیتھ سرکل کے ٹھکانے تھے۔ مجھے ان سب کا پتہ چلانا تھا...... یا پھر ان کے اصل ہیڈکوارٹرز کا...... جو ایک تو خلیج کھمبات میں تھا اور دوسرا مجھے یہی لگتا تھا۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ...... پاکستان کے خلاف ناپاک سازشوں کے احکامات ڈیتھ سرکل کے کونسے ٹھکانے سے موصول ہوتے تھے...... اور وہی اصل ہیڈکوارٹر تھا۔

اتنا تو میں اندازہ لگا ہی چکا تھا کہ...... ڈیتھ سرکل کی عمارت میں ہونے والا یہ جشن معمول کا حصہ تھا...... اور انہیں سرو کرنے والے ویٹرز مقامی ہوٹل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی مجھے ایک گاڑی بھی کھڑی نظر آئی...... جس کی باڈی پر ہوٹل...... کے مخصوص مونوگرام کے ساتھ' ہوٹل فائیو سٹار کا نام بھی کندہ تھا...... یہ وین سفید اور نیلے رنگ کا امتزاج تھی۔

میں خاموشی سے وین کے اندر داخل ہو کر سیٹ کے نیچے دبک گیا اور گھنٹوں وہیں پڑا لیٹا رہا...... کافی دیر گزر گئی اور یہ ہنگامہ و شور و شغب تمام ہوا تو...... مجھے کچھ لوگوں کے قدموں کی آہٹ کے ساتھ باتیں کرنے کی بھی آوازیں سنائی دیں۔ ہوٹل فائیو سٹار کا تھکا ماندہ عملہ واپس ہو رہا تھا۔

یہ لوگ سب وین میں سوار ہوئے اور...... وین ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

دس پندرہ منٹ تک وین شاید ناہموار راستوں پر دوڑنے کی وجہ سے بری طرح ہچکولے کھاتی رہی اس کے بعد غالباً ایک پختہ سڑک پر آ گئی تو...... کچھ سکون ملا...... ورنہ تو سیٹوں کے نیچے سکڑے سمٹے دبکے ہوئے میرے وجود کی چولیں تک ہل گئی تھیں۔ یہ سفر مزید پندرہ منٹ ہی جاری رہا تھا کہ اس کے بعد وین رک گئی۔ وہ لوگ سب باری باری اترنے لگے۔ میں مزید پانچ دس منٹ سیٹوں کے نیچے دبکا رہا تھا پھر

جب مکمل خاموشی چھا گئی تو محتاط انداز میں سیٹوں کے نیچے سے نکلا...... وین کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔

سامنے مجھے...... ایک بلند و بالا ہوٹل کی عمارت نظر آئی...... وین اس کے احاطے میں کھڑی تھی...... چند لوگ جو عملے کے ہی آدمی نظر آتے تھے دکھائی دیئے...... اس کے بعد میں آہستگی سے وین کا عقبی دروازہ کھول کر باہر اتر آیا۔ اس کے بعد اپنا حلیہ ذرا درست کر کے میں ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھا۔

رات اپنے آخری پہر میں تھی۔ ہوٹل کے شیشے والے دروازے کے اندر لابی میں سناٹا تھا۔ ریسپشن میں بھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے دروازہ ذرا دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ لابی میں صوفے بچھے ہوئے تھے۔ میں ایک پر جا کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ایک سوئپر کو میں نے چکنے فرش پر وائپرز رگڑتے دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''بھائی! مجھے ہوٹل کے منیجر سے ملنا تھا...... وہ کہاں ملیں گے......؟'' وہ سیاہ رنگت کا سوئپر سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

''منیجر صاحب تو صبح دس بجے ہی آتے ہیں...... ہاں...... پپومیاں سے آپ کی ملاقات ہو سکتی ہے...... وہ...... ابھی ایک گھنٹے میں آ جاتے ہیں...... کیا کوئی کمرہ وغیرہ چاہیئے......؟'' اس نے آخر میں پوچھا۔

''ہاں...... نہیں...... کمرہ تو نہیں چاہیئے...... نوکری کیلئے آیا تھا...... اگر کوئی بیرا گیری مل جائے تو......'' میں نے کہا۔

''نوکری......؟'' اس نے سوالیہ انداز میں دہرایا...... پھر بولا۔

''پپومیاں یہاں کے ہیڈ ویٹر ہیں...... اس سے بات کر لینا...... منیجر تو بہت اکھڑ مزاج آدمی ہے...... وہ تو تمہیں دیکھتے ہی نکال باہر کرے گا۔''

''بڑی مہربانی تمہاری...... میں پھر ہیڈ ویٹر پپومیاں سے ہی مل لوں گا...... ویسے کیا مجھے یہاں کام مل جائے گا کوئی......؟'' میں نے آخر میں ضرورت مندوں کی طرح امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

''شاید...... پپومیاں...... تمہارا کام کر دیں...... وہ بڑے دیالو آدمی ہیں......''

وہ کچھ سوچتے ہوئے دوبارہ بولا۔ ''تم کہاں سے آئے ہو؟''

''میں ادھر ہی رہتا ہوں...... اشوک نام ہے میرا۔'' میں نے جھوٹ بولا۔ اور وہ سر ہلاتے ہوئے دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گیا۔

میں وہیں صوفے پر پشت ٹکائے بیٹھ گیا۔

ہوٹل کا ماحول بہت صاف ستھرا تھا...... ایک گھنٹے بعد میں نے چار پانچ باوردی ویٹرز کو دیکھا...... جو آپس میں باتیں کرتے ہوئے...... ریسپشن کاؤنٹر پر آن کھڑے ہوئے...... ان میں ایک ویٹر...... نے مخصوص وردی پہن رکھی تھی...... میں سمجھ گیا یہی ہیڈ ویٹر پپومیاں تھا۔ وہ دوسرے ویٹرز کو ہدایات دے رہا تھا۔ جب وہ تنہا رہ گیا تو اس کی مجھ پر نگاہ پڑی پھر اس سے پہلے کہ وہ مجھے پکارتا...... میں جلدی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا...... مسکرا کر اس کی طرف مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''پپو میاں...... آپ ہی کا نام ہے......؟'' میں نے دانستہ اندھیرے میں تیر چھوڑا۔

اس نے طوعاً و کرھاً مجھ سے ہاتھ ملایا اور...... سپاٹ لہجے میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''ہاں...... میرا نام ہی پپو ہے...... مگر تم کون ہو......؟'' اس نے آخر میں مجھے سرتاپا دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس اثنا میں ایک اور ویٹر بھی وہاں آ کر کھڑا ہو گیا تھا......

''میرا نام اشوک ہے...... مجھے گردھاری لال نے آپ کے پاس بھیجا تھا...... اگر مجھے آپ یہاں کوئی کام دلا دیں تو...... آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔'' میں نے ایک اور جھوٹ بولا...... دوسرا ویٹر چونک کر میری طرف دیکھنے لگا...... جبکہ...... ہیڈ ویٹر پپو نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''گردھاری لال......؟'' نام تو سنا ہوا لگتا ہے...... مگر ذہن میں نہیں آ رہا...... کیا کرتے ہیں صاحب......؟'' میرا اندھیرے میں چھوڑا ہوا تیر کچھ کچھ نشانے پر لگ رہا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ...... گردھاری لال...... وہاں ایک عام اور...... بہت سے لوگوں کیلئے اسم کیثر تھا۔ میں نے خوش اخلاقی سے مسکرا کر کہا۔

''وہ جی گردھاری لال وہی ہیں...... جو...... کپڑے کے بیوپاری ہیں......''

اس بار میں نے مختصراً کہا تاکہ وہ زیادہ الجھن کا شکار نہ ہو سکے۔

”اچھا...... اچھا...... کتنا پڑھے ہوئے ہو تم......؟“ اس نے آخر میں کہا اور میرا دل کامیابی کی امید پر یکبارگی دھڑکا۔

”میں...... نے انٹر کیا ہے...... انگریزی فرفر بول لیتا ہوں......“ میں نے جلدی سے کہا۔

میرے جواب پر اس نے مجھ سے وہیں کھڑے کھڑے انگریزی میں انٹرویو شروع کر دیا۔ میں اسے جواب دیتا رہا۔

”انگریزی تو تمہاری واقعی بہت اچھی ہے۔ آدمی بھی سلجھے ہوئے دکھائی پڑتے ہو...... مگر...... یار...... یہ گردھاری لال نامی آدمی ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آ رہا۔“ وہ الجھ کر بولا۔ اس کم بخت کی سوئی گردھاری لال پر اٹک کر رہ گئی اور پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا اس کے قریب کھڑے ساتھی ویٹر نے اس سے کہا۔

”ارے پپو میاں...... ! یہاں تو بہت سے لوگ آتے جاتے ہیں...... ہو گا کوئی...... میرا تو خیال ہے...... اسے وکرم کی جگہ پر فی الحال عارضی طور پر رکھ لیتے ہیں...... وہ پورے ایک مہینے کی چھٹی پر بھڑونچ گیا ہوا ہے...... بعد میں سوچ لیں گے......“ اب مجھے کچھ امید سی ہونے لگی تھی۔

”ہیڈ ویٹر بھی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

”ویٹری کا تجھے کچھ تجربہ بھی ہے۔“

”وہ جی تجربہ تو نہیں ہے...... لیکن...... انسان کو بااخلاق اور سعادت مند ہونا چاہئے جو اس کام کا بنیادی عنصر ہے...... تجربہ بھی آ ہی جائے گا۔“ میں نے اپنی ذہنی فراست کے مطابق چالاکی سے کہا۔ وہ میری منکسر المزاجی سے متاثر نظر آنے لگا۔

”تم رہتے کہاں ہو......؟“ اس نے آخر میں ایک اہم سوال پوچھا۔

”سر جی ! ویسے تو میں ادھر ہی اپنی ایک ودوا (بیوہ) موسی کے ہاں رہتا ہوں...... مگر میرا اس سنسار میں اور کوئی نہیں ہے۔ اگر مجھے ادھر ہی رات گزارنے کیلئے کوئی کونا کھدرا مل جائے تو...... میں چوبیس گھنٹے بھی خدمات دینے کو تیار رہوں گا۔“

”پپو صاحب ! اب تو اس بے چارے کو رکھ ہی لو...... ضرورت مند بھی ہے...... ہم سب کے بھی کام آئے گا یہ......“ دوسرے ویٹر نے ہیڈ ویٹر سے میری

سفارش کی۔

”اچھا ٹھیک ہے...... پر......“ بالآخر ہیڈ ویٹر پپو میاں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”مگر...... ہم پہلے تمہیں...... وکرم کی جگہ پر عارضی طور پر رکھ رہے ہیں...... اگر تمہاری کارکردگی اچھی ہوئی تو...... وکرم کے لوٹنے کے بعد تک کوئی جگہ بھی خالی ہوئی تو تمہیں منیجر صاحب سے سفارش کروانے کی کوشش کروں گا وہ تمہاری مستقل نوکری کا بندوبست بھی کر دیں گے۔“

”بڑی مہربانی جی آپ کی...... میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا......“ میں نے خوش ہو کر کہا...... اس کے بعد اس نے...... قریب کھڑے ویٹر سے کہا۔

”شنکر...... تم اسے...... سروس روم میں لے جاؤ...... اور...... وکرم کی وردی اسے دے دو...... کام بھی سمجھا دینا۔“

”بہت اچھا جی......“ شنکر نامی اس ویٹر نے فوراً سر ہلاتے ہوئے کہا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

”آؤ میرے ساتھ......“ میں ایک بار پھر ہیڈ ویٹر پپو میاں کا شکریہ ادا کر کے شنکر کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے گراؤنڈ فلور کے ایک بعید ترین گوشے میں بنے...... ہال کمرے میں لے آیا۔ یہاں...... میز کرسیاں، بستر بے ترتیب بکھرے پڑے تھے۔ دیوار گیر الماریاں بھی تھیں...... اٹیچ باتھ بھی تھا...... میں نے اندازہ لگایا کہ...... یہ ہوٹل کے عملے کا کمرہ تھا۔ شنکر نے مجھ سے کہا۔

”بھگوان کی کرپا ہو گئی تم پر اشوک! کہ تمہیں عارضی ہی سہی...... نوکری تو ملی...... اب دیانت داری اور محنت سے کام کرنا...... اور ہاں...... منیجر صاحب ذرا اکھڑ مزاج آدمی ہیں...... کوشش کرنا ان سے تمہارا کم ہی سامنا ہو...... جو بھی لینا دینا کرنا ہو...... وہ...... اپنے ہیڈ ویٹر پپو میاں سے ہی کرنا......“

”بہت اچھا......“ میں نے سعادت مندی سے کہا۔

”اور ہاں......“ وہ آخر میں راز دارانہ سرگوشی میں بولا۔

”یہ اپنے منیجر صاحب اور پپو میاں کی آپس میں کم ہی بنتی ہے...... منیجر کا تو بس نہیں چلتا کہ...... وہ پپو میاں کو کھڑے کھڑے نوکری سے نکال باہر کریں...... مگر......

چوں کہ...... ہم سب ساتھی ویٹر پوُمیاں کا ہی ساتھ دیتے ہیں اور ہوٹل کا مالک بھی ہم سے خوش ہے اس لئے...... کم بخت منیجر کی دال نہیں گلتی...... اس لئے تم پوُمیاں سے ہی بنا کر رکھنا...... وہ بڑا دیالو (مہربان) آدمی ہے۔''

بہت اچھا...... میں سمجھ گیا۔ ویسے ہوٹل کے مالک کا نام کیا ہے......'' میں نے پوچھا۔ وہ بولا۔

''ہوٹل کا مالک بہت بڑا آدمی ہے...... دھنپت رائے نام ہے اس کا...... اس کی بڑے بڑے لوگوں سے تعلق داری ہے...... انڈین انٹیلی جنس کے ایک بڑے افسر...... کرنل آر ڈی گپتا سے اس کے بڑے گہرے مراسم ہیں...... چلو اب تم نہا دھو کر تیاری پکڑو...... میں تمہارے لئے ناشتہ لے کر آتا ہوں...... پھر کام میں لگ جانا۔''

یہ کہہ کر وہ چلا گیا...... میں اس کی آخری بات پر سناٹے میں آ گیا۔

اس کا مطلب تھا...... کہ...... ڈیتھ سرکل کے اہلکاروں کو معمول کے مطابق جشن کی عیاشی ہوٹل کا مالک...... دھنپت رائے ہی فراہم کرتا تھا...... اور کوئی بعید نہ تھا کہ...... کرنل آر ڈی گپتا...... ڈیتھ سرکل کا ہی اعلیٰ افسر رہا ہوگا۔ اب مجھے دھنپت رائے اور کرنل آر ڈی گپتا کی آپس میں گہرے دوستانہ مراسم کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ...... میں بالکل درست خطوط پر اپنے مشن کو آگے بڑھا رہا تھا...... مگر اس کے ساتھ ساتھ...... مجھے اب حد درجہ محتاط رہنے کی بھی ضرورت تھی...... مجھے اپنے پاؤں جمانے کیلئے بہت اچھی جگہ میسر آ چکی تھی۔ بے شک عارضی سہی...... لیکن اگر...... بقول شنکر کے میں اپنا کام پوری تندہی کے ساتھ کروں اور...... ہیڈ ویٹر پوُمیاں سے بنا کر رکھوں تو...... یقیناً میری یہ نوکری مستقل بھی ہو سکتی ہے۔ مگر باوجود اس کے میری کوشش یہی تھی کہ میں...... اپنا مشن ایک ماہ کے اندر اندر...... ہی پایہ تکمیل تک پہنچا دوں۔ البتہ منیجر کی طرف سے مجھے محتاط رہنا تھا...... بقول شنکر کے وہ ایک اکھڑ مزاج آدمی تھا...... اس کی...... ہیڈ ویٹر پوُمیاں سے ذاتی چپقلش چلتی رہتی تھی...... منیجر کا نام اب تک مجھے معلوم نہ ہو سکا تھا...... بہر طور...... میں نے اس سے دور ہی رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

میں نہا دھو کر نکلا تو...... شنکر ایک ٹرے میں ناشتہ لے آیا۔

ہم دونوں نے اکٹھے ناشتہ کیا۔ اس کے بعد میں نے ویٹروں والی وردی پہنی

اور کام میں جت گیا۔ جلد ہی میں نے اپنے دیگر ساتھی ویٹروں سے بھی اچھی خاصی بنا لی...... اس کی وجہ یہ تھی کہ...... میں ان کے حصے کے بھی کام کر دیا کرتا تھا۔ وہ سب اپنے گھروں میں رہتے تھے...... صرف Rotation پر چند ویٹرز کی شبینہ ڈیوٹیاں لگتی تھیں۔ وہ بھی میں ہی سنبھال لیا کرتا تھا...... مگر کبھی کبھی...... اس کی وجہ یہ تھی کہ...... میری رہائش ہوٹل میں ہی...... یعنی روم سروس میں ہی تھی۔

غرضیکہ میرے وہاں چوبیس گھنٹے کے مستقل ٹھکانے کی وجہ سے...... وہاں...... ہیڈ ویٹر سمیت دوسروں کا بھی بھلا ہو گیا تھا۔ کبھی کبھار تو...... ہیڈ ویٹر پوُمیاں بھی اپنے حصے کا کام مجھے سونپ کر اپنے گھر چلا جایا کرتا تھا۔

چند دن مجھے وہاں اپنی جگہ بناتے ہوئے گزر گئے۔

منیجر کا سامنا ابھی مجھ سے نہیں ہوا تھا...... مگر میں نے اسے دیکھا ضرور تھا...... اور مجھے اس کا نام بھی معلوم ہو چکا تھا۔ اس کا نام...... موہن داس تھا...... وہ واقعی بہت اکھڑ مزاج انسان تھا...... میں نے اکثر اسے ویٹروں کو ڈانٹتے ڈپٹتے دیکھا تھا...... میں البتہ اس سے کنی کترا جاتا تھا۔

شنکر سے میں ذرا زیادہ گھل مل گیا تھا۔ آخر میں نے باتوں باتوں میں اس سے پوچھ ہی لیا تھا کہ...... ''ہوٹل کو کسی مخصوص تقریب کے آرڈرز وغیرہ نہیں ملتے......''

اس پر اس نے کہا۔ ''بڑے زبردست آرڈرز ملتے ہیں...... ایک آرڈر تو ہر مہینے بندھا رہتا ہے......''

''اچھا...... کونسا آرڈر......؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے بتایا تھا نا...... یار تجھے...... کرنل آر ڈی گپتا...... اپنے مالک دھنپت رائے جی کا بہت گہرا دوست ہے...... اور مالک ہی کی طرف سے ان کے ہاں...... ہر مہینے شاہانہ تقریب کا آرڈر بک رہتا ہے۔''

''یار شنکر ایک بات تو بتا...... کرنل صاحب کی تقریب میں تو...... ہماری ٹیپ بھی بھاری بنتی ہوگی......؟'' میں نے آخر میں دانستہ خود کو لالچی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا تاکہ اسے میری کرید پر کسی قسم کا ذرا بھی شک نہ ہو۔

وہ میری بات پر معنی خیز مسکراہٹ سے بولا۔ ''کوئی ایسی ویسی ٹپ......

ہزاروں روپے کی ٹپ بنتی ہے...... اس میں سے...... ہیڈ ویٹر پومیاں کی کمیشن نکال کر بھی دو تین ہزار بچ جاتے ہیں۔''

''اچھا...... میں نے اسی لئے تو یہ تقریبوں والی بات پوچھی ہے۔'' میں نے بھی خوش ہو کر کہا۔

''ہاں...... میں سمجھ گیا تھا......'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''میں بھی مطمئن ہو گیا کہ...... اسے میرے پوچھے پاچھنے پر کوئی شبہ نہ ہوا تھا۔

ڈیتھ سرکل کے ہیڈکوارٹر میں ماہانہ تقریب کی تاریخ قریب آتی جا رہی تھی۔

میں بھی اس انتظار میں تھا۔ اب یہاں ایک قباحت تھی کہ کیا ضروری تھا کہ میری بھی ڈیوٹی اس تقریب میں سروس فراہم کرنے والے ویٹرز میں لگتی...... مگر بقول شنکر کے میری...... سابق خدمات کے صلے میں مجھے بھی ڈیوٹی میں شامل کیا جا سکتا تھا۔

میں نے ڈیتھ سرکل کے ہیڈکوارٹر کے بارے میں شنکر کو زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ یوں بھی میں جو معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا وہ باتوں ہی باتوں میں چالاکی سے اس سے پہلے ہی پوچھ چکا تھا۔ اور کوئی خاص قابل ذکر بات سامنے نہیں آئی تھی۔

بالآخر...... وہ اہم دن بھی طلوع ہوا۔

تقریب کی تیاریاں...... صبح سے ہی شروع کر دی گئی تھیں...... تقریباً گیارہ ویٹرز کی ڈیوٹی لگی تھی اور میں بھی ان میں شامل تھا۔ تقریب...... رات دس بجے شروع ہونا تھی...... جبکہ ہمیں...... چھ بجے شام ہی کو روانہ ہو جانا تھا۔

پھر جب شام کے چھ بجے تو ساز و سامان کا سلسلہ ہیڈکوارٹر تک پہنچانے کا کام شروع ہوا...... تین چار چکروں میں یہ کام مکمل ہوا تو...... آخری چکر میں جب میں بھی وین میں سوار ہو کر دیگر ساتھی ویٹروں سمیت روانہ ہونے لگا تو...... منیجر موہن داس کی اچانک مجھ پر نگاہ پڑی۔

ہم اس وقت سب لابی میں موجود تھے۔ ہیڈ ویٹر پومیاں...... ہمیں ہدایات دے رہا تھا اور سب کو وین میں باری باری سوار کروا رہا تھا۔ اس وقت منیجر موہن داس بھی وہیں کھڑا تھا۔

''یہ کون ہے......؟'' اس نے اکھڑامزاجی سے پوچھا۔

''یہ نیا ویٹر ہے...... اشوک......'' ہیڈ ویٹر پومیاں نے کہا۔

''اسے کس کے کہنے پر رکھا ہے......؟ اور وہ بھی اتنی جلدی...... اسے کرنل صاحب کی ٹیم میں شامل کر لیا۔''

مجھے اس مردود پر غصہ آنے لگا مگر میں مسکی صورت بنائے خاموش ہی رہا تھا۔

''جناب...... اسے...... وکرم کی جگہ پر رکھا ہے...... اور یہ مالک (دھنپت رائے) کے ایک دوست کی سفارش پر رکھا ہے۔''

ذاتی عناد ہونے کے باوجود...... ہیڈ ویٹر منیجر کی عزت کرنے پر مجبور تھا...... اس نے جھوٹ بولا تھا۔ منیجر الجھن آمیز سوچ میں پڑ گیا۔ میں بھی اندر سے پریشان ہو گیا۔

یہ کام بالخصوص...... منیجر کی نگرانی میں ہوتا تھا...... کہ...... کرنل آر ڈی گپتا کے مہمانوں کو سرو کرنے کیلئے...... کون کون سے ویٹرز کو روانہ کیا جا رہا تھا اور ان کے ناموں کا اندراج بھی خود منیجر موہن داس ہی کر رہا تھا۔ اس کڑی نگرانی کی وجہ یہی سمجھ میں آتی تھی کہ...... ڈیتھ سرکل ایک حساس اور خفیہ ادارہ تھا...... اس لئے...... یہ سختی تھی۔''

''اس کی جگہ دوسرے ویٹر...... کو بھیجو...... یہ ابھی نیا ہے...... تمہیں معلوم ہے...... یہ تقریب...... کسی عام آدمی کے ہاں نہیں ہو رہی ہے...... یہ بھی تم جانتے ہو۔''

معاً...... منیجر موہن داس نے کرخت لہجے میں ہیڈ ویٹر سے کہا۔ اور میں سن ہو کر رہ گیا۔ عین وقت پر کام بگڑنے لگا تھا۔

''سر...... باقی سب ویٹر تو کسٹمرز کو سرو کرنے میں مصروف ہیں......'' ہیڈ ویٹر پومیاں نے کہا۔

''کچھ بھی ہو...... اس نے وہاں نہیں جانا...... بس......'' اس نے میری طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

اور...... مجبوراً اسے بھی منیجر کی بات ماننا پڑی...... میں نے بھی اپنے چہرے سے مایوسی ظاہر نہ ہونے دی...... اور...... ہیڈ ویٹر سے بولا۔

''سر جی...... منیجر صاحب کا جو حکم ہو...... میں ادھر ہی رہ جاتا ہوں......'' یہ کہہ

کر میں وین سے دور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

''کیا نام بتایا تھا تم نے......؟'' منیجر نے مجھ سے خشک لہجے میں پوچھا۔

''جی سر...... اشوک......'' میں نے جواب دیا۔

''تم میرے کمرے میں آؤ......'' اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔

''دیکھو تم جانتے ہو میں نے منیجر سے جھوٹ بولا تھا کہ...... تمہیں مالک دھنپت رائے کے کسی دوست کی سفارش پر رکھا تھا...... تم...... منوہر لال کا نام لینا...... سمجھے......''

''مگر سر...... ! اگر انہوں نے...... اس سے کنفرم کر لیا تو......'' میں نے کسی خدشے کے خیال سے کہا۔

''اس کی فکر نہ کرو...... منوہر لال خود...... یادداشت کا چوپٹ آدمی ہے...... رہے مالک تو...... میں ان سے خود بات کر لوں گا۔ تم جاؤ...... اب...... اور فالتو بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

میں سر ہلا کر منیجر موہن داس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

مجھے اس پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔ مردود نے عین وقت پر میرا سارا منصوبہ تباہ کر دیا تھا۔

بہر طور...... میں اپنی مرضی چلانے سے بھی قاصر تھا۔ اب میری کوشش یہی تھی کہ کسی طرح...... منیجر موہن داس کو اپنی طرف سے مطمئن کر لوں۔

لہٰذا میں اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا کمرہ شاہانہ انداز کا تھا...... وہ سامنے ایک جہازی سائز کی میز کے عقب میں بھاری بھرکم اونچی پشت گاہ والی ریوالونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔

''جی سر...... کیا حکم ہے...... میرے لئے......'' میں نے اس کے سامنے با ادب کھڑے ہو کر مودبانہ لہجے میں کہا۔ وہ چند ثانئے گھورتی ہوئی بھانپتی نظروں سے مجھے یک ٹک دیکھتا رہا پھر...... سرد لہجے میں بولا۔

''رائے صاحب کے کونسے دوست کی سفارش لائے تھے......؟''

''منوہر لال......'' میں نے پپو میاں کی ہدایت کے مطابق مختصراً جواب دیا۔

''ہوں...... کہاں رہتے ہو......؟'' اس نے بدستور بھانپتی ہوئی نظریں میرے چہرے پر مرکوز رکھتے ہوئے اگلا سوال کیا۔

''بڑودہ چوک کی ایک کھولی میں اپنی وِدواہ (بیوہ) خالہ کے ساتھ رہتا تھا...... مگر اس کے دیانت ہونے کے بعد...... میرا دل وہاں نہ لگا......''

''اس سے پہلے کونسا کام کرتے تھے......؟''

''کسی دکان میں سیلز مین تھا۔''

''کونسی دکان میں......؟''

''آکاش کلاتھ شاپ۔'' میں نے فرضی نام بتایا۔

''وہ کس جگہ ہے...... اس کا مکمل پتہ اور...... دکان کے مالک کا نام بتاؤ......''

اس نے کہا...... اور...... میرے اندر کی بتدریج بڑھتی ہوئی سنسنی خیز پکڑ دھکڑ تیز تر ہونے لگی میں نے ہیڈ ویٹر پپو میاں کو تو بے وقوف بنا لیا تھا لیکن...... اس خرانٹ منیجر...... موہن داس کو بے وقوف بنانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی نظر آ رہا تھا۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ...... ہو سکتا ہے...... اسے ڈیتھ سرکل کے اہلکاروں یا مالک دھنپت رائے کی طرف سے خصوصی ہدایات ملی ہوں کہ...... چوں کہ...... اس ہوٹل کی سروس کو خاص طور پر ڈیتھ سرکل کے اعلیٰ افسران کیلئے...... ہائر کیا جاتا تھا اس لئے بالخصوص نئے بھرتی ہونے والے ویٹر کی کڑی جانچ پڑتال کی ذمہ داری...... منیجر موہن داس کو ہی سونپی ہوگی۔

میں اس کام کو جتنا آسان سمجھ رہا تھا وہ اتنا ہی مشکل ثابت ہوا تھا۔ بلکہ الٹا...... اب میری جان کو بھی خطرہ لاحق ہونے لگا تھا۔ اس طرح یہ جہاندیدہ اور خرانٹ منیجر موہن داس...... میرے جھوٹ کا پول کھولنے کے درپے تھا...... بہر طور...... میں نے اسے فرضی نام پتہ بتایا' میرا خیال تھا اب وہ مجھ سے اگلا سوال کرے گا...... مگر...... اس نے اس وقت ایک کاغذ پر...... میرا بتایا ہوا یہ فرضی نام پتہ درج کر لیا پھر پوچھا۔

''کوئی فون نمبر......؟''

میرا دل اب سائیں سائیں کرتی کنپٹیوں پر دھڑکنے لگا۔ میں نے بہ مشکل

اپنی گڑبڑاتی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"جی...... فون نمبر تو مجھے نہیں معلوم......"

"اچھا ٹھیک ہے...... اب جاؤ تم......" آخر میں کہا اور میں خاموشی سے سر جھکائے کاؤنٹر پر آ گیا...... اندر سے میری حالت اب غیر ہونے لگی تھی۔

مگر میں نے پریشانی کے تاثرات کو چہرے پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ مگر بات ہی ایسی تھی کہ...... فکر و تشویش کی پرچھائیوں کو ہیڈ ویٹر پپو میاں نے فوراً ہی میری آنکھوں اور چہرے سے محسوس کر لیا تھا...... اس لئے وہ مجھ سے بولا۔

"لگتا ہے...... اس پاپی نے کچھ زیادہ ہی تمہاری خبر لے لی ہے...... جو یوں تیرا تھوبڑا سوُجا ہوا ہے......"

"نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے...... سر جی!" میں نے کہا۔

"سمجھ گیا...... تیری بھاری ٹپ کا موقع ہاتھ سے نکل گیا...... ویسے کرنل صاحب کی اس ماہانہ جشن نما تقریب میں واقعی ہزاروں روپے کی ٹپ ملتی ہے۔" وہ اپنے تئیں یہ سمجھتے ہوئے بولا۔ "چل تو چنتا نہ کر...... اگلی بار موقع مل جائے گا۔"

میں نے بھی یہی ظاہر کیا کہ...... میں اپنے اس "بھاری ٹپ" والے نقصان سے پریشان ہوں...... اس کے بعد میں اپنے ہال کمرے میں آ گیا۔ گھاگ منیجر موہن داس کی طرف سے میں تشویش اور پریشانی کا شکار ہو گیا تھا۔ اگر بات صرف...... نام وغیرہ پوچھنے تک ہی محدود رہتی تو اتنی پریشانی مجھے نہ ہوتی...... لیکن اس بدبخت کا...... بات کی کھال نکالنا اور...... پھر میں نے جس فرضی دکان اور مالک کا نام بھی فرضی بتایا تھا وہ اس نے ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا تھا جس کا صاف مطلب تھا کہ...... وہ اگلے دن سب سے پہلے اس پتہ کو کنفرم کر کے مالک سے میرے بارے میں تفصیل معلوم کرنے کا پکا ارادہ رکھتا تھا۔ اور ظاہر ہے...... یہ نام پتہ جھوٹا اور فرضی ہونے کی وجہ سے قیامت تک اسے نہیں مل سکتا تھا...... اس لئے...... میرا بھانڈہ پھوٹنا یقینی امر تھا...... کچھ بعید نہ تھا کہ...... منیجر مجھے فوراً...... گرفتار بھی کروا دیتا۔ میں شدید جھنجھلاہٹ آمیز پریشانی اور تشویش کا شکار ہو گیا تھا...... کامیابی کے عین قریب پہنچ کر میں بری طرح نہ صرف ناکامی سے دوچار ہو گیا تھا...... بلکہ خود مجھے اپنا بھی خطرہ ہو گیا تھا...... ایکا ایکی میرے

اندر خطرے کا الارم بجنا شروع ہو گیا...... میری چھٹی حس چیخ چیخ کر...... مجھے انجانے خطرات سے ہوشیار کر رہی تھی۔

تب پھر معاً ایک خطرناک خیال میرے ذہن میں ابھرا...... اگر میں آج کے آج...... اس بدبخت منیجر کا خاتمہ کر ڈالوں تو...... کسی حد تک فوری خطرات سے بچا جا سکتا تھا۔

میرے مشن میں...... جو رکاوٹ حائل ہوتی میں اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا جائز سمجھتا تھا...... چنانچہ منیجر موہن داس کو بھی اب میں اپنے مشن کی ایک اہم رکاوٹ سمجھ رہا تھا۔ اچانک...... انٹرکام کا بزر گونجا...... ویٹرز کو کال کرنے کیلئے یہ انٹرکام یہاں نصب کروایا گیا تھا۔

"ہیلو......" میں نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔

"اشوک...... ذرا کاؤنٹر پہ پہنچو جلدی......" دوسری طرف سے ہیڈ ویٹر پپو کی آواز سنائی دی اور رابطہ منقطع کر دیا...... میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا...... جانے کیا بات تھی۔

خیر میں...... سروس روم سے نکلا اور نیم تاریک راہداری سے گزر کر کاؤنٹر پر پہنچا تو...... چونک پڑا...... وہاں...... ہیڈ ویٹر کے ساتھ...... وین کا ڈرائیور موجود تھا...... یہ اسی وین کا ڈرائیور تھا جو...... ویٹرز کی کھیپ لے کر...... ڈیتھ سرکل کے ہیڈکوارٹر روانہ ہوا تھا۔

"اشوک...... تمہاری مراد بر آئی......" ہیڈ ویٹر پپو نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی سر جی...... میں سمجھا نہیں......" میں نے الجھ کر پوچھا تاہم میرا دل...... کسی خیال کے تحت مسرت سے دھڑکنے لگا تھا۔

"کچھ سامان لے جانا تھا...... اب تمہیں بھیجا جا رہا ہے......" اس نے کہا۔

"مگر...... منیجر صاحب کا حکم......؟" میں نے خوشی کے احساس کو دباتے ہوئے پوچھا۔

"انہی کے حکم پر تو کہہ رہا ہوں...... وہ بھی ساتھ جا رہے ہیں......" اس نے

کہا۔ نجانے کیوں خوشی کا احساس ایک انجانے خدشے میں بدل گیا۔

”سنو...... جو بھی ٹپ ملے...... میرا کمیشن یاد رکھنا......“ وہ آخر میں معنی خیز لہجے میں بولا۔

میں نے جلدی سے کہا۔ ”آپ بالکل چنتا نہ کریں مجھے شنکر نے سب سمجھا دیا تھا۔“

”گڈ...... خاصے سمجھدار آدمی لگتے ہو......؟“

لیکن میں منیجر موہن داس کے اس اچانک فیصلے پر جانے کیوں اندر سے کھٹک گیا تھا۔ بہر طور...... ذرا دیر بعد...... منیجر اپنے کمرے سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔

ہیڈ ویٹر کے قریب آ کر بولا۔

”ہاں بھئی پپو...... تم نے بوتلوں کے کریٹ رکھوا دیئے......“

”جی سر...... احتیاطاً سوڈا واٹر بھی رکھوا دیا ہے۔“

”سمجھ میں نہیں آتا...... بوتلیں کیسے کم ہو گئیں......؟“

وہ بڑبڑایا...... ”ٹھیک ہے آؤ اشوک......“ اس نے مجھ سے کہا اور پھر ہم باہر آ کر...... وین میں سوار ہو گئے...... میں نے عقبی نشست میں دیکھا...... وہاں اعلیٰ درجے کی شراب کی بوتلوں کے تین کریٹ رکھے ہوئے تھے۔

”تو یہ وجہ تھی اچانک مجھے ساتھ لے جانے کی......“ میں نے دل میں سوچا۔

”مگر جب موہن داس خود جا رہا تھا تو پھر مجھے اپنے ساتھ کیوں لے جا رہا تھا......؟“ اس کا جواب بھی مجھے مل گیا۔

دراصل موہن داس...... اس کام سے فارغ ہو کر اپنے گھر جانا چاہتا تھا...... اس کی کار خراب ہو گئی تھی...... اور وین والے کو اس نے پہلے گھر اتارنے کا کہا تھا۔

خیر موہن داس...... کا گھر زیادہ دور نہ تھا...... وہاں...... اترنے سے پہلے اس نے مجھے تاکیداً کہا۔

”اشوک...... تم ابھی نئے ہو...... وہاں سب اعلیٰ افسر مدعو ہیں...... اور سب مدہوش بھی رہتے ہیں کوئی ایسی ویسی غلط اور غیر اخلاقی حرکت مت کرنا...... کیوں کہ وہاں...... حسین و جمیل رقاصائیں بھی آتی ہیں...... ان سے فری ہونے کی کوشش ہرگز

مت کرنا...... ورنہ ہمارے ہوٹل کی ساکھ بری طرح متاثر ہو گی...... کیوں کہ پہلے بھی ایک نئے ویٹر نے کسی حسینہ سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے میں نے کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دیا تھا۔“

”آپ بالکل چنتا نہ کریں سر جی...... میں اپنے کام سے کام رکھوں گا۔“ میں نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

”اسی میں تمہاری بہتری ہے۔“ وہ آخر میں اسرار بھرے لہجے میں بولا۔ اس کے بعد ڈرائیور نے واپس وین...... موڑ لی...... اور خاص تیز رفتاری سے...... ڈیتھ سرکل کے ہیڈ کوارٹر کی طرف دوڑنے لگا۔

☆......☆......☆

قسمت اچانک ہی مجھ پر مہربان ہو گئی تھی...... مگر...... خطرہ اب بھی جوں کا توں سر پہ منڈلا رہا تھا...... میں اتفاقی طور پر تو کسی حد تک کامیاب رہا تھا...... مگر...... گھاگ منیجر موہن داس کی طرف سے ہنوز میں تفکر میں مبتلا تھا...... بلکہ اب جہاں میں...... اپنی اس اچانک انتہائی کامیابی پر خوش تھا وہاں...... میں...... ایک دوسری قسم کی مشکل کا بھی شکار ہو چکا تھا۔

اگر میں...... اپنے مشن کی تکمیل میں روانہ ہو جاتا تو...... منیجر موہن داس کا قصہ نمٹنے سے رہ جاتا۔ دونوں کام ضروری تھے...... مگر بدقسمتی سے مرحلہ وار پوزیشن میں نہ تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ...... یہ محض مجبوری کی بنا پر ہی موہن نے اپنا فیصلہ بدلا تھا...... اور صبح ہوتے ہی...... ہوٹل آنے سے پہلے...... وہ...... میرے بتائے فرضی نام پتہ پر میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا...... ایک خیال یہ بھی میرے ذہن میں آیا تھا کہ ہو سکتا ہے...... موہن داس...... اس بات کو قابل اعتناء نہ سمجھے...... میری کھوجنا کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔

بہر طور...... میں اب تن بہ تقدیر ہو گیا تھا۔

وین...... ڈیتھ سرکل کے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر رک گئی...... یہاں ہنگامہ شور و غوغا عروج پر تھا۔ مین جلدی جلدی...... شراب کے کریٹ اتارنے لگا۔ شنکر بھی مجھ سے آن ملا۔

میں اب...... ٹرے ہاتھ میں لئے دھڑکتے دل کے ساتھ...... ڈیتھ سرکل کے اہلکاروں کو سرو کرنے میں مصروف ہوگیا۔

یہ میرے وطن دشمنوں کا وہ خفیہ اڈا تھا جہاں میرے وطن کے خلاف ناپاک سازشوں کی منصوبہ بندی اور تارو پود بنے جاتے تھے۔ میں بغور...... ایک ایک اہلکار کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ میری کوشش یہی تھی کہ میں اندر حساس گوشوں تک بھی رسائی حاصل کرسکوں۔

"ویٹر...... ادھر آؤ......"

معاً ایک اہلکار نے مجھے پکارا...... میں فوراً اس کی طرف لپکا۔

"یس سر......" میں اس کے قریب جا کر مستعدی سے بولا۔

"کرنل صاحب کی برانڈ کی بوتل اور...... دو جائنٹ پیس لے جاؤ......" اس نے تحکمانہ کہا اور میری رگوں میں لہو کی گردش تیز ہوگئی۔ میں نے مودبانہ مسکراہٹ سے پوچھا۔

"معاف کیجئے گا سر...... ! مجھے علم نہیں ہے کہ کرنل صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں......؟"

"شنکر کو بھیج دو...... نان سینس......" وہ بلاوجہ ہی غصے ہوا۔ میں نے عافیت اسی میں جانی کہ "جی سر" کہہ کر وہاں سے کھسک لوں۔

بہرطور...... میں نے شنکر سے کرنل آر ڈی گپتا کے بارے میں پوچھا۔

"تم لے جاؤ ٹرے...... آؤ...... میں تمہیں بتاتا ہوں......" شنکر نے کہا۔

اس کے بعد ٹرے تیار کر کے مجھے بتایا کہ...... کرنل اس وقت کہاں موجود تھا......؟"

بہرطور...... میں ٹرے لے کر...... ایک راہداری سے ہوتا ہوا...... سیدھا Basement (تہہ خانے) میں پہنچا...... وہاں دو اہلکار مستعدی سے موجود تھے۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ...... مسلح اہلکار کو پینے پلانے کی بالکل اجازت نہ تھی وہ ویسے ہی چوکنا انداز میں اپنی ڈیوٹی سنبھالے ہوئے تھے۔

بیسمنٹ دیکھنے میں بہت آرام دہ کمرہ تھا...... ایک بڑے سے صوفے پر ایک

سانولی رنگت کا...... تنومند مگر پختہ العمر شخص مخصوص وردی میں ایک طرح دار حسینہ کو بغل میں لئے پھیل کر بیٹھا ہوا تھا...... یہی کرنل آر ڈی گپتا تھا۔ غالباً یہاں کی کمانڈ اس کے سپرد تھی۔ یہاں مجھے ایک کونے میں دو مزید اہلکار بڑی سی میز کے قریب بیٹھے ہوئے ملے...... یہاں پورا کمپیوٹرائزڈ وائرلیس سسٹم نصب تھا اور دیوار پر سکرین روشن تھی۔

میں نے باادب کرنل کو پرنام کے سے انداز میں سلام کیا اور ٹرے رکھ دی۔

کرنل حسینہ کے ساتھ محو تھا۔ ایک اہلکار نے مجھے کرخت آواز میں فوراً واپس لوٹ جانے کو کہا۔ میں بلاتاخیر الٹے قدموں لوٹ آیا...... اور راہداری میں آ گیا۔ پھر بجائے...... باہر جانے کے میں آگے بڑھ گیا...... راہداری...... بائیں جانب مڑ رہی تھی۔ میں یونہی خالی ٹرے ہاتھ میں اٹھائے...... مذکورہ سمت گھوم گیا۔ سامنے...... ایک اور کمرے کا دروازہ نظر آیا۔ جس کے اوپر انگریزی کے حروف میں ریکارڈ روم لکھا تھا۔

وہاں آس پاس کوئی موجود نہ تھا۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی...... اور...... دروازہ کو دھکا دیا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

دھڑکتے دل سے اندر داخل ہوتے ہی میں نے عقب میں فوراً دروازہ بند کر دیا۔ یہ کمرہ بھی خاصا بڑا تھا...... اور یہاں...... دیوار گیر دو بڑی بڑی الماریاں نظر آ رہی تھیں۔ الماریوں میں ان گنت دراز نظر آ رہے تھے۔ میں نے ایک دراز کھینچ کر باہر نکالا...... تو اندر...... کئی موٹی موٹی فائلیں نظر آئیں...... میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا...... اور میں جلدی جلدی...... ایک ایک فائل کو کھول کر پڑھنے لگا۔

ایک فائل پر...... سیکرٹ آپریشن تحریر تھا...... میں نے اسے کھولا تو...... میری آنکھیں پھیل گئیں...... اس فائل میں پاکستان کے متعلق...... تفصیل کے علاوہ ایڈوانس اور پری پلاننگ (Pre Planning) کی بھی مفصل رپورٹ اور...... ڈیتھ سرکل کے ٹھکانوں کے بارے میں ساری معلومات درج تھیں۔

باقی فائلیں میرے کام کی نہ تھیں...... میں نے اس اہم فائل کے اندر سے تمام کاغذات نکالے اور قمیص کے اندر بنیان کے نیچے چھپا لئے۔ اور خالی فائل کو چند دوسری غیر ضروری فائلوں کے کاغذات نکال کر پر کیا...... پھر دراز بند کر کے جلدی سے باہر راہداری میں آ گیا...... اور تیز تیز قدموں سے زینے کی طرف بڑھا۔

اچانک میں ٹھٹک کر رک گیا...... زینے سے...... ایک اہلکار نیچے بیسمنٹ میں اتر رہا تھا۔

اس نے میری طرف دیکھا۔ میں جلدی سے خالی ٹرے ہاتھ میں تھام کر زینے چڑھنے لگا۔

وہ میرے قریب پہنچا تو ذرا رک کر بغور میری طرف گھورتے ہوئے کرخت لہجے میں بولا۔ ''تم نیچے کیوں گئے تھے......؟''

''سر...... میں کرنل صاحب کی برانڈ کی وائن اور...... جائنٹ پیس دینے گیا تھا۔'' میں نے فوراً جواب دیا اور وہ مطمئن ہو کر نیچے اتر گیا۔ میں نے اطمینان کی سانس لی اس کے بعد عمارت سے باہر آ گیا۔

کامیابی کے جوش سے میرا دل سینے میں بے طرح دھڑک رہا تھا۔

اب میں چاہ رہا تھا کہ...... جلد از جلد یہ تقریب اختتام کو پہنچے اور میں ہوٹل پہنچ کر چرائی ہوئی فائل کا بغور مطالعہ کروں۔

تقریب...... حسب معمول رات گئے تک جاری رہی۔ اس دوران میں نے مقدور بھر...... اچھی طرح گھوم پھر کر...... عمارت کے محل وقوع کا جائزہ لے لیا تھا۔

یہاں صرف...... کرنل آر ڈی گپتا ہی رہتا تھا...... اور دیگر اس کے اہلکار تھے جن کی تعداد...... پندرہ سولہ سے زیادہ نہ تھی۔ کرنل کا ایک قریبی ساتھی...... کیپٹن مرلی سکینہ بھی ہوتا تھا...... باقی دیگر آفیسرز...... کا تعلق یہاں سے نہ تھا...... وہ یہاں محض کرنل گپتا کی دعوت عیش پر آئے تھے۔ ان کی جیپس بھی باہر عمارت کے احاطے میں موجود تھیں۔

وقت گزر رہا تھا اور میری مضطربانہ بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ مجھے ہر لحہ یہی دھڑکا لگا ہوا تھا...... اگر کسی اہلکار نے ریکارڈ روم میں داخل ہو کر...... اس سیکرٹ فائل کو چیک کر لیا تو...... میں سنگین مشکل سے دوچار ہو سکتا تھا...... بہرطور...... سارے آفیسرز...... نشے میں ٹن تھے...... اور اپنی اپنی حسیناؤں کو بغل میں دبائے...... عمارت کے اندر اپنے کمروں میں چلے گئے۔ باہر موجود چوکس کھڑے اہلکاروں نے بھی...... ایک دو پیگ چڑھا لئے تھے۔ بالآخر...... خاصی دیر بعد...... ہماری واپسی کا حکم ہوا۔

ہم سب سامان اور دیگر کراکریاں وغیرہ سمیٹے...... وین میں آ بیٹھے۔ میں نے بھی لوٹتے سے گہرے اطمینان کا سانس لیا۔

☆......☆......☆

ہوٹل پہنچے تو سارے ویٹر...... شبینہ ڈیوٹی کی وجہ سے بری طرح تھکے ہوئے تھے...... مگر...... ہیڈ ویٹر پومیاں نے انہیں آرام کرنے سے پہلے...... اپنی کمیشن وصول کی میں نے بھی اسے اپنے حصے کی ٹپ سے کمیشن دی۔ اس کے بعد کچھ ویٹر تو وین میں ہی اپنے گھروں کو لوٹ گئے جبکہ...... کچھ وہیں لابی میں بچھے صوفوں پر ڈھیر ہو گئے...... میں سروس روم میں آ گیا۔

میں نے سب سے پہلے...... دروازے کو اندر سے لاک کیا...... پھر قمیص کے بٹن کھول کر اندر سے سیکرٹ فائل کے کاغذات باہر نکال لئے...... اور...... میز پر پھیلا کر ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔

وہ پورے...... پچیس تیس صفحات پر مشتمل فائل کے کاغذات تھے...... اب میں نے پہلے صفحے سے فائل کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ پھر جیسے جیسے میں پوری فائل کا مطالعہ کرتا چلا گیا...... میرے دل کی دھڑکنوں میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جوش سے میرا رواں رواں کانپنے لگا۔ چہرہ سرخ ہو گیا...... رگوں میں خون کی گردش تیز تر ہونے لگی...... سینہ جیسے بھٹی بن گیا۔

اس فائل کے دو حصے تھے...... پہلے حصے میں وطن عزیز سے متعلق ناپاک سازش کے تار و پود Pre Planning کی صورت میں بنائے گئے تھے۔ دوسرے حصے میں...... ڈیتھ سرکل کے ان خفیہ سکواڈز کی تفصیل تھی جو مختلف صورت و حالات میں...... وطن عزیز کے خلاف اپنی ناپاک سازشوں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف کار تھے۔

ڈیتھ سرکل کو تین سکواڈز میں تقسیم کر رکھا تھا...... اور اس طرح ان کے تین اہم ٹھکانے تھے جن کے خفیہ نام اور پتے بمعہ نقشوں اور محل وقوع کے درج تھے۔ ان کے نام و پتے بالترتیب...... زیرو ون...... زیرو ٹو...... اور زیرو تھری تھے۔ ایک اہم ٹھکانہ...... زیرو ون تو یہی تھا...... جس کی کمانڈ کرنل آر ڈی گپتا کے سپرد تھی...... دوسرا ٹھکانہ زیرو

ٹو......ستیاپال کا تھا جسے میں تباہ کر چکا تھا جبکہ تیسرا ٹھکانہ زیرو تھری...... خلیج کھمبات میں تھا......اس کی کمانڈنگ ایک میجر آر پی چوپڑا کر رہا تھا۔

اس کے علاوہ......''را'' کے اہم ٹھکانے کی بھی نشاندہی کی گئی تھی...... جہاں سے ڈیتھ سرکل کی داغ بیل ڈالی گئی تھی......''را'' کا وہ......ایک ونگ سرکل تھا جس کے ذمے خصوصی طور پر......ڈیتھ سرکل کے ان تینوں (اب دونوں) یعنی زیرو ون اور زیرو تھری کے ٹھکانوں کو ہدایات دینا تھیں۔

یہ مذکورہ ونگ ''را'' کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا...... اگر میں اس ونگ کو نابود کر دیتا تو......''را'' کی پوری بدنام زمانہ تنظیم...... پورے بیس سال پیچھلے چلی جاتی۔ اس کے تباہ ہونے سے اسے زبردست نقصان پہنچتا......مگر ''را'' کے اس ونگ کے ہیڈکوارٹر کے پتہ کی کہیں بھی نشاندہی نہیں کی گئی تھی۔ کہ آیا اس ونگ کا ہیڈکوارٹر کہاں تھا...... تاہم...... فائل کے مطالعے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے ہیڈکوارٹر کی نشاندہی......ڈیتھ سرکل کے خفیہ ٹھکانے......زیرو تھری میں موجود تھی۔ فائل کو میں نے کئی بار بغور پڑھا......اس کے اہم مندرجات اور نقشوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد......میں نے اسے جلا ڈالا۔

پھر اس کی راکھ...... سنک میں بہانے کے بعد...... میں نے ویٹروں والی وردی اتاری اور......دوسرے کپڑے پہن کر بستر پر دراز ہو گیا...... البتہ اس سے پہلے میں نے دروازے کا لاک اوپن کر دیا تھا......

☆......☆......☆

اگلے دن مجھے کسی نے نہیں جگایا تھا۔ دن چڑھے میں سوتا رہا...... میری خود ہی آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کمرے میں ایک دوسرے بیڈ پر شنکر بھی تھکا بے سدھ لیٹا ہوا تھا۔

معاً......انٹرکام کا بزر گونجا...... میں نے اٹھ کر ریسیور کان سے لگایا۔

''ارے یار......اشوک!......کیا ابھی تک تیری نیند پوری نہیں ہوئی......؟''

دوسری طرف سے ہیڈ ویٹر پپومیاں کی دوستانہ آواز ابھری۔

''میں جی ابھی تیار ہو کر آتا ہوں......کل ذرا......تھکاوٹ ہو گئی تھی۔'' میں

نے کہا۔

''ہاں......ہاں......اسی لئے تو میں نے تمہیں نہیں جگایا تھا اور ہاں......کیا شنکر بھی وہیں موجود ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں......وہ بھی ادھر ہی لیٹا ہوا ہے۔''

''ٹھیک ہے اسے بھی اٹھا دو۔''

''اوکے سر......''

اس کے بعد میں نے شنکر کو جگایا۔ ہم دونوں نہا دھو کر تیار ہوئے۔ اس کے بعد ہوٹل کے کچن میں جا کر کھانا کھایا اور وردی پہن کر سیدھے......کاؤنٹر پر آ گئے۔ ہیڈ ویٹر پپومیاں ہمیں کمروں کی سروس کیلئے نمبر سونپنے لگا۔ اس کے بعد میں اپنے معمول کے کاموں میں لگ گیا۔

میں نے کن انکھیوں سے......منیجر موہن داس کے کمرے کی طرف دیکھا تھا جو بند تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ......وہ......ابھی تک ڈیوٹی پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

میرے دل کو بے چینی نے آ لیا تھا۔ میرے ٹھٹکے ہوئے دل میں سب سے پہلا خدشہ جو ابھرا تھا...... وہ یہی تھا کہ کہیں کم بخت منیجر موہن داس...... میرے دیئے ہوئے فرضی نام پتے کا کھوج نہ لگا رہا ہو......؟ اگر میرا یہ جھوٹ کھل جاتا تو میں بڑی مشکل صورتِ حالات سے دوچار ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ ڈیتھ سرکل کے زیرو ون کی عمارت سے......وہ سیکرٹ فائل اڑانے کے بعد میں اس وقت بہت خطرناک صورتحال سے گزر رہا تھا۔

ایسے میں......اگر منیجر موہن داس میری طرف سے تشکیک میں مبتلا ہو جاتا تو میں ٹارگٹ بن سکتا تھا۔

میرا اگلا قدم......اب...... ڈیتھ سرکل کے اس ٹھکانے زیرو ون کو کرنل گپتا سمیت......تباہ و برباد کرنا تھا۔ لیکن سب سے پہلے...... مجھے منیجر موہن داس کا سامنا کرنا تھا۔ رہی بات یہ کہ...... گزشتہ شب میرا زیرو ون سے وہ سیکرٹ فائل اڑانے کے بعد......آیا کرنل گپتا کو کب علم ہوتا تھا......؟ یہ حالات پر منحصر تھا......مگر میں زیادہ دیر اس خوش فہمی میں نہیں پڑنا چاہتا تھا کہ کرنل گپتا کو اس اہم فائل کے زیرو ون سے غائب

ہونے پر کئی روز تک معلوم نہ ہو سکے گا......؟ کیوں کہ سیکرٹ فائل ہی کی بنیاد پر وہ میرے وطن کے خلاف ناپاک سازشوں کے جال بننے میں مصروف کار تھا......اب اس کے غائب ہونے پر یا تلف ہونے کے بعد...... انہیں دوبارہ یہ فائل نئے سرے سے ترتیب دینے پر کافی دن' ہفتے اور مہینے بھی لگ سکتے تھے۔ یقیناً اس اہم فائل کے غیاب پر...... ڈیتھ سرکل میں ہی نہیں بلکہ ''را'' والوں میں بھی تھرتھلی مچنا لازمی تھا۔ را کی تو یہ سوچ کر ہی نیندیں حرام ہو جاتیں کہ......کوئی جیالا...... سرفروش...... ان کی بیخ کنی کیلئے......میدان کارزار میں کود پڑا ہے۔

اگرچہ ستیاپال والا...... زیروٹو...... ٹھکانے کا میرے ہاتھوں نیست و نابود ہونے کے بعد...... انہیں کافی حد تک یقین ہو چکا ہوگا...... مگر...... باوجود اس کے...... شاید ابھی ڈیتھ سرکل ''را'' والوں کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ میں یہاں تک بھی آن پہنچا ہوں۔

میں ان پر اب تک کامیابی کے ساتھ کئی خفیہ ضربات لگا چکا تھا۔ ان میں غدارِ وطن...... سلطان جہانزیب کی موت...... پھر راجہ پٹیل' سنیل اور زیروٹو کے ستیاپال کو نابود کرنا......اور اب...... زیرو ون سے سیکرٹ فائل اڑانا......

اب......عنقریب میں......کرنل گپتا کو اس کے ٹھکانے...... زیرو ون سمیت نیست و نابود کرنے کا مصمم ارادہ کیے ہوئے تھا۔

مجھے یہ کام بہت جلد نمٹانا تھا۔ اس کی پلاننگ مجھے آج رات ہی کرنا تھی۔

مگر...... میں ابھی منیجر......موہن داس کی طرف سے بری طرح خدشات اور پریشانی کا شکار تھا۔ یہی ایک واحد شخص تھا جو کسی وقت بھی میرے اس اہم ترین مشن کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ بن سکتا تھا۔

شام کے چھ بج گئے......مگر...... منیجر موہن داس نہ آیا...... میں نے سرسری طور پر شنکر سے پوچھا۔

''یار......کیا بات ہے......آج منیجر صاحب نہیں آئے......؟''

''تمہیں کیوں چنتا ہو رہی ہے اس نامراد کی......اچھا ہی ہے نہیں آیا......'' شنکر نے خار کھائے لہجے میں کہا۔ وہ سب اس سے خار ہی تو کھاتے تھے۔

''بس ویسے ہی......'' میں نے کان کھجاتے ہوئے کہا اور پھر کام میں مگن ہو گیا تھا۔

رات دس بجے کے بعد میری ڈیوٹی آف ہوتا تھی...... اور میں نے دس بجے کے بعد ہی...... زیرو ون کی طرف فیصلہ کن اور جنگی پیش قدمی کرنا تھی۔ میں تنہا تھا...... اس لئے......دشمن پر وار کرنے کی میری منصوبہ بندی بھی اس کے مطابق ہونی تھی...... بوقت ضرورت...... مجھے دوبدو بھی لڑنا تھا......مگر...... دشمنوں کے خلاف میرا لائحہ عمل عموماً کمانڈو ایکشن ہی ہوتا تھا۔ ٹھیک دس بجے جب میں کاؤنٹر پر شنکر کے ساتھ...... ہیڈ ویٹر پپو میاں سے باتوں میں مشغول تھا کہ اچانک میری نظر...... نکاس والے دروازہ پر پڑی۔ دروازے پر نصب شیشے کے پار میری نظر تین عدد بھاری بھرکم اور چوڑے ٹائروں والی جیپوں پر پڑی......اور میں بری طرح چونک پڑا۔

تینوں جیپیں ڈیتھ سرکل زیرو ون کے وردی پوش مخصوص اہلکاروں کی تھیں اور سب پھرتی کے ساتھ...... جیپوں سے کدکڑے مارتے سارے نیچے اترے۔ کچھ اہلکاروں نے آناً فاناً پورے ہوٹل کو گھیرے میں لے لیا جبکہ باقی گنیں سنبھالے...... دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوئے......میری رگوں میں خون منجمد ہونے لگا...... ہم تینوں ہی چونک پڑے۔

''اسی وقت ان سارے ویٹروں کو اکٹھا کرو...... جلدی......نو کوئسچن...... اٹ از ایمرجنسی...... ہری اپ......مسٹر......'' ایک لمبے تڑنگے اہلکار نے ہیڈ ویٹر پپو سے جوش میں تحکمانہ لہجے میں کہا...... پھر تو جیسے پورے ہوٹل میں کھلبلی مچ گئی۔

مجھے اور شنکر کو پہلے ہی پکڑ کر...... جیپ میں سوار کرا لیا گیا تھا......نصف گھنٹے کے اندر اندر...... ان سارے ویٹروں کو آناً فاناً گرفت میں لے لیا گیا تھا جنہوں نے گزشتہ شب ڈیتھ سرکل زیرو ون میں...... پارٹی سرو کی تھی۔

سارے ویٹرز اور ہوٹل کا عملہ حیران و پریشان تھا...... کسی کو بھی کچھ پوچھنے سے سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی تھی۔

میں خود سناٹے میں آ گیا تھا...... کیوں کہ...... اس افراتفری کا سبب میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ یقیناً...... پکڑ دھکڑ...... سیکرٹ فائل کے غائب ہونے کا پتہ

چلنے کے بعد ہی فوری طور پر عمل میں لائی گئی تھی۔ اگر چہ پریشان میں بھی تھا...... مگر...... مجھے کسی حد تک اطمینان بھی تھا کہ...... یہ میرا ابھی کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے تھے...... کیوں کہ...... وہ فائل میں نے انتہائی رازداری کے ساتھ اڑائی تھی۔ دوسرے یہ کہ اب میں اس فائل کو...... جلا کر ہمیشہ کیلئے تلف کر چکا تھا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ...... ہوٹل کے ایک ایک کمرے کی اور گوشے گوشے کی تلاشی بھی لی جا رہی تھی...... بہر حال...... خطرہ...... میرے سر پر منڈلا رہا تھا۔

ہمیں...... جیپوں میں سوار کروانے کے بعد آندھی طوفان کی طرح...... ڈیتھ سرکل زیرو ون کی عمارت کے ایک بڑے...... ہال کمرے میں لا کر...... ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ ہم ویٹروں کی تعداد...... کل...... سترہ کے قریب تھی۔ ان میں ہیڈ ویٹر پپو میاں بھی شامل تھا۔ میرا دل انجانے اندیشوں کے مارے بری طرح دھڑ دھڑا رہا تھا...... نصف گھنٹے کے اندر اندر...... ہوٹل کے منیجر موہن داس اور مالک...... دھنپت رائے کو بھی وہاں بلا لیا گیا تھا...... انہیں البتہ ہمارے ساتھ قطار میں کھڑا کرنے کے بجائے...... کرسیوں پر بٹھا دیا گیا۔

ہوٹل کا مالک دھنپت رائے...... ایک فربہی مائل شخص تھا...... اور خاصا پریشان اور متوحش سا نظر آ رہا تھا۔ صورت سے ہی وہ مجھے ڈرپوک اور تھڑدلا نظر آ رہا تھا...... اس کی آنکھیں نیم غنودہ سی نظر آ رہی تھیں۔ اسے شاید گہری نیند سے بیدار کیا گیا تھا جبکہ اس کے برعکس...... منیجر موہن داس بھی اگر چہ خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا مگر...... اس کے چہرے پر گہری متانت آمیز پرسوچ خاموشی کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ...... وہاں کھڑے باری باری...... سارے ویٹروں کے حیران و پریشان چہروں کو بغور دیکھ رہا تھا جبکہ میرے چہرے پہ بار بار...... اس کی نظریں اٹھ رہی تھیں۔

ہال کمرے میں اعصاب شکن خاموشی کا راج تھا...... اندر...... چھ سات مسلح اہلکار نیم دائرے کی صورت چوکنا انداز میں مستعد کھڑے تھے۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا...... کسی کو بھی ابھی تک کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی...... کہ آخر یہ معاملہ کیا تھا......؟

ذرا دیر بعد...... کرنل گپتا...... اپنے دو مسلح اہلکاروں کے ساتھ اندر داخل

ہوا...... اسے دیکھ کر جانے کیوں میری رگوں میں خون کی گردش یکلخت تیز تر ہونے لگی تھی۔

''گپتا...... یہ...... یہ...... یہ...... سب کیا ہے؟ خیریت تو ہے ناں...... کچھ تو بتاؤ یار......؟ میں تمہارا دوست ہوں۔'' کرنل گپتا کے اندر داخل ہوتے ہی...... ہوٹل کے مالک دھنپت رائے سے نہ رہا گیا اور وہ شدید پریشان کن مضطربانہ انداز میں کھڑے ہو کر اپنے دوست...... کرنل گپتا کو مخاطب کر کے بولا۔

''دھنپت رائے! تمہارے ویٹروں کے بہروپ میں...... ایک غیر ملکی جاسوس...... ہمارے ٹھکانے میں داخل ہوا ہے......'' کرنل گپتا کی آواز خاصی گونجدار تھی...... وہ اپنے سامنے کھڑے ویٹرز کے ایک ایک چہرے کو بغور تکتے جا رہا تھا...... اس کی بات پر دھنپت رائے کے چہرے کا رنگ یکدم پیلا پڑ گیا۔

''وہ کچھ کہنا چاہتا تھا...... مگر...... اپنی جیب سے رومال کو نکال کر اپنی دور تک پھیلی ہوئی پیشانی نما گنج پر پسینے کی بوندوں کو پونچھتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

اب تو میری طرح دیگر ویٹروں کی بھی حالت' کرنل گپتا کے اس چونکا دینے والے انکشاف پر غیر ہونے لگی تھی۔

''مم...... مگر...... گپتا...... یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟ میرے ہوٹل کا ہر آدمی قابل اعتبار...... اور محب وطن ہے...... اور یہ تو پہلے بھی تم لوگوں کی خدمت کرتے رہے ہیں......؟''

بالآخر دھنپت رائے سے نہ رہا گیا۔

''منیجر......'' معاً کرنل گپتا نے اپنے دوست کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ تو منیجر موہن داس یکدم اٹھ کھڑا ہوا اور مودبانہ بولا۔

''یس سر......''

''تم نے کوئی نیا ویٹر یا آدمی بھرتی کیا تھا......؟'' کرنل گپتا نے تیز لہجے میں اس سے پوچھا...... اور میری کنپٹیاں سنسنانے لگیں۔ اس کے استفسار پر...... اس نے پہلے میری طرف دیکھا اور پھر شاید صورتحال کی خطرناکی کو بھانپتے ہوئے اس نے...... اپنی جان چھڑاتے ہوئے ہمارے ساتھ کھڑے ہیڈ ویٹر...... پپو کی طرف دیکھ کر اسے

مخاطب کیا۔

''پپو......تم نے پچھلے دنوں کسی آدمی کو بھرتی کیا تھا......؟''

پپو میاں کے پسینے چھوٹنے لگے...... مجھے پورا یقین تھا کہ...... وہ لامحالہ میرا ہی نام پکارے گا......مگر......دوسرے ہی لمحے میں حیران رہ گیا...... جب اس نے فوراً انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواباً کہا۔

''نن......نہیں......تو......''

''گویا......منیجر موہن داس کی طرح......اس نے بھی صورتحال کی سنگینی کو فوری بھانپتے ہوئے جان چھڑانے کی کوشش کی تھی...... دونوں کا یہ ردعمل فطری تھا...... وہ دونوں شاید میرا نام پکار کر...... اپنے گلے میں کسی مصیبت کا طوق نہیں باندھنا چاہتے تھے......میں نے بھی بے اختیار سکھ کی سانس لی۔

تب پھر ہوٹل کا مالک دھنپت رائے' جس میں اب دوبارہ اٹھ کر کھڑے ہونے کی سکت نہیں رہی تھی...... کرنل گپتا سے بولا۔

''گپتا......آخر ہوا کیا ہے......؟ کھل کر کیوں نہیں بتاتے......؟''

اس کے اندازِ تخاطب سے معلوم ہوتا تھا کہ...... دونوں میں خاصی بے تکلفانہ حد تک دوستی تھی۔

''مسٹر رائے! ہمارے ریکارڈ روم سے بہت ہی اہم نوعیت کی فائل غائب کر دی گئی ہے......اور ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ کام......تمہارے انہی ویٹروں کے بھیس میں کسی پاکستانی جاسوس نے کیا ہے......؟'' کرنل گپتا نے اس سے سرسراتے لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے سے حد درجے پریشانی...... اور اس سے کہیں زیادہ غیظ نمایاں تھا...... وہ اب تک ہم لوگوں کے ایک ایک چہرے کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

''کیا ضروری ہے کہ...... یہ چوری...... میرے آدمیوں میں سے کسی نے کی ہو......؟'' دھنپت رائے نے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں دھنپت رائے......نہیں......'' کرنل گپتا شعلہ فشاں لہجے میں بولا۔

''میری اجازت کے بغیر ایک پرندہ بھی یہاں پر مارنے کی جرأت نہیں کر سکتا......تم اب خاموش بیٹھے دیکھتے جاؤ کہ...... میں چور کو کس طرح پکڑتا ہوں......''

کرنل گپتا نے آخر میں اسرار بھرے لہجے میں کہا اور مجھے اس کے یقین بھرے لہجے پر اپنی ریڑھ کی ہڈی میں موت کی سرسراہٹ سی ہوتی محسوس ہونے لگی۔

''فنگر پرنٹس سکینر لاؤ'' اس نے گونجدار آواز میں اپنے ایک اہلکار سے تحکمانہ کہا۔

اور...... میری رگوں میں لہو...... منجمد ہونے لگا...... مجھے اب اپنی یقینی اور عبرت ناک موت صاف نظر آنے لگی تھی...... میرے فنگر پرنٹس یہ لوگ پہلے ہی ریکارڈ روم کی درازوں سے حاصل کر چکے ہوں گے......اب......محض موازنہ کرنا باقی تھا۔

میں بھی اب اللہ کو یاد کر کے تن بہ تقدیر ہو گیا تھا۔ فنگر پرنٹس سکینر اور...... کیمیکل باکس لایا گیا......

پھر باری باری سارے ویٹروں کے فنگر پرنٹس لیے جانے لگے اور وہیں کھڑے کھڑے......دو اہلکاران کا موازنہ کرتے......دوسرے کی طرف بڑھ جاتے...... اب کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا......آر یا پار......ادھر یا ادھر......زندگی یا موت......

جب میری باری آئی اور وہ دونوں مسلح اہلکار میرے قریب آئے پھر مجھے...... اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو سکینر ڈسک پر رکھنے کا حکم دیا تو......میں نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ......دونوں ہاتھوں سے سکینر تھامے ہوئے اہلکار کی پشت سے سٹین گن جھپٹ کر اتار لی......اور پھر سب سے پہلے اپنے سامنے کھڑے ان دونوں اہلکاروں کی طرف نال کا رخ کر کے لبلبی دبا دی۔

سٹین گن کی نالی زور سے دھاڑی وہ دونوں کریہہ چیخوں کے ساتھ ڈھیتے چلے گئے۔ یہ سب اس قدر تیزی سے ہوا تھا کہ......کرنل گپتا سمیت وہاں موجود...... دیگر اہلکاروں کو چند ثانئے کیلئے تو...... سمجھنے یا سنبھلنے کا موقع تک نہ مل سکا تھا اور جب تک حقیقت ان پر منکشف ہوتی...... میں ان کو بھی نشانے میں لے چکا تھا کیوں کہ میں نے ابھی تک ٹرائیگر سے اپنی انگلی نہیں ہٹائی تھی......نتیجتاً وہ سب موت کا رقص کرتے ہوئے ڈھیر ہوتے چلے گئے...... کرنل گپتا کا ناپاک وجود بھی گولیوں سے چھلنی ہو کر......گر چکا تھا۔

وہاں...... موجود......ویٹر...... منیجر اور ہوٹل کا مالک دھنپت رائے مجھے یوں

دہشت زدہ نظروں سے دیکھنے لگے...... جیسے میں کوئی خونخوار عفریت تھا...... میں نے چشم زدن میں ایک اہلکار کی لاش سے گولیوں کی بیلٹ اٹھائی...... اور چند ہینڈ گرنیڈ جیب میں ڈالے' ایک ہاتھ میں پکڑا اور...... باہر کو دوڑا۔

راہداری میں آیا تو عقب میں بھاری بوٹوں کی دھمک سنائی دی...... میں نے پلٹ کر دیکھا تو...... پانچ' چھ مسلح اہلکار دوڑتے دکھائی دیئے۔ میں نے انہیں سنبھلنے بھی نہ دیا...... ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہینڈ گرنیڈ کی دانتوں سے پن نکال کر ان پر اچھال دیا...... اور خود چکنے فرش پر لیٹ گیا...... ایک سماعت شکن دھماکہ ہوا اور...... کئی دلخراش چیخیں ابھریں...... میں اٹھ کر ریکارڈ روم کی طرف دوڑا...... جیب سے باقی ماندہ ہینڈ گرنیڈ نکال کر...... دانتوں سے ان کی پنیں کھینچیں اور اندر اچھال دیئے۔ خود آندھی طوفان کی طرح دوڑتا ہوا عمارت سے باہر آ گیا۔

میرے عقب میں کئی پے در پے دھماکے ہونے لگے۔ میں رکا نہیں...... تاریک جنگل کی طرف دوڑتا چلا گیا...... ذرا دور جا کر...... عقب میں دیکھا تو...... ہوٹل کا سارا عملہ چیختا چلاتا بدحواسی کے عالم میں دوڑتا ہوا عمارت سے باہر کو دوڑ رہا تھا...... عمارت نے دھڑا دھڑ آگ پکڑ لی۔

میں نے دشمنوں کا دوسرا ٹھکانہ...... ڈیتھ سرکل زیرو ٹو کے بعد...... زیرو ون بھی تباہ کر ڈالا تھا۔

میں پھر رکا نہیں...... میں نے سٹین گن وہیں جنگل میں پھینکی اور جتنی تیز دوڑ سکتا تھا...... دوڑتا چلا جا رہا تھا...... میرا رخ...... سڑک کی جانب تھا۔

☆......☆......☆

میری اب کوشش تھی کہ جتنی جلد ہو سکے...... بڑودہ سے نکل جاؤں...... آپریشن بڑودہ کامیابی سے ہمکنار ہو چکا تھا...... میں سڑک پر پہنچا اور کنارے کنارے متوازی چلنے لگا۔

میری سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں...... میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا...... اپنی بے ترتیب سانسیں بھی درست کرنے کی کوشش کرتا جا رہا تھا۔

کافی دور نکل آنے کے بعد اچانک عقب میں کسی گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس

دکھائی دیں۔

میں چونک کر رک گیا...... روشنی ذرا قریب آئی تو میں ٹھٹکا وہ کوئی مسافر لاری تھی...... میں نے اسے ہاتھ دے دیا۔

لاری میرے قریب ہی رک گئی...... وہ بڑودہ سے آ گئے...... رام پور جا رہی تھی۔ میں لپک کر اس میں سوار ہو گیا...... میرے جسم پر ہنوز ویٹروں والی وردی تھی۔

میں ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گیا...... بیشتر مسافر سیٹوں کی پشت گاہ سے سر ٹکائے اونگھ رہے تھے۔ بس کا ٹرمنس رام پور کا ہی تھا۔

رات تقریباً ایک بجے بس نے...... رام پور کے آخری سٹاپ پر سارے مسافروں کو اتار دیا۔ وہاں...... زیادہ تر...... تانگے والے کھڑے تھے...... ٹیکسی اور رکشا...... اکا دکا ہی نظر آ رہے تھے...... رام پور زیادہ بڑا شہر نہ تھا...... بلکہ شہر کیا تھا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا...... میں ایک تانگے میں سوار ہو گیا...... اور تانگے والے کو ریلوے سٹیشن چلنے کا کہا۔

"بابو جی...... آپ کو جانا کہاں ہے......؟" تانگہ بان نے گھوڑے کو ٹٹکارتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "بابا...... مجھے خلیج کھمبات جانا ہے...... مل جائے گی اس وقت کوئی ٹرین......؟" میں نے پوچھا تو...... وہ ہنس کر بولا۔ وہ ایک ضعیف آدمی تھا۔

اسی لئے تو...... میں نے پوچھا تھا کیوں کہ اس وقت کوئی ٹرین تو کیا...... ریل کار بھی کہیں نہیں جاتی...... اب صبح ہی کوئی ٹرین ملے گی۔"

"اچھا......" میں سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

"اچھا پھر تم ایسا کرو...... کسی چھوٹے موٹے سستے سے ہوٹل میں لے چلو۔"

"آپ ایسا کیوں نہیں کرتے...... میرے ہاں چلے چلو...... میری کھولی میں رات بسر کرنے کو جگہ مل سکتی ہے۔"

"تمہیں تکلیف نہ ہو......؟" میں نے کسر نفسی سے کہا۔

"نہیں جی...... آپ چلیں میرے ساتھ...... بس ایک رات ہی کی تو بات ہے......" وہ فراخ دلی سے بولا۔ اور میں اس کے حسن سلوک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ

سکا۔

اس کی کھولی ایک کچی آبادی میں تھی۔ جو ریلوے سٹیشن کے پار ہی تھی۔

مگر...... میں نے محسوس کیا کہ اس کی کھولی آبادی سے...... ذرا الگ تھلگ اور...... قدرے دور تھی۔ وہاں آس پاس سرکنڈے اور خودرو گھاس اگی ہوئی تھی۔

مدھم سی چاند کی روشنی میں ایک بل کھاتے ناہموار راستے پر تانگہ چلا جا رہا تھا...... پھر ایک گارے مٹی والے کچے مکان کے دروازے کے سامنے رک گیا۔

''بابو جی...... آ گیا میرا غریب خانہ......'' وہ بولا اور میں تانگے سے نیچے اتر آیا۔

وہ لگام باندھ کر نیچے اترا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''بابا...... ایک بات تو بتاؤ...... تم نے آخر آبادی چھوڑ کر اس ویرانے میں اپنا گھر کیوں بنایا ہے؟'' مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے پوچھ ہی لیا۔

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''بابو جی یہاں بھی کسی زمانے میں بڑی آبادی تھی ...... مگر...... آہستہ آہستہ...... یہاں سے لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔''

''کیوں......؟'' میں نے قدرے چونک کر بے اختیار پوچھ لیا۔

''بس ایسے ہی...... لوگوں کی مرضی۔'' اس نے عجیب سے گول مول انداز میں جواب دیا اور دروازے پر دستک دی...... ذرا دیر بعد دروازہ کھلا۔

سامنے ایک بڑھیا کھڑی نظر آئی...... وہ شاید اس کی بیوی تھی...... اس کے چہرے پر جھریوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا...... آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں...... بال سفید اور کھچڑی سے تھے۔

مجھے دیکھ کر اس کی پتھرائی ہوئی سی آنکھوں میں اچانک ایک چمک سی بیدار ہوئی تھی۔ جسے میں کوئی معنی پہنانے سے قاصر ہی رہا تھا۔

''ہٹ جا آگے سے...... مہمان آیا ہے......'' وہ اپنی بیوی سے بولا اور وہ بڑھیا ایک طرف ہو گئی۔

''چلیں بابو جی اندر......'' وہ بولا اور میں جھکی جھکی چوکھٹ سے اندر داخل ہو گیا۔ میں مختصر سے صحن میں گیا۔ گھر زیادہ کشادہ نہ تھا۔ سامنے دو کوٹھڑی نما کمرے ساتھ

ساتھ بنے نظر آ رہے تھے جن کے سامنے چھپر نما سائبان کے ایک بدنما بانس سے جھولتی لالٹین کی یرقان زدہ سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

یہاں عجیب سی خاموشی اور ویرانی طاری تھی بلکہ منحوسیت کہنا زیادہ بہتر تھا......

دوسرے کمرے میں شاید ان کی کوئی بیٹی یا بیٹا موجود تھا......؟ مگر میں یہ دیکھ کر ٹھٹکا کہ...... ایک کمرے کا دروازہ تو کھلا تھا جو شاید ان دونوں میاں بیوی کا تھا مگر...... دوسرے کھولی نما کمرے کے دروازے کو باہر سے کنڈا چڑھایا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہ دونوں میاں بیوی یا تو بے اولاد تھے یا پھر...... تنہا ہی رہتے تھے۔

بہر طور...... وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے آیا۔ یہاں ایک جھلنگا سی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔

''بابو جی...... تم نے تھوڑا بہت بھوجن کرنا ہے تو......''

''نہیں...... اس کی ضرورت نہیں...... بس تمہاری یہی مہربانی ہے کہ میں رات گزار لوں پھر...... صبح سویرے سٹیشن کی راہ لوں۔'' میں نے کہا پھر پوچھا۔

''کیا آپ دونوں یہاں اکیلے رہتے ہیں...... میرا مطلب ہے کوئی بال بچہ......؟''

''نہیں بابو جی...... ہم میاں بیوی اکیلے ہی رہتے ہیں......'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا اور پھر جلدی سے واپس لوٹ گیا۔ مجھے نجانے کیوں یہاں عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ میں جن مخدوش حالات سے گزر رہا تھا اس نے میری چھٹی حس کو بہت تیز کر دیا تھا...... یہاں نجانے کیوں بار بار میری چھٹی حس ایک عجیب اور پراسرار سے خطرے کا آلارم بجا رہی تھی۔

یوں بھی میں نے یہاں ایک عجیب سی پراسرایت محسوس کی تھی۔

خیر...... میں نے کونسا یہاں برسوں قیام کرنا تھا...... صبح تڑکے چلے ہی تو جانا تھا...... ہو سکتا ہے...... یہ میرا وہم ہو...... میں چارپائی پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا...... مگر جانے کیوں میرے دل کو نامعلوم سی بے چینی نے جکڑ رکھا تھا...... مگر میں باوجود اس انجانی بے کلی کے سونے کی کوشش کرنے لگا...... اور نجانے رات کے کس پہر میری آنکھ لگ گئی۔

میری نیند ابھی شاید کچی تھی کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی...... پھر جلد ہی مجھے پتہ چلا کہ...... میری آنکھ کچی نیند کی وجہ سے نہیں کھلی تھی...... بلکہ...... میرے وجود کے گرد بندھی ہوئی وہ رسیاں تھیں جو چارپائی سمیت کس کر لپیٹی گئی تھیں۔

رسیاں پیٹ اور سینے کی طرف بندھی ہوئی تھیں۔

میں بری طرح چونکا...... میرے سامنے وہ دونوں ضعیف العمر پراسرار میاں بیوی کھڑے تھے...... ان کے جھریوں بھرے چہروں پر...... شیطانی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

بوڑھے نے لالٹین پکڑ رکھی تھی۔

''یہ...... یہ...... کیا حرکت ہے...... مم...... مجھے رسیوں سے کیوں اس طرح باندھا ہے؟'' میں نے غصے سے سرخ ہو کر ان سے پوچھا۔

''ہا...... ہا...... ہا...... تم ہمارا...... پانچواں شکار ہو......'' وہ تانگے والا پراسرار بوڑھا اپنی آنکھیں پھیلاتے ہوئے پراسرار سنسنی بھرے لہجے میں بولا اور میرے رگ و پے میں سرسراہٹ سی طاری ہونے لگی۔ ان بدبختوں نے مجھے دھوکے سے گہری نیند میں ہی رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا تھا مگر میں اس کی ''پانچواں شکار'' والی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا...... اور بولا۔

''پانچواں شکار......؟ کیا مطلب......؟ میں نے تو تم دونوں کا کچھ نہیں بگاڑا۔''

''بس اب بکواس بند کرو...... اور اپنی جان کا بلیدان (قربانی) دینے کیلئے تیار ہو جاؤ۔'' وہ خبیث بوڑھا مجھے گھورتے ہوئے خوفناک لہجے میں بولا اور اس کی سفاکانہ بات پر مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ محسوس ہونے لگی۔ مجھے چارپائی سمیت اس طرح رسیوں سے جکڑ رکھا تھا کہ...... میری گردن سرہانے والی جگہ سے ذرا اوپر کو تھی یعنی میرا سر...... گردن کے سہارے چارپائی کے سرہانے سے نیچے جھول رہا تھا...... میں نے دانت پیس کر خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر بے سود...... میرے دونوں ہاتھ بھی پہلوؤں پر ہی جکڑ دیئے گئے تھے۔

''کلپنا...... تم...... یہ لالٹین پکڑو...... اس کا قصہ ترنت (جلدی) پاک کرنا

پڑے گا...... یہ بہت صحت مند ہے...... کہیں...... رسیاں ہی نہ توڑ دے۔''

اس خبیث بوڑھے نے اپنی بیوی سے کہا۔ پھر لالٹین اسے تھما کر وہ باہر نکل گیا۔ ذرا ہی دیر بعد وہ ایک بڑا سا...... پتیلا نما تھال اٹھائے اندر داخل ہوا...... پھر اس نے تھال...... عین میری چارپائی سے جھولتی ہوئی گردن کے نیچے رکھا تو...... میں نے تھال کے اندر...... ایک قصائیوں والا...... فولادی بغدا (چاپڑ) دیکھا۔

اس بدبخت کے خطرناک عزائم جان کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اس نے...... وہ بغدا تھال میں سے اٹھا لیا...... میرے سر کے بالوں کو اپنے بائیں ہاتھ کی مٹھی میں جکڑ کر میری گردن اونچی کی پھر اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا بغدا...... دھیرے دھیرے فضا میں بلند ہونے لگا۔

لالٹین کی روشنی میں اس کا چمکتا ہوا خوفناک پھل میری روح تک کو لرزائے دے رہا تھا۔

''ٹھ...... ٹھہرو...... مم...... مرنے سے پہلے مجھے یہ تو بتا دو...... آخر...... تم میری جان کیوں بلیدان کر رہے ہو......؟''

میرا مقصد اسے باتوں میں لگا کر فوری طور پر کوئی راہ تلاش کرنا تھا۔

''ہاں...... پوچھنا تیرا حق ہے۔'' وہ خبیث بوڑھا بولا۔ پھر قریب کھڑی اپنی بیوی کلپنا سے بولا۔ ''کیا خیال ہے...... چکنا...... اسے مرنے سے پہلے...... حقیقت بتا دی جائے۔''

بڑھیا کے پوپلے ہونٹوں پر...... بھی بڑی سفاکانہ مسکراہٹ ابھری...... اور...... اس نے صرف ہولے سے اثبات میں اپنا سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''سنو...... پنڈت ہری چند نے ہمیں...... گیارہ جوان مردوں کو موت کے گھاٹ اتار کر...... ان کا خون پینے کی نصیحت کی ہے...... تاکہ...... ہم پھر سے جوان ہو جائیں...... سمجھا۔''

وہ لہو رنگ لہجے میں بولا...... اور...... میری روح تک کانپ گئی۔ ہندوستان کی سرزمین میں ایسی ہی...... پراسراریت...... سفلی علوم اور کالے جادوؤں سے بھری ہوئی ہے......

"ہم اب تک چار جوان مردوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کے لہو سے اپنی پیاس بجھا چکے ہیں...... تم ہمارا پانچواں شکار ہو...... چلو...... مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔"

اس نے کہا...... اس کا بغدے والا ہاتھ دوبارہ بلند ہونے لگا۔ اس دوران مجھے احساس ہوا تھا کہ...... میرا صرف اوپری وجود یعنی...... پیٹ اور سینے پر رسیاں بندھی ہوئی تھیں جبکہ پیٹ سے نچلا دھڑ آزاد تھا۔ اب میں نے جو کچھ کرنا تھا اپنے نچلے دھڑ کی طاقت کو بروئے کار لا کر ہی کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے چشم زدن میں اپنے پورے وجود کی طاقت کو...... نچلے دھڑ میں مجتمع کیا اور دونوں ٹانگیں سمیٹ کر...... اپنے جسم کو کمان بناتے ہی دونوں ٹانگوں کی بھرپور ضرب...... اپنے سرہانے آہنی بغدا لئے ملک الموت کی صورت کھڑے...... بڈھے کے چہرے پر رسید کر دی۔

موت کے خوفناک دھانے کے کنارے کھڑی اپنی زندگی کو بچانے کا میرے پاس یہی پہلا اور آخری حربہ تھا اس لئے...... میری انتہائی کوشش یہی تھی کہ...... ٹانگوں کی ضرب بھرپور اور فیصلہ کن ہو۔ یہی سبب تھا کہ میں نے اپنی دونوں ٹانگوں پر ساری طاقت منتقل کر دی تھی...... چنانچہ میری دونوں لاتیں...... اس خبیث اور سفاک بڈھے کی ٹھوڑی پر بڑے جچے تلے انداز میں رسید ہوئی تھیں۔ اس کے حلق سے خرخراتی ہوئی "اوغ" کی آواز برآمد ہوئی اور وہ...... زمین سے...... لگ بھگ کوئی...... دو تین فٹ اچھلا ہو گا...... اور...... دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گرا اور وہیں بغیر تڑپے ڈھیر ہو گیا۔ اس کی بیوی...... اپنے شوہر کا حشر دیکھ کر ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی اس کی طرف دوڑی...... پھر وہ جیسے ہی چارپائی کے قریب سے ہو کر گزرنے لگی...... میں نے ایک بار پھر اپنی دونوں ٹانگوں کی طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے لیٹے لیٹے اس کی گردن دبوچ لی...... اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ برآمد ہوئی۔ مجھے اس سے بھی جان کا خوف تھا...... اس لئے میں اسے بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا...... جلد ہی اس کا دم پرواز کر گیا۔ میں نے اس کے بوڑھے لاشے کو ٹھوکر سے فرش پر دھکیل دیا...... پھر گردن موڑ کر خبیث بوڑھے کی بے جان لاش کی طرف دیکھا...... پتہ نہیں وہ بے ہوش تھا یا مر چکا تھا۔ مگر...... فوراً ہی مجھے محسوس ہوا کہ...... وہ مرا نہیں تھا صرف بے ہوش تھا۔ میں اس کے ہوش میں آنے سے پہلے خود کو ان جکڑ بندیوں سے آزاد کرا لینا چاہتا تھا ورنہ ہوش میں

آتے ہی وہ برافروختہ ہو کر مجھے ہلاک کرنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کرے گا اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ...... میں اس کی بڑھیا کو بھی ہلاک کر چکا تھا۔

میں نے...... رسیوں کی جکڑ بندیوں کے ساتھ زور آزمائی کرنا شروع کر دی۔ مجھے دانتوں پسینہ آ گیا۔ یہی نہیں...... مسلسل زور آزمائی کی وجہ سے میرا پورا وجود پسینے سے شرابور ہو چکا تھا...... اور دم پھولنے لگا تھا...... جکڑ بند کچھ ڈھیلے پڑتے محسوس ہو رہے تھے...... میں بار بار...... زمین پر بے ہوش و بے سدھ پڑے سفاک بڈھے کی طرف بھی دیکھے جا رہا تھا...... میں نے اپنی کوشش پہلے سے بھی تیز کر دی۔

دفعتہً میں نے...... بڈھے کے بے سدھ وجود میں حرکت ہوتے دیکھی۔ میری سانسیں سینے میں اٹکنے لگیں...... پھر اس کے ہولے ہولے کراہنے کی آوازیں ابھریں...... میں نے اپنی سی کوشش تیز کر دی...... اور ساتھ ہی بڈھے کو دیکھے جا رہا تھا۔ وہ اب لیٹے لیٹے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اسے سہلا رہا تھا...... اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا...... ٹھوڑی پر لگنے والی ضرب نے اس کی زبان شاید دانتوں تلے کچل ڈالی تھی...... وہ پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا...... مگر پھر لڑکھڑا کر گرا۔

ادھر میرے دل کی دھڑکنیں آسمان کو چھونے لگیں...... میرے پیٹ کی طرف کے جکڑ بند ڈھیلے پڑنے لگے۔ میں نے اپنا دایاں ہاتھ بھی آزاد کر لیا...... اس اثنا میں وہ بوڑھا...... خوفناک غراہٹ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا...... اس کے ہاتھ میں وہی بغدا نظر آ رہا تھا مگر اس کے قدموں میں واضح طور پر لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس نے سب سے پہلے خونی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر ایک نگاہ...... کچے فرش پر پڑی...... اپنی بیوی کی لاش پر پڑی۔

بے اختیار...... کلپنا کہہ کر اس کی طرف بڑھا...... ادھر میرا لہو خشک ہونے لگا تھا مگر...... میں نے ہمت نہ ہاری اور بالآخر اپنا دوسرا ہاتھ بھی آزاد کر لیا۔ دونوں ہاتھ آزاد ہوتے ہی میں نے...... سینے کے جکڑے بند کھولنا شروع کر دیئے...... ادھر...... وہ بوڑھا...... جسے اپنی بیوی کی موت کا یقین ہو گیا تھا...... ایک خوفناک چیخ مار کر کھڑا ہوا...... بغدا تھامے میری طرف بڑھا...... اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ ادھر میں نے پھرتی کے ساتھ...... خود کو آخری جکڑ بند سے بھی آزاد کیا اور پھر جیسے ہی اس

خبیث اور سفاک بڈھے نے خونخوار غراہٹ کے ساتھ...... بغدے سے مجھ پر وار کرنا چاہا...... میں بجلی کی سرعت کے ساتھ...... چارپائی سے اچھل کر نیچے اتر آیا...... وہ سمجھ گیا کہ مجھ جیسے جوان آدمی کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا...... اس لئے...... وہ بغدا پھینک کر دروازے کی طرف دوڑا...... میں اس خبیث اور سفاک آدمی کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا...... کیوں کہ یہ سفلی علوم کرنے والا ایک ناپاک شخص تھا۔ جو اس سے پہلے چار بے گناہ انسانوں کو بڑی سفاکی سے ذبح کر کے ان کا خون پی چکا تھا اور اب مزید جوان آدمیوں کا خون پینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے بغدا اٹھایا اور دانت پیس کر اس کے پیچھے بھاگا۔

صحن میں آیا تو میں نے اسے باہر کا دروازہ کھولتے پایا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے بغدا اس پر کھینچ مارا جو اس کی پشت میں پیوست ہو گیا...... رات کے تاریک سناٹے میں اس کی دلخراش چیخ ابھری اور وہ وہیں کٹے ہوئے شہتیر کی طرح تیورا کر گرا اور اس کے بعد ٹھنڈا ٹھار ہو گیا۔

میں اب زیادہ دیر اس منحوس جگہ پر رہنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا دروازہ کھول کر باہر اندھیرے میں نکل آیا۔

☆......☆......☆

میرے چہار سو کالی بھٹ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

دور کہیں آوارہ کتوں اور گیدڑوں کے چیخنے چلانے کی کریہہ آوازیں آ رہی تھیں۔

میں آبادی کی طرف جانے کے بجائے ریلوے سٹیشن کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگا...... وہاں سے ہلکی روشنی آتی دکھائی دے رہی تھی...... میں تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا اور آخر کار میں پلیٹ فارم پر آ گیا۔

ہر سو ویرانی کا عالم تھا۔ عملے کا بھی کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سٹیشن کی عمارت زیادہ بڑی نہ تھی...... مگر صاف ستھری اور اصل حالت میں تھی۔ میں وہیں...... پلیٹ...... فارم پر بنی ایک سنگی بنچ پر بیٹھ گیا۔

موسم اچھا تھا...... اور...... معتدل بھی...... زیادہ سردی نہ تھی۔ میں وہیں سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا۔ رات اپنے اخیر پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ میں بنچ پر بیٹھے بیٹھے ذرا کمر سیدھی کرنے لیٹا...... اور پھر جیسے نیند نے آ لیا۔

کسی نے مجھے ٹھوکا دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ مجھ پر رائفلوں کی نالیں اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ مخصوص وردی میں ملبوس سات آٹھ افراد تھے۔ وردی سے مجھے یہ پہچاننے میں دیر نہ لگی کہ وہ...... ڈیتھ سرکل کے اہلکار تھے اور...... ان کے ہمراہ ایک اور...... شخص کو دیکھ کر میں بری طرح سناٹے میں آ گیا...... سینے میں سانسیں اٹکنے لگیں۔ وہ...... ہوٹل فائیو سٹار کا منیجر...... موہن داس تھا۔

''یہی ہے جناب وہ! اشوک نامی ویٹر......'' اس نے ایک نسبتاً...... لمبے تڑنگے اہلکار سے جوش آمیز غیظ سے کہا۔ بس پھر کیا تھا...... آناً فاناً مجھے دبوچ لیا گیا......

اور میری تلاشی لی گئی...... اس کے بعد وہ مجھے بیدردی سے گھسیٹتے ہوئے...... سٹیشن کی عمارت سے باہر لے آئے...... سامنے ایک لمبی اور چوڑے ٹائروں والی تیز رفتار آرمی کی جیپ کھڑی تھی...... مجھے اس میں سوار کر دیا گیا اور سب کے سوار ہونے کے بعد جیپ...... ایک جھٹکے سے روانہ ہو گئی۔

میں اپنی ذرا سی غفلت کے باعث ڈیتھ سرکل کے خونخوار ایجنٹوں کے شکنجے میں پھنس چکا تھا...... اب تن بہ تقدیر ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

سفر خاموشی سے جاری تھا۔ ان لوگوں نے مجھے بولنے سے سختی کے ساتھ منع کر رکھا تھا۔ خود ان میں سے کسی نے بھی مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش نہ کی...... موہن داس کی چشم دید گواہی کے بعد اسے فارغ کر کے روانہ کر دیا گیا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا...... راتوں رات غالباً...... دشمنوں کو میرے آپریشن کی رپورٹ مل گئی تھی...... اور...... انہوں نے...... فوراً...... ہوٹل فائیو سٹار کے عملے سے رابطہ کر کے اسی وقت میری تلاش شروع کر دی تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ...... ان لوگوں کا تعلق خلیج کھمبات کے زیرو تھری زون سے تھا...... اور یہ مجھے وہیں لے جا رہے تھے۔ اس دوران وائرلیس سیٹ پر...... اس لمبے چوڑے اہلکار نے میری گرفتاری کی رپورٹ دے دی تھی...... اور...... اس کے لبوں پر یہ سن کر...... ''اس پاکستانی جاسوس کو ہم نے گرفت میں لے لیا ہے...... اور اب زون زیرو تھری کی طرف لایا جا رہا ہے۔'' مجھے اپنے اندازے کی تصدیق ہو گئی تھی۔

جیپ آندھی طوفان کی رفتار سے دوڑی جا رہی تھی۔

گھنٹے ڈیڑھ بعد فضا میں مرطوب ہواؤں کی مہک رچی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ گویا جیپ اب ساحلی راستے پر رواں دواں تھی...... دائیں بائیں ساحلی جنگلات پھیلے ہوئے تھے...... سڑک اب ویران ہو چکی تھی...... یعنی دیگر ٹریفک وغیرہ کی آوک جاوک بالکل معدوم ہو کر رہ گئی۔

مزید دس پندرہ منٹ بعد میری آنکھوں پہ پٹی باندھ دی گئی۔ میرے دونوں ہاتھ اس سے پہلے ہی پشت کی سمت موڑ کر...... آہنی ہتھکڑی سے باندھ دیئے گئے تھے۔

پھر لگ بھگ کوئی پندرہ بیس منٹ بعد جیپ نے ایک موڑ کاٹا تھا اور...... ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

میں اب تک خود کو باحواس کر چکا تھا...... اور...... تیزی سے اس خطرناک اور سنگین تر نازک صورتحال سے نمٹنے کی تدبیر سوچ رہا تھا...... جو سر دست ناممکن ہی نظر آ رہی تھی۔ مزید دس منٹ تک ناہموار راستے پر سفر جاری رہا اور...... پھر جیپ ایک جھٹکے سے رک گئی۔ مجھے گھسیٹ کر بے دردی کے ساتھ نیچے اتارا گیا...... میرا خیال تھا کہ اب میری آنکھوں سے پٹی اتار دی جائے گی مگر ایسا نہ ہوا...... مجھے دو اہلکاروں نے بازوؤں سے دبوچ رکھا تھا۔ وہ لوگ مجھ سے کچھ زیادہ ہی خوفزدہ اور ٹھٹکے ہوئے محسوس ہو رہے تھے...... حالانکہ میرے دونوں ہاتھ آہنی جکڑ بند میں بندھے ہوئے تھے مگر باوجود اس کے مجھے دونوں بازوؤں سے جکڑ کر رکھا گیا تھا اور...... بیدردی کے ساتھ گھسیٹتے لے جا رہے تھے۔

مختلف جگہوں راہداریوں پر چکنے فرش سے ہوتے ہوئے بالآخر مجھے ایک کمرے میں دھکیل دیا گیا...... پھر دوسرے ہی لمحے بھاری بھرکم دروازے کے زور سے بند ہونے کی دھماکے دار آواز گونجی۔ دروازہ شاید فولادی تھا۔

انہوں نے میری آنکھوں سے پٹی بھی نہیں اتاری تھی۔

میں نے رسن بستہ ہونے کے باوجود...... دیوار سے پشت لگاتے ہوئے کمرے کی دیواروں کو چھو کر اندازہ لگایا تھا کہ...... یہ کمرہ زیادہ بڑا نہ تھا نیز میرے سوا ہر چیز سے عاری بھی...... میں تھک ہار کر...... دیوار سے پشت ٹکائے بیٹھ گیا۔

مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ...... میں اس بار بہت برا پھنسا تھا۔ تاہم میرے حوصلوں کے بادبان اب بھی بلند تھے...... میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ...... ذرا بھی موقع ملا مجھے تو میں دشمنوں کی اس آخری عمارت...... زیرو تھری کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔

سیکرٹ فائل کی معلومات کے مطابق یہاں کی کمانڈ...... میجر چوپڑا کے سپرد تھی اور میرے خیال میں نصف سے زیادہ ڈیتھ سرکل کا شیرازہ بکھرنے کے بعد...... اب...... میجر چوپڑا ہی باقی بچا تھا۔

میں تصور ہی تصور میں ''را'' کے سربر آوردہ افسروں کو اس ناقابل تلافی نقصان کے باعث جھنجلاہٹ کے مارے اپنے ہی بال نوچتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ یہ لوگ زخم کھائے کتے بن چکے تھے...... اور...... مجھے بھنبھوڑنے کیلئے دانت نکوسے بے چین تھے۔ بمشکل ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ...... دروازے کے کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی بھاری بوٹوں کی دھمک کمرے کے مسدود ماحول میں گونجی۔ پھر کسی نے میرے قریب آکر...... میری آنکھوں سے پٹی اتار دی۔

تیز سیلابی لائٹ...... میرے چہرے پر پڑی...... میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ پھر لائٹ نارمل ہوگئی۔

میں نے جلدی جلدی...... اپنی آنکھیں جھپکتے ہوئے انہیں دیکھنے کے قابل بنایا تو سامنے...... پانچ دشمن ایجنٹوں کو کھڑے پایا...... ان کے درمیان میں ایک ٹھگنے اور مضبوط تن و توش والا کرخت اور سیاہ رو شخص بھی میجروں والی وردی پہنے کھڑا ہونٹ بھینچے مجھے خونخوار نظروں سے گھورے جارہا تھا۔

میں نے اپنے چہرے پر...... عام انسانوں جیسا خوف اور پریشانی کے تاثرات طاری کرلئے...... اور پھر میں نے اسی لہجے میں کہا۔

''مم...... مجھے...... یہاں...... کیوں لایا گیا ہے......؟ مم...... میں نے آخر کونسا جرم کیا ہے......؟'' وہ ٹھگنے قد والا سیاہ رو میجر...... جو بلاشبہ...... زیرو تھری کا میجر...... چوپڑا ہی تھا غراہٹ سے مشابہ آواز میں میری طرف گھورتے ہوئے بولا۔

''انجان بن کر...... تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو......؟ کیپٹن عمران......'' اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر باوجود کوشش کے میں اپنے چہرے پر فطری ردعمل کے تحت بے اختیار ابھرنے والے...... چونکنے کے تاثرات کو چھپا نہیں سکا تھا۔

''کیوں...... چونک گئے ناں......'' میجر چوپڑا اس بار استہزا آمیز نفرت سے اپنے سیاہ بدہیئت ہونٹ سکیڑ کر بولا۔

''تم لوگوں کو پھر بھی غلط فہمی ہوئی ہے......'' میں نے ہمت نہ ہاری اور اپنے مؤقف پر ڈٹا رہا۔

''کوئی فائدہ نہیں کیپٹن عمران...... کوئی فائدہ نہیں......'' میجر چوپڑا نے

ڈرامائی انداز میں اپنا بیل جیسا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''موہن داس' تمہیں کرنل گپتا کو قتل کرتے اور وہاں تباہی و بربادی مچاتے ہوئے دیکھ چکا ہے بلکہ وہی نہیں...... وہاں موجود دیگر ویٹرز نے بھی یہ سب دیکھا تھا۔ اب...... تمہارے لئے بہتری اسی میں ہے کہ...... ہمارے سوالوں کے درست جوابات دیکر اپنی موت آسان بنالو......''

''میں کچھ نہیں جانتا...... مجھے یہ سب کرنے کیلئے...... ایک شخص نے کہا تھا۔'' میں نے گول مول جواب دیا۔

''کونسے شخص نے؟''

''میں اسے نہیں جانتا۔''

''ہوں......'' میجر چوپڑا نے میرے چہرے پر بدستور اپنی گھورتی ہوئی نظریں مرکوز رکھتے ہوئے ایک سنسنی خیز ہنکاری بھری...... پھر اپنے ایک اہلکار سے تحکمانہ مخاطب ہوکر بولا۔ ''چیف صاحب سے رابطہ کر کے صورتحال بتاؤ...... اسی وقت......''

''یس سر......'' اہلکار نے مودبانہ مستعدی سے کہا اور الٹے قدموں کمرے سے نکل گیا۔ میں میجر چوپڑا کے ''چیف صاحب'' والے جملے پر ذرا ٹھٹکا تھا...... اور سوچنے لگا کہ...... کیا یہ میجر چوپڑا نہیں تھا......؟ مگر میں اس بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا کیوں کہ...... میجر چوپڑا کا نام اس کے سینے پر لگی نیم پلیٹ پر درج تھا...... تو پھر ان کا اور کون چیف تھا......؟ کہیں یہ...... وہ چیف تو نہ تھا...... جو ''را'' کی گود میں بیٹھا وہ ونگ تھا جس نے ڈیتھ سرکل تشکیل دی تھی؟

کئی منٹ اعصاب شکن خاموشی کی نذر ہوگئے۔ وہ اہلکار دوبارہ لوٹا اور...... میجر چوپڑا سے مودبانہ بولا۔

''سر! چیف نے یہاں کیلئے ''اوکے'' کا سگنل دے دیا ہے۔

میں دھک سے رہ گیا۔ کیا ان کے چیف نے بلا تاخیر میری موت کے احکامات تو جاری نہیں کر دیئے؟ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا تھا مگر...... اپنا مشن پورا کیے بغیر...... میں ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا...... میں نے دیکھا میجر چوپڑا...... کے چہرے پر ایک سفاک مسکراہٹ ابھری تھی...... پھر اس نے

بارعب لہجے میں کہا۔

''اسے...... ریڈ چیمبر...... میں منتقل کر دو۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ اس کا حکم پاتے ہی دو اہلکار میری طرف بڑھے اور مجھے دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر ایک چوڑی راہداری میں لے گئے...... پھر مختلف راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ مجھے ایک ایسے کمرے میں لیے داخل ہوئے' جسے دیکھ کر بے اختیار میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس کمرے کی وضع قطع سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ تشدد خانہ تھا۔

اس ٹارچر سیل میں لانے کا مقصد یقیناً...... مجھے ہلاک کرنا نہیں بلکہ تشدد کے ذریعے...... میرا منہ کھلوانا تھا...... مگر میرے پاس انہیں بتانے کیلئے کچھ بھی نہ تھا۔ یہ لوگ اب بھی سمجھے ہوئے تھے کہ...... میں ایک پورے نیٹ ورک کے تحت...... یہاں وارد ہوا تھا اور میرے مزید ساتھی بھی میرے اس ''کاز'' میں شامل تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ میں تو...... اپنے طور پر محض جذبہ حب الوطنی سے سرشار اور تن تنہا...... ان کی اپنے ملک کے خلاف سازشوں کو ملیامیٹ کرنے آیا تھا۔

''تمہارے اور کتنے ساتھی تمہارے ساتھ اس مشن میں شامل ہیں...... وہ سب اس وقت کہاں ہیں......؟'' میجر چوپڑا نے میری طرف گھورتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے بتایا ناں...... کہ مجھے کچھ معلوم نہیں...... میں تو ایک شخص کے کہنے پر بھاری معاوضے کے لالچ میں یہ کام کر رہا تھا۔'' میں نے وہی جواب دہرایا۔

''سلطان جہانزیب...... راجہ پٹیل کو تم نے ہی ہلاک کیا تھا......؟''

''نہیں......'' میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا...... اور...... ستیاپال......؟''

''میں اسے بھی نہیں جانتا......''

''ہوں...... تو گویا تم ایسے زبان نہیں کھولو گے......'' میجر چوپڑا مجھے گھورتے ہوئے سنسنی خیز لہجے میں بولا۔ اس کے بعد اس نے...... وہاں موجود اپنے چند اہلکاروں کو مخصوص اشارہ کیا...... وہ چابی بھرے کھلونوں کی طرح حرکت میں آئے اور...... مجھے کمرے کے وسط میں زمین پر گڑے...... ایک آہنی سٹول پر بٹھا دیا گیا۔ میرے دونوں

ہاتھ پہلے ہی پشت پر بندھے ہوئے تھے اب انہوں نے میری دونوں ٹانگیں بھی...... آئرن سٹول کی اکلوتی مگر فولادی ٹانگ پر نصب آہنی کنڈوں میں پھنسا کر باندھ دیں جو زمین میں گڑھا ہوا تھا۔

چھت پر عین میرے سر کے اوپر ایک کنٹوپ جھول رہا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں نصب ایک پینل کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک اہلکار نے بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی...... کنٹوپ اب دھیرے دھیرے...... نیچے آنے لگا...... اور پھر میرے سر کے عین قریب آ کر رک گیا...... اس کے بعد...... کمرے کی لائٹ آف کر دی گئی...... مگر لائٹ آف ہوتے ہی...... کنٹوپ...... کے اندر نصب فلڈ لائٹ روشن ہو گئی۔

یہ سرخ رنگ کی روشنی تھی جس سے میرا پورا وجود نہا گیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی...... باقی منظر میری آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا...... چند ثانئے ہی بیتے ہوں گے...... کہ...... سرخ رنگ کی فلڈ لائٹ کی حدت بڑھنے لگی...... اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک لرزہ دینے والے خیال سے میں کانپ اٹھا۔

یہ سرخ لائٹ...... بتدریج ایک تیز تپش میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ بالکل اس طرح جیسے اوون میں کوئی سالم چرغہ بھونا جائے...... میرا پورا وجود پسینے میں نہا گیا...... ذرا ہی دیر بعد وہ بھی...... تیز تپش کے باعث خشک ہو گیا اب...... وہ تپش میرے لئے...... ناقابل برداشت ہونے لگی...... مجھے اپنے وجود کی کھال کھنچتی ہوئی محسوس ہونے لگی...... دم گھٹنے لگا...... تپش اس قدر بڑھ گئی تھی کہ...... مجھے اپنا پورا وجود سلگتا ہوا محسوس ہونے لگا...... جیسے...... مجھے سلگتے ہوئے کوئلوں پر رکھ دیا گیا ہو۔ میں اس جہنمی تپش کے باعث حلق کے بل چیخنے لگا۔ مارے اذیت کے میرا پورا وجود لرزنے لگا۔

''ہمارے سوالوں کے درست جوابات دے دو...... ورنہ...... تمہارا پورا وجود جل کر...... کوئلہ ہو جائے گا......'' اچانک خنزیر صفت میجر چوپڑا کی غضب آلود آواز ابھری۔

''آہ...... میں کچھ نہیں جانتا...... تم...... تم...... لوگ بلاوجہ مجھ پر ظلم کر رہے ہو......؟'' میں بمشکل اپنے روم روم میں سرایت کی ہوئی اذیت ناکی کو گویا دانتوں تلے

بھینچتے ہوئے بمشکل بولا۔

"ٹھیک ہے...... تو پھر...... اسی طرح اپنے جلنے کا تماشہ دیکھتے رہو۔" میجر چوپڑا کی جھلائی ہوئی مگر سفاک آواز ابھری۔

دفعتہً...... تپش کم ہوتی چلی گئی...... اگلے ہی لمحے...... مجھ پر بالٹی بھر کر...... پانی پھینکا گیا...... جلتے وجود پر یکدم اس قدر سرد پانی نے میری اذیت کو کئی گنا بڑھا دیا اور بے اختیار میرے حلق سے ایک بار پھر لرزہ خیز چیخ ابھری۔ مجھے اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی پھر اس دوسری اور بے پناہ اذیت کے ناقابل برداشت ہوتے ہی...... میرا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا تھا۔

دوبارہ ہوش آیا...... تو...... سب کچھ ویسے ہی تھا۔ میں اسی طرح...... سٹول پر رسن بستہ بیٹھا تھا...... البتہ...... کمرے میں اب روشنی ہو چکی تھی...... کنٹوپ کو دوبارہ چھت کی طرف کھینچ دیا گیا تھا...... میں بری طرح نڈھال ہو چکا تھا...... میرے پورے وجود میں آبلے پڑ چکے تھے۔ میرے وجود کی ایسی کونسی جگہ تھی جہاں سے شدید ٹیسیں نہیں اٹھ رہی تھیں...... پورا جسم انگارہ بنا دہک رہا تھا۔

میں نے...... نیم وا آنکھوں سے سامنے دیکھا...... ایک اہلکار نے اپنے ہاتھ میں میخ کھینچنے والا جمور پکڑا ہوا تھا...... وہ...... میرے قریب آ کر پشت کے پیچھے کھڑا ہو گیا...... مجھ میں تو اب چیخنے کی تو کیا کچھ بولنے کی بھی سکت نہ رہی تھی...... مجھے دو مزید اہلکاروں نے تھامے رکھا تھا...... تاکہ میں سٹول سے گر نہ پڑوں۔

میرے عقب میں اپنا رخ موڑنے والے ایک مذکورہ اہلکار نے میرے دائیں ہاتھ کی ایک انگلی پکڑی...... جمور سے اس کا ناخن پکڑ کر زور سے کھینچا...... تو جیسے میری روح تک اذیت کے مارے فنا ہو گئی۔ اس اذیت کی ناقابل برداشت لہر نے مجھے ادھ موا ہونے کے باوجود کربناک چیخ بلند کرنے پر مجبور کر ڈالا۔

"اب بھی وقت ہے...... ہمیں...... سچ سچ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتا دو...... ورنہ اسی طرح باری باری...... تمہارے ہاتھوں' پیروں کے سب ناخن کھینچ لئے جائیں گے......" میجر چوپڑا کی کرخت اور سفاک آواز میری زخمی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"پپ...... پانی...... پانی......" میں نے لرزیدہ لبوں سے بمشکل کہا تو پانی کا ایک پورا جگ میرے کپکپاتے ہونٹوں سے لگا دیا گیا...... ابھی میں نے چند گھونٹ ہی پیئے تھے کہ...... جگ میرے پیاسے ہونٹوں سے ہٹا دیا گیا۔

"ہاں...... اب بولو......" میجر چوپڑا کی دوبارہ پاٹ دار آواز ابھری۔

"مم...... مجھے کچھ...... سس...... سوچنے کا موقع دو......" میں بمشکل اتنا کہہ کر بری طرح ہانپنے لگا...... میجر چوپڑا...... میری بات پر کچھ سوچنے لگا...... اس کے بعد...... اس نے...... اپنے اہلکاروں سے کچھ کہا تھا جو میں نہ سمجھ سکا...... تاہم اتنا ضرور ہوا کہ...... مجھے اس اذیت گاہ سے نکال کر...... دوبارہ اس کمرے میں اٹھا لا پھینکا گیا جہاں پہلے سے رکھا گیا تھا۔

میرے دونوں ہاتھ اب بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے...... البتہ میری دونوں ٹانگیں آزاد تھیں اور اس بار...... میری آنکھوں پہ پٹی بھی نہیں باندھی گئی۔

میری ناخن کھینچی ہوئی انگلی سے...... خون رسنے کے بعد خود ہی سوکھ کر رک چکا تھا۔

میں کمرے میں تنہا تھا...... میں اپنے مختل حواسوں کو مجتمع کرتے ہوئے...... ان کی قید سے آزاد ہونے کے بارے میں سوچنے لگا۔

سب سے پہلے میں نے کمرے کا بغور جائزہ لیا چھت کی سمت دیوار پر صرف ایک آہنی گولوں والا...... روشن دان تھا جو بہت بلند تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کس طرح...... میرے دونوں ہاتھ آزاد ہو جائیں تو...... میں...... آزادی کیلئے کچھ ہاتھ پاؤں ہلا سکوں۔

میرا پورا وجود دکھن کے باعث درد کر رہا تھا۔ دائیں ہاتھ کی زخمی انگلی شاید سوج چکی تھی۔

میں سب سے پہلے...... اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کی وہ آہنی ہتھکڑی کھولنے کا سبب تلاش کر رہا تھا...... مگر...... کوئی ایسی ترکیب ذہن میں آ ہی نہیں رہی تھی۔ رسی ہوتی تو...... کچھ نہ کچھ سوچا جا سکتا تھا مگر...... آہنی ہتھکڑی...... کو بغیر چابی کے کھولنا یا کاٹنا ناممکن تھا۔

میجر چوپڑا شاید...... مجھ پر انسانیت سوز تشدد کرنے کے بعد ذرا سستا رہا تھا۔

مجھے بہت تھوڑی مہلت ملی تھی۔ پندرہ بیس منٹ بعد دروازہ کھلا...... میجر چوپڑا...... اپنے چند مسلح اہلکاروں کے ساتھ ایک بار پھر میرے سامنے موجود تھا۔

''ہاں...... اب سیدھی طرح ہمارے سوالوں کے جوابات دیتے چلے جاؤ ورنہ آگ میں جلنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔'' وہ خوفناک لہجے میں بولا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ جسمانی تدابیر کی تمام راہیں مسدود تھیں مگر...... ذہن اور دماغ تو آزاد تھے...... اب عقل کے سہارے ہی مفر کی راہ سجھائی دے سکتی تھی۔

''میرا نام کیپٹن عمران ہے......'' بالآخر میں نے ذہن میں ابھرنے والی ایک فوری پلاننگ کے تحت بتدریج تھوڑا جھوٹ بولنا گوارا کیا تا کہ...... میری ترکیب بارآور ثابت ہو سکے۔ میرا جواب سن کر یکدم میجر چوپڑا کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

''سلطان جہانزیب اور راجہ پٹیل کو تم نے ہی موت کے گھاٹ اتارا تھا......؟''

''ہاں......''

''اور ستیا پال......؟''

''اسے بھی میں نے ہی ہلاک کیا تھا۔''

''کرنل گپتا وغیرہ کو ہلاک کرنے اور تباہی مچانے کے بعد تم نے ہی وہاں سے...... سیکرٹ فائل اڑائی......؟''

''ہاں......''

''وہ فائل کہاں ہے......؟''

''اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دی ہے......؟''

''تمہارے ساتھ اس مشن پر اور کتنے سرفروش آئے ہیں؟''

''پانچ......'' سچ بولنے کے بعد میں ذرا دروغ گوئی سے کام لینا چاہتا تھا۔

''وہ کہاں ہیں......؟''

''مختلف جگہوں پر موجود تھے۔''

''اپنے ساتھیوں کے نام اور جگہوں کے پتے بتاؤ......؟''

''تین ہلاک ہو چکے ہیں...... باقی دو بچے ہیں۔ وہ شنکر...... اور راج کمار کے نام سے...... یہاں مقیم ہیں۔''

''ان جگہوں کے نام بتاؤ......؟''

''شنکر اس وقت کہاں ہے؟ میں نہیں جانتا...... البتہ...... راج کمار...... خلیج کھمبات کے ساحلی علاقے کے ایک گھر میں موجود تھا۔ مگر میرا خیال ہے کہ اسے ڈھونڈنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''کیوں......؟''

''اس لئے کہ...... خطرے کی صورت میں اس نے جگہ بدلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔''

''راج کمار......؟''

''ہاں...... وہی تم لوگوں کیلئے زیادہ اہم ہو سکتا ہے...... کیوں کہ...... اس نے...... ویٹر کے بھیس میں تمہارے ڈیتھ سرکل کے زون...... زیرو ٹو سے را کے متعلق کئی اہم فائلیں اڑائی ہیں...... جو وہ میرے حوالے کرنا چاہتا تھا۔''

میجر چوپڑا کی آنکھیں پھیل گئیں...... میرے منہ سے ڈیتھ سرکل کے زون ٹو اور...... ''را'' کا ذکر سن کر...... اس کی آنکھوں پر گہری تشویش کے سائے نمودار ہو گئے تھے۔

''راج کمار سے آخر کو...... تمہارے رابطے کا کوئی طریقہ تو ہو گا......؟''

''اس نے مجھ سے...... تھوڑے دنوں بعد ہوٹل فائیو سٹار میں رابطہ کرنا تھا۔''

میں نے آخری پتہ پھینکا...... یہ میری ترپ چال تھی اور میں محسوس کر رہا تھا کہ...... میرے جھوٹ میں تھوڑی سی سچ کی آمیزش نے اسے میرے تارِ عنکبوت میں جکڑ لیا ہے۔ یہی سبب تھا کہ اس نے عین میری توقع کے مطابق کہا۔

''گویا اگر تمہیں...... ہوٹل فائیو سٹار لے جایا جائے تو...... تمہارا ساتھی راج کمار...... تم سے ٹیلی فونک رابطہ کرے گا...... یا بالمشافہ ملاقات......؟''

''پہلے ٹیلی فونک رابطہ ہی کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''ہوں......'' میجر چوپڑا نے ایک پرسوچ ہنکاری بھری...... اور چند ثانئے

کیلئے کسی سوچ میں مستغرق ہو گیا...... میرا دل کامیابی کی امید سے بے طرح دھڑکنے لگا۔

اس کے بعد وہ لوٹ گیا...... فولادی دروازہ گونجدار دھمک کے ساتھ بند کر دیا گیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ...... میجر چوپڑا...... میری بتائی ہوئی باتوں کے تناظر میں آئندہ کیلئے کوئی لائحہ عمل تیار کرنا چاہتا ہے۔

پورا ایک دن گزر گیا اس دوران...... صرف ایک بار مجھے کھانے پینے کو تھوڑا بہت دیا گیا تھا مگر...... میرے ہاتھوں کو پھر بھی آہنی ہتھکڑیوں سے آزاد نہیں کیا گیا تھا...... بلکہ...... ایک اہلکار نے میرے سامنے بیٹھ کر نوالے توڑ کر میرے منہ میں خود ہی ٹھونسے تھے۔

اب تو...... مجھ پر مزید جھنجلاہٹ طاری ہو گئی...... یہ کم بخت آہنی ہتھکڑیاں تو گویا میرے وجود کا حصہ بن چکی تھیں...... جس کی وجہ سے میں بالکل معذور ہی ہو کر رہ گیا تھا۔ دوسرے دن صبح ہی میجر چوپڑا...... اپنے مسلح اہلکاروں کے ساتھ آیا اور مجھ سے بولا۔

''تمہاری دی ہوئی معلومات سے ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ...... تم اب ہمت ہار چکے ہو...... اور ایسے دشمن کو ہم اپنا دشمن نہیں سمجھتے...... اگر تم نے اپنے دوسرے ساتھی...... راج کمار کو گرفتار کروانے میں سچے دل سے ہماری مدد کی تو ہمارا وعدہ ہے...... کہ نہ صرف تمہاری جان بخش دی جائے گی...... بلکہ تمہیں...... واپس اپنے وطن بھی جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔''

وہ میرے ساتھ مکارانہ چال چل رہا تھا اور میں اس کی چال میں آنا چاہتا تھا لہٰذا میں یکدم خوش ہو کر بولا۔ ''کک...... کیا تم...... سچ کہہ رہے ہو......؟''

''ہاں...... بالکل سچ......''

''مگر...... میں اب واپس اپنے وطن نہیں جانا چاہتا......؟'' میں نے آخر میں اپنے لہجے کو مایوس بناتے ہوئے کہا۔

''کیوں......'' میجر چوپڑا نے اپنی بھنویں سکیڑ کر مجھ سے پوچھا۔

''اس لئے کہ...... اب وہاں میرے رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ اگر میں

ناکام لوٹا تو......'' میں نے یہاں دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر اس سے کہا۔

''آگے تم خود سمجھ جاؤ۔''

''ہوں...... تمہاری بات کا مطلب میں بخوبی سمجھ رہا ہوں......''

میجر چوپڑا نے مجھے اثر پذیری میں لاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے اگر تم ہمارے لئے کام کرنے کی حامی بھرو...... تو تمہارے لئے یہاں نہ صرف سہولتیں فراہم کی جائیں گی...... بلکہ تم یہاں اپنی نئے سرے سے خوشگوار زندگی بھی بسر کر سکتے ہو۔''

''مجھے منظور ہے......'' میں نے یکدم خوش ہو کر کہا۔

''مگر سب سے پہلے تم نے اپنے ساتھی راج کمار کو گرفتار کروانے میں ہماری مدد کرنا ہو گی۔''

''میں تیار ہوں......''

''راج کمار کا اصل نام اور رینک......؟'' اس نے آخر میں جانے کیا سوچ کر کہا تو میں نے فرضی نام اور رینک بتاتے ہوئے کہا۔

''مدثر خان...... وہ...... لیفٹیننٹ ہے۔''

''ہوں...... ٹھیک ہے......'' وہ بولا۔

''اب میری ایک بات غور سے سنو...... تمہیں...... ہوٹل فائیو سٹار میں اس طرح...... اشوک نامی ویٹر کے بہروپ میں چھوڑا جائے گا...... مگر...... ہمارے مسلح ساتھی سادہ لباس میں...... تم پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہوں گے...... اگر تم نے ذرا بھی کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو...... یاد رکھنا...... تمہارے ساتھی...... مدثر خان کو تو ہم کسی نہ کسی طرح گرفتار کر ہی لیں گے مگر...... تمہارا ہم وہ حشر کریں گے کہ تم ہم سے موت کی پناہ مانگنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔'' اس نے آخر میں مجھے ڈرانے کیلئے دھمکی دی۔

میں سمجھ گیا کہ ان لوگوں کو اپنی طاقت کا کچھ زیادہ ہی گھمنڈ تھا۔

مجھے اچھی طرح اس کریہہ حقیقت کا اندازہ تھا کہ...... یہ لوگ کسی قیمت پر بھی مجھے زندہ چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے...... یہ تو میں نے اپنے فرضی (جعلی) ساتھی مدثر خان کا چکر چلا دیا تھا اور میجر چوپڑا...... مکاری پر اتر آیا تھا۔ مجھے تو مہلت چاہئے

تھی اس لئے ہم دونوں ہی درونِ خانہ ایک دوسرے سے چالاکی کر رہے تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ کون کامیاب ہوتا ہے.....؟ لیکن ایک مسلمان ہونے کے ناطے مجھ پر مایوسی گناہ تھی اور میں اس وقت اپنے پاک وطن کے خلاف مکروہ اور ناپاک سازش کرنے والوں کے خلاف برسرِ پیکار تھا اس لئے مجھے اللہ پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ مجھے اس نیک مقصد میں ضرور کامیاب کرے گا۔

میجر چوپڑا..... نے اس وقت..... ہوٹل فائیو سٹار کے مالک دھنپت رائے سے رابطہ کر کے..... اسے اپنے آپریشن کے بارے میں بتایا..... اور اسے راز داری کی ہدایت دیتے ہوئے ایک گھنٹے کے اندر اندر..... OK کی رپورٹ طلب کر لی۔

پھر ایک گھنٹے کے بعد دھنپت رائے نے اسے فون پر بتایا کہ..... اس نے اپنے منیجر موہن داس کو ساری ہدایات کر دی ہیں لہٰذا آپریشن شروع کر دیا جائے۔

OK کی رپورٹ ملتے ہی..... تقریباً..... پندرہ کمانڈوز کو تیار کیا گیا تھا۔ انہیں ہوٹل فائیو سٹارز کی مخصوص وردیوں میں وہاں مجھ پر کڑی نگاہ رکھنے کیلئے متعین کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سب سے پہلے..... میرے ہاتھوں کو آہنی ہتھکڑیوں سے آزاد کیا تو میں نے بے اختیار سکھ کا سانس لیا..... میرے جسم پر پہلے ہی ویٹروں والی وردی تھی..... مگر وہ نہایت خستہ اور بوسیدہ ہو رہی تھی..... بہرطور..... مجھے بھی مذکورہ ہوٹل سے نئی وردی منگوا کر پہنا دی گئی۔

میں اب ان کیلئے شاید اتنا اہم نہ رہا تھا..... بلکہ مجھ سے زیادہ وہ میرے فرضی ساتھی مدثر کو میرے ذریعے گرفتار کرنا چاہتے تھے..... کیوں کہ..... میں نے اس کی اہمیت جتانے کیلئے کچھ ایسا فرضی نقشہ کھینچا تھا کہ..... یہ لوگ میرے جھانسے میں آ گئے تھے۔

بہرطور..... مجھے نہایت راز داری کے ساتھ..... ہوٹل فائیو سٹار میں چھوڑ دیا گیا۔ اب وہاں میرے لگے بندھے معمول تھے..... مجھے ہوٹل سے باہر جانے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ ڈیتھ سرکل کے سولہ کمانڈوز ویٹرز کے بھیس میں چوبیس گھنٹے میری نگرانی کرتے تھے۔

ہیڈ ویٹر پپو میاں کو خاص ہدایت کر رکھی تھی کہ جیسے ہی میرا کوئی فون آئے وہ

فوری طور پر مجھے آگاہ کرے..... میری اور سولہ کمانڈوز کی مستقل رہائش کا بھی بندوبست وہیں کیا گیا تھا۔

ہوٹل کے دیگر ویٹرز..... یعنی پپو میاں اور شنکر سمیت مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ منیجر موہن داس تو مجھے اکثر کھا جانے والی نظروں سے گھورا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میری اصلیت اب ان کے سامنے کھل چکی تھی۔

ان لوگوں کو اب میرے ساتھی مدثر خان کے فون کا انتظار تھا جو میں ہی جانتا تھا کہ وہ ساری عمر نہ آئے گا۔

بہرطور..... کسی حد تک آزادی حاصل ہوتے ہی میں نے یہاں سے فرار کے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے جلد از جلد یہ کام کرنا تھا ورنہ..... تاخیر کی صورت میں بہرصورت میری یہ چال از خود بے نقاب ہو سکتی تھی۔

میں اپنے معمول کے کاموں میں مصروف تھا..... اور ایک طرح سے ڈیتھ سرکل کے سولہ کمانڈوز یہاں بیگار کاٹ رہے تھے..... دو دن گزرے اور..... بالآخر..... رات گئے..... میں روم سروس کے کمرے میں آیا تو..... حسب معمول چار کمانڈوز میرے ہمراہ تھے۔

ان کا کام..... مجھے روم سروس کے کمرے میں بند کر کے..... واپس لوٹ جانا تھا۔

ہم آگے پیچھے چلتے ہوئے نیم تاریک راہداری پر چل رہے تھے..... میں آگے تھا وہ چاروں میرے عقب میں..... ان کے آتشیں ہتھیار ان کے لباس کے اندر مخفی تھے۔

میں کمرے کے دروازے کے ذرا قریب پہنچا اور..... دروازہ کھولنے کیلئے ناب گھمائی اور جان بوجھ کر یہ تاثر دیا کہ..... دروازہ اندر سے کسی نے لاک کر رکھا ہے۔

"پتہ نہیں کون ہے اندر..... جس نے دروازہ اندر سے لاک کر رکھا ہے.....؟"

میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا تو دو اہلکار..... دروازے کی طرف بڑھے باقی دو نے یکدم جانے کیا سوچ کر اپنی گنیں نکال لیں..... اور یہی میں چاہتا تھا۔

پھر جیسے ہی پہلے والے دو اہلکاروں نے ناب گھمائی اور دروازے کو اندر دھکیلا تو میں بجلی کی سرعت کے ساتھ سپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور دونوں کی پشت پر ایک زوردار فلائنگ کک رسید کر دی...... وہ دونوں کمرے کے اندر جا پڑے...... میرے عقب میں کھڑے دونوں مسلح اہلکاروں نے پھرتی کے ساتھ اپنی گنوں کا رخ میری طرف کیا اور ٹرائیگر دبا دیئے ادھر میرے دونوں پیروں نے چکنے فرش کو چھوا تو...... میں ان کی فائرنگ سے بچنے کی خاطر...... فوراً ہی فرش پر لیٹ گیا...... نتیجتاً گرجدار آواز کے ساتھ فائر ہونے والے برسٹ کی زد میں انہی کے ہی وہ کمانڈوز آ گئے جو...... میری فلائنگ کک کھانے کے بعد کمرے کے اندر لڑکھڑا گئے تھے مگر پھرتی کے ساتھ دوبارہ دروازے کی طرف پلٹے تھے۔ وہ اپنے ہی ساتھیوں کی گرجتی برستی گولیوں کی زد میں آ کر دلخراش چیخیں مار کر ڈھیر ہوتے چلے گئے۔

ادھر میں چکنے فرش پر گرتے ہی اپنی "پشت" کے سہارے لٹو کی طرح گھوما اور...... میری دونوں ٹانگیں ان دونوں کمانڈوز کی ٹانگوں سے ٹکرائیں اور...... دونوں بیک وقت دھڑام سے گرے اور...... میں نے پلک جھپکتے ہی اپنے قریب گرنے والے ایک دشمن کمانڈو کی گن چھاپ لی۔ گن میرے ہاتھوں میں آتے ہی...... میں نے انہیں جہنم واصل کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی۔

گولیوں کی سمع خراش آواز سے ہوٹل میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں چوں کہ ہوٹل کے چپے چپے سے واقف تھا اس لئے...... بجائے سیدھا دوڑنے کے...... عقبی سمت ایک تنگ و تاریک راہداری میں دوڑتا چلا گیا۔

میری کوشش یہ تھی کہ میں پارکنگ شیڈ کی طرف جا نکلوں جدھر...... ہوٹل کا بڑا سا عقبی گیٹ بنا ہوا تھا...... میں جانتا تھا کہ...... فائرنگ کی آواز سے...... دیگر دشمن کمانڈوز نے سب سے پہلے ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف کا رخ کیا ہوگا۔

میں دوڑتا ہوا پارکنگ شیڈ میں پہنچا اور...... ایک کار کی ونڈ سکرین توڑ کر اندر داخل ہوا...... پھر سٹیئرنگ کے قریب نیچے...... اگنیشن سوئچ کی تاروں کے گچھے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگا...... پھر...... دو تاروں کو آپس میں سپارک کر کے...... میں نے گاڑی سٹارٹ کر دی...... اور...... گیئر بدلتے ہی...... میں نے ایکسیلٹر دبایا اور کلچ چھوڑ

دیا...... کار ایک زناٹے کے ساتھ آس پاس کھڑی دوسری کاروں کو ٹھوکریں مارتی ہوئی نکاس کا گیٹ توڑتی ہوئی باہر تاریک سڑک پر آ گئی۔

اچانک میرے عقب سے گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ ابھری...... کئی گولیاں کار کی باڈی میں پیوست ہو گئیں...... اور عقبی شیشہ بھی زوردار چھناکے سے ٹوٹ گیا...... میں فوراً نیچے جھک گیا تھا مگر...... ایکسیلٹر سے پاؤں نہیں ہٹایا تھا۔

کار...... اب...... تاریک اور سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ میرا رخ...... آبادی کے بجائے...... مضافات کی طرف تھا...... جہاں گھنے جنگل کی بہتات تھی۔ میں نے بیک ویو مرر میں دیکھا تو مجھے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ میں نے دانت بھینچ کر سوچا کہ دشمن میرے تعاقب میں ہے...... میں نے کار کی رفتار مزید تیز کر دی...... پھر ایک موڑ پر میں نے کار کو کچے میں اتارا...... اور...... پھر اس کی رفتار کم کر کے اسے روک دیا...... پھر اس کی لائٹ وغیرہ آف کرنے کے بعد...... دشمن کمانڈوز سے چھینی ہوئی گن...... سنبھالے نیچے اترا اور تاریک جنگل میں گم ہو گیا......

☆......☆......☆

میں رکے بغیر...... دوڑتا چلا جا رہا تھا...... اس کے بعد میں نے ایک مقام پر رک کر اپنی پھولی ہوئی سانسیں درست کیں اور...... ستانے لگا...... معاً مجھے دور کہیں...... گھر گھراہٹ کی مدھم مدھم سی آواز سنائی دینے لگی...... میں چونک گیا...... یہ کسی گاڑی کے انجن کی آواز تھی۔ میں نے آواز کی سمت بغور دیکھنے کی کوشش کی تو دفعتہً ہی میں بری طرح ٹھٹکا...... مجھے مذکورہ سمت روشنی سی نظر آئی...... ڈیتھ سرکل کے گھاگ اور انتہائی تربیت یافتہ کمانڈوز ہنوز میرے درست تعاقب میں تھے...... میں نے ہونٹ بھینچ لئے...... اور ایک بار پھر دوڑ پڑا۔

میں خاصی دیر تک کبھی دوڑتا رہا اور کبھی تیز قدموں سے چلتا ہوا...... کافی دور نکل آیا۔ یہاں تک کہ جنگل کی دوسری سمت میں آ گیا...... یہاں مجھے موجوں کا شور سا سنائی دیا۔ میں شاید خلیج کھمبات کے ساحل کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا...... یہاں سے آبادی کے آثار بھی نظر آتے تھے...... غالباً یہ مچھیروں کی جھگیاں تھیں۔ بحر عرب سے آنے والی سبک خرام ہواؤں کے سرد جھونکے میرے وجود کو ٹھرٹھرائے دے رہے

تھے...... میں نے پہلے سوچا کہ...... آبادی میں داخل ہو کر کسی جھگی میں پناہ لینے کی کوشش کروں مگر پھر کچھ سوچ کر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا...... چنانچہ میں جیسے ہی...... راستہ بدل کر دوسری طرف جانے لگا تو...... ایک تیز نسوانی آواز میری ٹھٹکی ہوئی سماعتوں سے ٹکرائی...... میں بری طرح چونک کر آواز کی سمت پلٹا۔

''اے...... چھوکرے...... کون ہے رے تو......؟''

''وہ ایک لمبی تڑنگی مضبوط جسم والی پکی عمر کی سانولی سی عورت تھی۔ اس نے گیروے رنگ کا خالصتاً مچھیروں والا لباس پہن رکھا تھا...... تنگ سے چولی...... اور نیچے گھاگرا۔

حالانکہ میرے ہاتھوں میں خوفناک گن تھی مگر وہ عورت بالکل خوف زدہ نہ تھی۔

''تو کون ہے......؟ پہلے اپنے بارے میں بتاؤ'' میں نے اپنی گن کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ مگر پھر بھی اس کے ملیح چہرے پر خوف کی ذرا رمق نہ ابھری تھی۔

''تو تو مجھے کسی پھلم (فلم) کا ہیرو لگتا ہے...... رے......'' میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ...... عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

چاند کی ٹھنڈی روشنی میں اس کا سانولا چہرہ بڑا پرکشش دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا جیل توڑ کر بھاگا ہے......؟''

''ہاں......'' میں نے عافیت اسی میں جانی۔

''کیا جرم کیا تھا تو نے......؟''

''قتل......'' میرا خیال تھا وہ اب تو ضرور خوف زدہ ہو جائے گی مگر...... دوسرے ہی لمحے وہ چمکتی آنکھوں سے خوش ہو کر بولی۔

''اچھا...... کس کو قتل کیا تھا......؟''

''ایک بدمعاش کو...... جو میری بہن کو چھیڑتا تھا...... پھر ایک دن اس نے اس کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو...... میں نے اسے گولیوں سے چھلنی کر کے رکھ دیا۔''

میں نے جھوٹ بولا...... میری عقابی نظروں اور ذہن طباع نے اس کی بے

خوفی کو جانچتے ہوئے یہی اندازہ لگایا تھا کہ...... یہ خود بھی ایک مرد مار اور ٹھسے کی عورت لگتی ہے...... اور ایسے ایڈونچرس حالات سن کر حظ اٹھانا اس کی عادت ثانیہ تھی۔ پھر میرے اندازے کے عین مطابق...... وہ...... فخر آمیز خوشی سے بولی۔

''واہ رے...... تو تو واقعی بہوت جی دار مرد ہے رے...... اچھا کیا تو نے اس نانہجار کو قتل کر دیا...... میں نے بھی...... اپنے پتی کو مار ڈالا ہے۔''

وہ یوں اطمینان سے بولی جیسے کوئی جانور مارا ہو...... میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''کک...... کیا......''

''ہاں...... ابھی ابھی میں نے اس مردار کی لاش یہاں ایک گڑھا کھود کر دبائی ہے...... اور وہ خون آلود چھری بھی...... جو میں نے اس کے پیٹ میں گھونپی تھی۔''

وہ بدستور طمانیت سے بھرے مگر...... نفرت انگیز لہجے میں بولی۔ میں نے اب بغور اس کا سرتاپا جائزہ لیا تو...... مجھے اس کی بوسیدہ سی چولی میں خون کے چھینٹے بھی صاف نظر آ گئے۔

''تو نے اپنے پتی کا خون کیوں کیا......؟'' میں نے پوچھا تو اس کے ہونٹوں پر نفرت خیز مسکراہٹ ابھری...... اور اسی لہجے میں بولی۔ ''وہ مجھے کسبی (طوائف) بنانا چاہتا تھا...... مچھلی جھینگوں کے اس بدذات بیوپاری...... گوبل...... کے ساتھ ایک رات گزارنے کیلئے مجبور کر رہا تھا...... میں اسے چالاکی سے یہاں لے آئی اور مچھلی کے چانے اتارنے والی چھری اس کے پیٹ میں اتار دی۔''

میں جواباً خاموش رہا۔

''آ جا میرے ساتھ...... میں بہادر اور غیرت مند مردوں کی قدر کرتی ہوں......'' اس نے مجھے خاموش پا کر کہا اور پھر آبادی کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ سوچ کر میں بھی خاموشی سے اس کے ساتھ ہولیا۔

وہ مجھے ایک تنگ و تاریک جھگی میں لیے داخل ہوئی۔

اندر مچھلی کے تیل کا ایک بڑا سا چراغ روشن تھا۔

اس کا کوئی بال بچہ نہ تھا...... اس کی عمر...... تیس پینتیس کے لگ بھگ تھی......

نام اپنا اس نے رکنی بتایا تھا...... اس نے مجھے بھنی ہوئی مچھلی کھانے کو دی...... پھر میرے زخموں اور میری انگلی پر نجانے کون سا مرہم لگایا کہ...... مجھے ٹھنڈک کا احساس ہوا۔

''سوئے گا یا جاگے گا......؟'' وہ ایک طرف ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

ہم دونوں زمین پر بچھی ایک دری پر بیٹھے تھے۔ جھگی میں ایک ہی کمرہ تھا اور برائے نام صحن...... صحن کیا تھا بلکہ آنے جانے کا راستہ ہی تھا۔

''نہیں...... سونے کو جی نہیں چاہ رہا۔'' میں بولا اور سوچنے لگا کہ...... رکنی کی یہ پناہ گاہ کس حد تک میرے کام آ سکتی ہے......؟

''مجھے بھی نیند نہیں آ رہی ہے......''

''ایک بات بتا...... رے...... تو شادی شدہ ہے......؟''

''نہیں......'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں بھیدوں بھری چمک ابھری تھی۔

''کیوں...... اتنی کڑیل جوانی بغیر ناری کے کس طرح گزار رہا ہے......؟ کیا...... ادھر ادھر منہ مارتا ہے......؟'' اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا...... میں اس کی ''ادھر ادھر منہ مارنے'' والی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور خفگی سے اپنا سر جھٹکا۔

''سمجھ گئی...... تو واقعی بہادر اور اچھا آدمی ہے۔'' وہ توصیفی لہجے میں بولی۔

''رکنی...... ایک بات پوچھوں......؟'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں...... بول......''

''تو مجھے یہاں کچھ دن پناہ دے سکتی ہے......؟''

''تو ساری جندگی یہاں رہ لے......'' وہ ایک دم بولی۔

''لوگ تیرے میرے بارے میں باتیں تو نہیں بنائیں گے......؟''

''کسی کی کیا جرأت جو میرے آگے دم بھی مارے۔'' وہ سینہ پھلا کر بولی۔

''اکھا بستی والے مجھ سے ڈرتے ہوں......''

''اچھا......'' بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ ''پھر بھی...... میرے بارے میں تو انہیں کیا بتائے گی......؟''

''دوست......''

''دوست......؟''

''تو اور کیا...... بتاؤں...... فیر......؟'' وہ حیرت سے بولی اور میں مسکرا کر چپ ہو رہا۔

''تو میرا ایک کام کرے گا......؟'' چند ثانیے کی بھیدوں بھری دم بخود خاموشی کے بعد اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''کیا کام......؟'' میں مستفسر ہوا۔

''اس بڈھے گدھ...... بگو ٹھیکیدار کو ٹھکانے لگانا ہے مجھے۔''

''کک...... کیا......؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''کیوں...... رے...... ڈرتے ہو......؟''

''مگر...... کیوں...... اب تجھے اس سے کیا شکایت ہے......؟''

''اس نے مجھ پر...... بری نگاہ جو رکھی......؟'' اس کے لہجے میں نفرت کی آگ تھی۔

''یہ کوئی بڑی خطا نہیں ہے...... جب تک تجھے اس سے جان کا خوف نہیں ہے تو پھر کیوں اسے قتل کرنا چاہتی ہے......؟''

''اس لئے کہ وہ بدخصلت آدمی ہے...... مجھے اٹھوا بھی سکتا ہے۔''

''میرے ہوتے ہوئے...... وہ یہ جرأت نہیں کر سکے گا...... اگر اس نے ایسا کیا تو...... میں ہوں ناں تیرے ساتھ......؟''

وہ ذرا چونک کر میرا منہ تکنے لگی...... پھر خاموش ہو گئی۔

''چل سو جا اب تو......'' ذرا دیر بعد اس نے ہولے سے کہا...... اور پھر وہیں...... کروٹ بدل کر لیٹ گئی...... میں بھی...... دوسری طرف منہ کر کے...... دری پر لیٹ گیا۔

صبح اس نے مجھے جگایا۔ اس نے گڑ کی چائے بنائی اور ایک سوکھا توس مجھے دیا...... جو میں نے زہر مار کیا...... پھر وہ اپنا جال لپیٹنے لگی...... میں نے اس کی مدد کی۔

ہم دونوں جھگی سے باہر آئے...... میں نے بھی عام مچھیروں کی طرح...... اپنی

قمیص اتار لی...... صرف شلوار پہنے رکھی...... میں نے محسوس کیا تھا کہ...... بستی کے لوگ اس سے دبتے تھے...... مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوئی کہ کسی نے سرسری نظر بھی مجھ پر ڈالنے کی کوشش نہ کی۔ ہر کوئی اپنے کام میں مگن تھا۔ رکنی کے ساتھ میں...... لانچ میں گہرے سمندر میں جا کر مچھلیاں پکڑنے میں اس کی مدد کرواتا رہا۔

دوپہر کو ہم تھکے ہارے لوٹے...... مچھلیاں رکنی نے...... ٹھیکے دار کے چمرخ صورت والے منشی کو فروخت کیں اور چند اپنے کھانے کیلئے نکال کر ہم دونوں واپس جھگی میں لوٹ آئے۔ دوپہر کا کھانا...... مچھلی اور سفید ابلے ہوئے چاول کی صورت میں کھایا...... جو بہت لذیذ تھا۔

میں نے رکنی سے کہا۔

''رکنی...... شہر جانے کیلئے...... تم لوگ کیا کرتے ہو......؟''

''لاری جاتی ہے...... ایک پہر صبح تڑکے...... دوسرے پہر شام...... خیر تو ہے...... کیا شہر جاوت ہو......؟''

''ہاں...... تھوڑا کام ہے......'' میں نے کہا۔

''لوٹ تو آئے گا ناں ایدھر......؟''

''ہاں...... اور بھلا کدھر جاؤں گا......؟''

''اور پلس جو تجھے دھر لے......؟''

''میں چہرہ چھپا کے جاؤں گا۔''

''جیسے تیری مرضی......'' وہ اداس سی نظر آنے لگی مگر مجھے اس کی اداسی کی پروا نہ تھی میں اگر یہاں رہ رہا تھا تو خودداری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا...... میں محنت کرتا تھا اور اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اس نے مجھے کچھ روپے بھی دیئے۔

میں شام کی لاری میں شہر روانہ ہو گیا۔ گن میں نے سمندر میں پھینک دی تھی۔

رکنی نے مجھے اپنے آنجہانی اور مقتول پتی کا لباس بھی دے دیا۔

میرا ارادہ سیدھا شہر جانے کا نہ تھا...... میں ڈیتھ سرکل کے زون زیرو تھری...... کو تباہ اور میجر چوپڑا کو جہنم واصل کرنا چاہتا تھا...... ساتھ ہی میرا آخری اور اہم

مشن...... را کے اس زونل چیف کو بھی موت کے گھاٹ اتارنا تھا...... اور ان کا وہ زونل ہیڈکوارٹر بھی تباہ کرنا چاہتا تھا جہاں سے ڈیتھ سرکل کو ہدایات جاری کی جاتی تھیں...... نیز یہ زونل ہیڈکوارٹر را والوں کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا...... مگر...... مشکل یہ تھی کہ...... اس مذکورہ ہیڈکوارٹر کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں۔ حتیٰ کہ سیکرٹ فائل میں اگرچہ اس کا تذکرہ موجود تھا مگر...... تفصیل نہ تھیں...... کہ وہ کہاں واقع تھا......؟''

''بہرطور...... ڈیتھ سرکل کے زون زیرو تھری کی عمارت میں ممکن تھا کہ اس کی تفصیلات موجود ہوں...... بہرطور...... مجھے بہت زیادہ محتاط رہنے کی اب ضرورت تھی...... یہاں اب پہلے سے زیادہ خطرات میرے لئے بڑھ گئے تھے۔

شہر پہنچنے سے ایک سٹاپ پہلے میں اتر گیا۔

اس وقت رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔ چار سو سناٹا اور ویرانی کا راج تھا۔

ڈیتھ سرکل زون زیرو تھری کا ہیڈکوارٹر اس علاقے کے جنوب مشرق میں تھا اور سڑک کے دوسری جانب جو جنگل نظر آ رہا تھا...... اسے پار کرنے کے بعد اس کی حد شروع ہوتی تھی۔ میں اللہ کا نام لے کر...... تاریک اور اندھیارے جنگل میں داخل ہو گیا۔

ابتداء میں تو میں تیز تیز قدموں سے چلتا رہا...... پھر جیسے ہی میں نے محسوس کیا کہ...... میں مطلوبہ مقام کے ذرا نزدیک پہنچ چلا ہوں...... جنگل کی حدود بھی ختم ہونے والی ہے تو میں...... اب ذرا پھونک پھونک کر اور اپنے گردوپیش سے محتاط ہو کر دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔

میرے محتاط اندازے اور خود ساختہ اصطلاح کے مطابق...... میں ''ڈینجر زون'' میں قدم رکھ چکا تھا۔

جنگل کے آخری سرے پر پہنچا تو مجھے سامنے روشنی دکھائی دی...... میں نے رک کر بغور آنکھیں سکیڑتے ہوئے دیکھا...... سامنے مدھم چاندنی میں زیرو تھری کی سنگین عمارت...... صاف نظر آ رہی تھی...... مگر...... وہاں مجھے سخت پہرہ نظر آیا۔

ڈیتھ سرکل کے مسلح گارڈ...... خاردار باڑھ کے متوازی...... چوکس انداز میں

گشت کر رہے تھے۔ میں نہتا تھا...... مگر میرے پاس...... جذبے اور ایمان جیسے طاقتور اور ناقابل تسخیر ہتھیار موجود تھے...... چھت کے اوپر ریڈار گردش کر رہا تھا۔

گشتی اہلکاروں کے ہاتھوں میں طاقتور چارجر سرچ لائٹیں بھی تھیں۔ جسے وہ بار بار...... چاروں طرف پھیلا کر...... کبھی کبھی گردوپیش کا جائزہ لے لیتے۔ میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔

زون زیرو تھری...... کے داخلی حصے کی بہ نسبت عمارت کے عقبی حصے میں پہرہ زیادہ سخت نظر آتا تھا...... اس کا سبب کیا تھا......؟ میں سردست کوئی اندازہ نہ لگا سکا تھا میں نے جھکے جھکے بے آواز...... قد آدم خودرو جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے دائیں جانب بڑھنا شروع کیا...... اب عمارت کی مشرقی جانب...... میرے سامنے تھی۔

میں نے سب سے پہلے عمارت کے چہار اطراف میں متعین پہرے داروں کی پوزیشن کا جائزہ لیا تو میری پیشانی پر پرسوچ شکنوں کا جال سا پھیل گیا۔ غالباً...... زیرو ٹو اور زیرو ون کی تباہی کے بعد ہی ڈیتھ سرکل کے اس آخری ٹھکانے میں زیادہ سخت اور حساس ترین پہرے کا انتظام عمل میں لایا گیا تھا۔ کیوں کہ اب میجر چوپڑا اچھی طرح جانتا تھا کہ...... میرا اگلا ٹارگٹ...... وہ خود اور اس کا یہ ٹھکانہ تھا۔

زیرو تھری کی عمارت کے گرد متعین جدید ہتھیاروں سے لیس پہرے داروں کی خاصی مربوط اور مضبوط تعداد دیکھنے میں آئی تھی۔ اگر میں ایک سمت سے ان پر حملہ کرنے کی کوئی گوریلا خفیہ کارروائی کرتا تو باقی تینوں سمتوں پر تعینات پہرے داروں کا یک بیک اور از خود ''ریڈ الرٹ'' ہو جانا لازمی امر تھا۔

میں جنگلی شکاری چیتے کی طرح جھاڑیوں میں دبکا بہت دیر تک سر کھپائی کرتا رہا...... مگر مجھے...... ذراسی بھی جارحانہ پیش قدمی کا کوئی موقع نظر نہیں آ رہا تھا۔

مجھ پر بے اختیار جھنجلاہٹ آمیز مایوسی طاری ہونے لگی۔ مجھے ان کے خلاف جارحانہ پیش قدمی کرنے کی ایک ذرا سی بھی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ اچانک میری بھٹکی ہوئی نظر...... ایک پہرے دار پر پڑی...... وہ میری سمت میں چلا آ رہا تھا...... مگر اس کے انداز میں کسی قسم کا چوکنا پن نہ تھا۔ ورنہ تو میں پہلے یہی سمجھا تھا کہ...... شاید اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی ہے...... لیکن ایسا نہ تھا۔ وہ...... اپنی پتلون کی زپ کھولتا ہوا...... میری

طرف کی جھاڑیوں میں آ رہا تھا...... میں سمجھ گیا کہ وہ پیشاب وغیرہ کیلئے آ رہا تھا...... اس کے سر پہ فوجی طرز کی ٹوپی تھی...... گن اس نے شانے پر اٹھائی اور جھاڑیوں کے ذرا اندر آ کر...... پیشاب کرنے بیٹھ گیا...... اس کے...... ساتھیوں نے اس پر لائٹ پھینکی...... تو اس نے اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے آخری انگلی کھڑی کی...... لائٹ فوراً ہٹ گئی۔

میرے اندر ہلچل سی مچ گئی اور رگوں میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ قدرت نے مجھے خونخوار دشمنوں کی صف میں گھسنے کا ایک سنہری موقع فراہم کر دیا تھا۔

میں شکاری چیتے کی طرح...... دشمن کے قریب پہنچا...... میری جوش آمیز عجلت سے...... جھاڑیوں میں ہلکی سی سرسراہٹ ابھری تو وہ بری طرح چونک کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تو میں اس پر زخمی درندے کی طرح جھپٹا...... اور...... اپنے دونوں ہاتھوں کے شکنجے میں اس کی گردن دبوچ کر ایک مخصوص جھٹکا دیا تو ''کڑک'' کی آواز ابھری...... اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

میں نے آناً فاناً...... اس کی وردی اتار کر پہن لی...... جدید سٹین گن اپنے قبضے میں کی۔ فاضل راؤنڈ کی بیلٹ کراس (X) کی صورت اپنے سینے پر لپٹی...... اور تقریباً دس عدد ہینڈ گرنیڈ کی چرمی تھیلی کی ہپ کٹ باندھ کر ٹوپی پہن لی۔

ہم دونوں ہم قد ہی تھے۔ میں نے ٹوپی کو دانستہ اپنے چہرے پہ زیادہ جھکا لیا تھا تاکہ کسی کو مجھ پر شبہ نہ ہو سکے...... نیز...... شرٹ کے کالر بھی کھڑے کر دیئے تھے۔

میں پراعتماد مگر...... ڈھیلے ڈھالے قدموں سے جھاڑیوں سے نکل کر...... اس سمت جا کھڑا ہوا جدھر...... وردی والا موجود تھا۔

میں اب...... معمول کے مطابق اپنی حد تک...... گشت کرنے لگا۔ میری انتہائی کوشش یہی تھی کہ کسی سے نہ میری بات ہو اور نہ ہی سامنا...... ورنہ میرا دھر لیا جانا لازمی تھا۔

گشت کے دوران' ساتھ ہی میں نے عمارت کا قریب سے بھی جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔ میں اپنی حد تک ہی محدود تھا...... اور اس طرف...... سے مجھے عمارت کے اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ یا دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

مگر میں پھر بھی مایوس نہ تھا...... کیوں کہ مجھے کسی وقت بھی اب...... عمارت کے اندر داخل ہونے کا موقع مل سکتا تھا...... لیکن باوجود اس کے میں برننگ پوائنٹ پر اس وقت کھڑا تھا...... کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا......

باقی پہرے دار...... اپنی جگہوں پر چوکس تھے اور میں نے کسی کو بھی اب تک کسی سے بات کرتے نہ پایا تھا...... یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا۔

ذرا دیر گزری تو اچانک گھر گھراتی آواز پر میں ذرا چونکا۔ پھر مذکورہ سمت کی طرف دیکھا تو...... کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دکھائی دی...... وہ ایک جیپ تھی...... وہ عمارت کے احاطے میں داخل ہوئی اور ایک جھٹکے سے رک گئی...... پھر اس کے اندر سے...... ایک چھریرے جسم کا دراز قد شخص نمودار ہوا...... اور...... ساتھ ہی آٹھ مسلح افراد بھی نیچے اتر آئے...... وہ سب مسلح تھے۔ ان کی وردیوں کی وضع قطع حتیٰ کہ رنگت بھی مختلف تھی۔ میرے دماغ میں فوراً یہ خیال ابھرا کہ...... یہ لوگ ڈیتھ سرکل کے اہلکار ہرگز نہیں تھے...... تو کیا پھر...... ''را'' کے ایجنٹ تھے......؟''

اس خیال کے آتے ہی ایکا ایکی میرے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہونے لگا اور جوش کے مارے کنپٹیاں سنسنانے لگی۔ کیوں کہ پلک جھپکنے کے ساتھ ہی میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ...... ان لوگوں کا تعلق ''را'' کے اس ونگ سے تھا جنہوں نے ڈیتھ سرکل کو خاص مقصد کیلئے تشکیل دیا تھا...... اور سیکرٹ فائل کے مطابق ''را'' کا یہی ونگ بہت فعال اور...... دشمنوں کیلئے...... ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لمبے تڑنگے مگر اکہری قامت کے کرخت چہرے والے کی وردی سے اس کے رینک کا اندازہ بخوبی ہوتا تھا کہ وہ...... کوئی کرنل ٹائپ چیز تھا۔ عمارت کے گرد...... سب پہرے دار...... جیپ کے قریب آ کر مودبانہ کھڑے ہو گئے تھے...... مخصوص انداز میں سلیوٹ بھی جھاڑ دیا تھا۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔

''چوپڑا کو بلاؤ...... اسی وقت۔''

وہ کرنل ٹائپ شخص کرخت مگر گونجدار آواز میں دھاڑا۔

اس کا چہرہ غضب ناک اور سرخ ہو رہا تھا...... اسی وقت چند پہرے دار...... اندر میجر چوپڑا کو بلانے کیلئے دوڑ پڑے اور میں بھی ان کے ساتھ ہی اندر داخل ہو

گیا...... وہ سب مختلف راہداریوں میں دوڑتے آگے بڑھنے لگے...... اور ایک کمرے میں داخل ہوئے......

''یس سر...... وہ...... ''را'' کے کرنل بھٹناگر صاحب آئے ہیں...... آپ کو بلا رہے ہیں۔'' سامنے دو اہلکاروں کے ساتھ ایک کنٹرول پینل کے سامنے رکھی کرسیوں پر براجمان میجر چوپڑا...... سے ایک نے گھبرائی ہوئی مودبانہ آواز میں اطلاع دی۔

میجر چوپڑا اس اطلاع پر ہڑبڑا کر اٹھا...... اور پھر کرسی سے اٹھ کر باہر کو دوڑا...... میں دانستہ ادھر ہی موجود رہا...... سب لوگ اس کے پیچھے دوڑے جا چکے تھے۔ میں اب کمرے میں تنہا کھڑا تھا...... اور لوگوں کے جاتے ہی...... میں نے ٹائمنگ کا اندازہ لگایا۔

کرنل بھٹناگر نامی شخص کے آنے سے میں جان گیا تھا کہ...... یہی ان کا وہ اعلیٰ چیف تھا جو...... ڈیتھ سرکل کی کمانڈ کیا کرتا تھا...... اور اس وقت اس کی اچانک آمد سے...... پورے زیروتھری میں کھلبلی مچ گئی تھی...... وہ یقیناً ان کی کلاس لینے آیا تھا۔

میں نے فوراً اپنی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے اس کمرے کی تلاشی لی...... یہ پورا کنٹرول پینل روم تھا...... سارے کمپیوٹر آن تھے...... اس لئے مجھے پاس ورڈ کی ضرورت پیش نہ آئی...... یوں بھی مجھے کیا معلوم تھا......؟ میں نے...... کی بورڈ سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی...... اور پھر جیسے...... پوری زیروتھری کی یہ عمارت اور اس کے بعید ترین گوشے میری نظروں کے سامنے تھے...... ساتھ ہی...... مجھے ''را'' کے اس ایکٹیو ونگ کے بارے میں تفصیلات کا پتہ چل گیا...... جس کی کمانڈ...... کرنل بھٹناگر کے ہی سپرد تھی۔

''را'' کا یہ ونگ...... ''اسالٹ ونگ'' کہلاتا تھا۔ اور یہ ونگ...... بالخصوص...... بھارت میں مقیم پاکستان اور مسلم دشمن ہندو انتہا پسند تنظیموں وشوا ہندو پریشد، بجرنگ دل وغیرہ سے خصوصی فنڈ بھی حاصل کر کے...... ملک پاکستان کے خلاف اور بھارت میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف سازش اور عملی جارحانہ کارروائیوں میں مصروف رہتا تھا۔

''را'' کا یہ اسالٹ ونگ بہت فعال تھا جس کے مرکزی ہیڈکوارٹر...... کی

نشانہ ہی...... خلیج کھمبات کے ساحل سے ایک سو ناٹ کا بحیرہ عرب کے ایک گمنام جزیرے...... پر کی گئی تھی...... جزیرے کا خود ساختہ نام...... ڈیتھ آئر لینڈ...... یعنی موت کا جزیرہ تھا۔

یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد...... میرے پورے وجود میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی...... بہر طور...... میں نے پروگرام تبدیل کر کے...... مانیٹر پر پہلے والا پروگرام سامنے کیا اس کے بعد وہاں سے نکل کر میں پہلے عمارت کے اس حصے میں آیا جہاں اسلحہ خانہ کی نشاندہی کی گئی تھی...... وہاں دو عدد گارڈز متعین تھے...... وہاں مدھم روشنی تھی...... میں نے ان سے کہا۔

''باہر اسالٹ ونگ کے کرنل پریم بھٹنا گر تشریف لائے ہیں...... میجر چوپڑا بھی وہی ہیں...... سب کو وہاں حاضر ہونے کا حکم ہے...... تم لوگ جاؤ...... میں باقی ساتھیوں کو خبر کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں آگے بڑھا...... اور جب میں نے ان دونوں اہلکاروں کے جاتے ہوئے قدموں کی آواز سنی تو رک گیا...... اور پھر واپس پلٹ کر...... اندر گھس گیا۔

یہاں میری آنکھیں چندھیا گئیں...... ڈیتھ سرکل زیرو تھری زون کا پورا...... ایمونیشن ڈمپ تھا...... میں نے ایک لمحہ کی بھی تاخیر کیے بغیر...... پانچ عدد...... ٹائم بم بیس منٹوں کی ٹائمنگ پر سیٹ کر کے...... خفیہ گوشوں میں نصب کر دیئے...... اور خاموشی سے دروازہ بند کر کے باہر آ گیا۔

میں وہاں سے ہٹ کر...... عمارت سے باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں...... کہ کرنل پریم بھٹنا گر...... واپس جا چکا تھا۔ مجھے اس کی اتنی جلدی واپس جانے کی بالکل توقع نہ تھی۔

بہر طور...... میجر چوپڑا کو لگتا تھا...... اچھی خاصی...... جھڑکیاں دے کر گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب اپنا نزلہ وہاں موجود اپنے ماتحتوں پر اتار رہا تھا۔ میں خاموشی کے ساتھ وہاں سے کھسک گیا۔ میں اب جلد از جلد اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا کیوں کہ...... بیس منٹ بعد یہ پورا علاقہ جہنمی آگ اور بارود سے لرزنے والا تھا...... مگر میں...... میجر چوپڑا...... کے اندر جانے کی تسلی کر لینا چاہتا تھا...... اور...... جب میں نے

دیکھا وہ...... اپنے ماتحتوں پر گرجتا برستا عمارت کے اندر چلا گیا ہے تو میں نے تیزی کے ساتھ...... دوڑنا شروع کر دیا۔

ٹھیک بیس منٹ بعد مجھے اپنے عقب میں پے در پے ساعت شکن دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں...... مجھے زمین لرزتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

ڈیتھ سرکل...... کی زیرو تھری عمارت...... میجر چوپڑا جیسے سفاک اور ملک دشمن عناصر سمیت تباہ و برباد ہو چکی تھی۔

میں ڈیتھ سرکل کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا...... لیکن...... ''را'' کا اسالٹ ونگ...... نابود کرنا...... میرے لئے اب اس سے بھی زیادہ اہم اور ناگزیر ہو چکا تھا۔

رات کا آخری پہر بھی بیتنے لگا تو میں ساحلی آبادی...... کھمبات جانے والی ایک مسافر بس میں سوار ہو گیا۔

جھگی پہنچا تو...... حسب توقع اسے موجود نہ پا کر میں نے اطمینان کی سانس لی اور شب گزشتہ کی نیند پوری کرنے کیلئے...... وہیں زمین پر میلی کچیلی دری پر لیٹ گیا۔

دوپہر کو میری آنکھ کھلی تو...... میں نے رکمنی کو گھریلو امور میں مصروف پایا۔ اس نے مجھے جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا...... تاہم اس کے چہرے سے...... مسرت عیاں تھی۔ یہ مسرت میرے واپس لوٹنے کی تھی۔

مجھے اٹھ کر بیٹھتے دیکھتے ہوئے وہ نرم لہجے میں بولی۔

''کیا رات بھر...... شہر جا کر جاگتے رہے تھے......؟''

''ہاں...... دوستوں کے ساتھ بیٹھ گیا تھا...... تاش کھیلنے اور پینے پلانے میں رات گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔'' میں نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔

''ہائے رام...... تو...... دارو بھی پیوت ہو۔'' وہ آنکھیں پھیلائے ہوئے بولی۔ اور میں ذرا خفت بھری مسکراہٹ سے بولا۔

''عادت تو نہیں ہے...... بس ذرا دوستوں یاروں کے ساتھ کبھی کبھی......''

''کبھی کبھی تو ہی منہ کو لگ جاتی ہے...... اور پیچھا نہیں چھوڑتی۔'' وہ یوں ناصحانہ لہجے میں بولی جیسے خدانخواستہ میری بیوی ہو۔ میں نے کوئی جواب دینا ضروری نہ

سمجھا۔ پھر وہ بھی خاموشی سے اپنا کام نمٹانے لگی۔

دوپہر کا کھانا ہم نے اکٹھے کھایا...... وہ آج اپنے حصے کی مچھلیاں لائی تھی...... میں نے اسے آرام کرنے کا کہا...... خود...... مچھلیوں کے ڈھیر کو چھانٹ کر...... کھچی کے ٹوکرے میں رکھنے لگا...... اور پھر ٹھیکے دار بگورام کے منشی دولت رام کے ہاں...... اسے فروخت کرنے چلا گیا۔

رکمنی نے مجھے پہلے ہی مچھلیوں کے دام بتا دیئے تھے۔

میں دولت رام کے پاس پہنچا...... اس کے چمرخ چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی...... اس نے مجھے گن کر روپے تھمائے پھر بولا۔

''اے چھوکڑ...... ایک بات تو سن......''

''کیا بات ہے......؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''اپن مالک...... بگورام نے تجھے...... بلایا ہے...... ذرا جا کر مل لے۔''

میں ذرا چونکا...... پھر کچھ سوچ کر بولا۔

''کیوں......؟ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے......؟''

''یہ تو تمہیں...... سیٹھ صاحب ہی بتائیں گے۔''

''اچھا...... میں ذرا تھکا ہوا ہوں...... پھر مل لوں گا......'' میں نے جان چھڑانے کے سے انداز میں کہا اور اس کی ہٹی سے نکلنے لگا تو عقب سے اس کی سرسراتی آواز ابھری۔

''سوچ لو...... سیٹھ صاحب ناراض ہو جائیں گے......'' اس کے لہجے میں چھپی معاندانہ تہہ کو بھانپ کر میں نے اس کی طرف گردن گھما کر دیکھا پھر بولا۔

''چلو...... کہاں ہیں تمہارے سیٹھ جی......؟''

''آؤ میرے ساتھ......'' منشی دولت رام نے کہا۔

میں اس کے ساتھ ہولیا۔

ذرا دیر بعد ہم...... ایک دو منزلہ مکان کے سامنے رکے۔

منشی اندر چلا گیا...... پھر بیٹھک کھول دی اور میں اندر داخل ہوا اور ایک بید کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر گزری...... تو ایک ادھیڑ عمر کالا بھجنگ سا موٹا شخص کھنکارتا ہوا اندر داخل ہوا۔

میں پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانا نہیں چاہتا تھا...... میں جس مقصد کیلئے یہاں آیا تھا اسے پورا کرنا چاہتا تھا...... یہاں عام لوگوں سے میری کوئی دشمنی نہ تھی۔ نا ہی میں یہ کھڑاک مول لینا ہی چاہتا تھا...... اس لئے...... سیٹھ بگورام کے اندر داخل ہوتے ہی میں نے اسے اٹھ کر اخلاقاً سلام کیا وہ بھی جواباً خوش دلی سے ملا۔

''بیٹھو...... کیا پیو گے......؟'' اس نے کرکراتی آواز میں پوچھا لہجہ معتدل تھا۔

''بڑی مہربانی...... منشی بتا رہا تھا آپ نے مجھے یاد کیا ہے...... اس لیے آ گیا۔''

میں نے دوٹوک لہجہ اختیار کیا۔ وہ بغور چند ثانئے میرے چہرے کو گھورنے کے انداز میں تکتا رہا پھر بولا۔

''تمہارا نام کیا ہے......؟''

میں نے اسے وہی نام بتایا جو رکمنی کو بتا چکا تھا۔

''اس چنڈال رکمنی کے جال میں کس طرح پھنس گئے ہو تم......؟''

اس نے اچانک کہا۔ مجھے اس سے اس سوال کی توقع تھی۔ کچھ دیر بعد بولا۔

''کبھی کبھی...... ضرورت گدھے کو بھی باپ بنا لیتی ہے۔''

''تمہاری کیا ضرورت ہے اس سے......؟'' اس نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

''میں بے گھر اور بے آسرا ہوں...... رکمنی نے مجھے دھندے پر لگا دیا...... اب اپنے ہاتھوں سے روزی کماتا ہوں......''

''تجھے اس نے شادی وادی کا سندیسہ دیا ہوگا......؟''

''نہیں...... ابھی تک تو ایسی کوئی بات اشارتاً بھی اس نے نہیں کہی مجھ سے۔''

میرا لہجہ بدستور محتاط تھا۔

''وہ اپنے شکار کو اسی طرح پھانستی ہے......'' سیٹھ بگورام کے لہجے میں استہزا تھا۔

''شکار......؟'' میں نے حیرت آمیز انداز میں چونکنے کی اداکاری کی۔

"ہاں......تم اس چڑیل کا...... چوتھا شکار ہو......"

"چوتھا شکار......؟" میں نے بدستور الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا......"

"سمے سے پہلے ہمری بات کا مطلب سمجھ جاؤ تو اچھا ہے......" وہ اسرار بھرے لہجے میں بولا تو میں نے دانستہ خوف زدہ نظر آنے کی اداکاری کی...... درحقیقت میں اس کی چال سمجھ رہا تھا...... وہ مجھے رکمنی سے دور کرنا چاہتا تھا...... اس میں اس کا ایک ہی مقصد ہوسکتا تھا...... وہ یہی تھا کہ...... رکمنی تنہا ہو اور اسے پھانسنے کا موقع مل سکے۔

"سیٹھ جی! ...... آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا...... کیا واقعی......؟" میں نے دانستہ جھرجھرائے لہجے میں کہا اور جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں...... وہ انسان کے جسم میں ایک خون آشام چڑیل ہے...... ایک خطرناک ڈائن...... ڈائن سے بھی زیادہ خطرناک...... ڈائن تو سات گھر چھوڑتی ہے...... مگر یہ ڈائن تو...... اپنے ہی مرد کا خون پی جاتی ہے۔"

"یہ...... یہ...... آپ...... کک...... کیا کہہ رہے ہیں؟"

"سچ کہہ رہے ہیں...... جتنی جلدی ہو سکے...... پیچھا چھڑا کر بھاگ جاؤ یہاں سے......" وہ مجھے خوف میں مبتلا دیکھ کر بولا۔ جیسے کہہ رہا ہو...... نہیں بھاگا تو...... میں اپنے بدمعاشوں کے ذریعے نکال باہر کروں گا...... میں اس سے پنگا نہیں لینا چاہتا تھا...... اور صرف اپنے کام سے کام رکھنا چاہتا تھا...... اس لئے...... میں ہولے ہولے سر کو تشویش آمیز انداز میں جنبش دینے لگا۔ پھر وہاں سے لوٹ آیا۔

جھگی آ کر...... میں نے سارے پیسے رکمنی کے ہاتھ میں رکھے...... اور اسے کچھ نہیں بتایا۔ وہ مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔

بالآخر میں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس سے کہا۔

"رکمنی...... کیا...... مجھے لانچ مل سکتی ہے......؟"

"ہیں......؟ لانچ......؟ کیا کرے گا......؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا......

"بس ذرا گہرے سمندر کی سیر کرنے کو جی چاہتا ہے......" میں بچوں کے سے

اشتیاق سے بولا تو وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تو تو واقعی بالک ہے...... اے...... اچھا...... کل صبح...... چلیں گے......" اس نے کہا اور میں چپ ہو رہا۔

اگلے دن صبح تڑکے ہم جاگے...... میں نے بھاری بھرکم جال سمیٹ کر کاندھے پر اٹھایا...... اور کھاڑی کی طرف چل دیا۔

ہم دو تین گھنٹوں تک مچھلیاں پکڑتے رہے...... اس کے بعد...... رکمنی لانچ کو گہرے پانیوں میں لے گئی۔ ساحل نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اب چہار اطراف حد نگاہ تک بیکراں سمندر تھا۔ یہ ایک موٹر لانچ تھی...... جو...... رکمنی نے کرائے پر ٹھیکیدار بگو رام کے منشی دولت رام سے لے رکھی تھی...... یہ ڈیزل سے چلتی تھی۔ اور اس میں فاضل ڈیزل کے دو عدد بڑے بڑے ڈرم بھی رکھے ہوئے تھے...... اس لانچ کو پانچ چھ مچھیرے مل کر "ہائر" کرتے تھے۔ رکمنی کو لانچ چلانا آتی تھی...... بلکہ مچھلیاں پکڑنے کے دوران میں نے بھی کسی حد تک سیکھ لی۔ باقی مچھیرے اپنے اپنے حصے کی مچھلیاں پکڑ کر ساحل پر ہی اتر گئے تھے۔ میں نے گہرے پانیوں میں آ کر...... دانستہ رکمنی کے ساتھ پیار بھری باتیں شروع کر دیں۔ اس کی تو جیسے مراد بر آئی...... ویسے وہ...... ایک مضبوط کردار کی بڑی دبنگ عورت تھی۔ آج تک اس نے زبردستی میرے گلے کا ہار بننے کی کوشش نہ کی تھی۔ مگر میں اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں چور بتیاں جلتے دیکھ چکا تھا۔

"اسی لئے تو مجھے یہاں لایا تھا...... تاکہ مجھ سے اپنے دل کا حال بیان کر سکے۔"

وہ ایک خطرناک خوش فہمی میں مبتلا ہوتے ہوئے شرما کر بولی۔

"ہاں...... تو ناراض تو نہیں ہو رہی...... پر دیکھ میں برا آدمی نہیں ہوں......" میں نے پیار سے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ تو میں بھی جانوں ہوں...... اگر تو برا ہوتا تو...... جھگی میں بھی میرے ساتھ زبردستی کر سکتا تھا......" وہ بولی۔

"میں نے باتوں باتوں میں سٹیئرنگ وہیل تھام لیا ہم دونوں عرشے سے اتر

کر ڈرائیونگ کیبن میں آ گئے۔ میں نے لانچ کا رخ مطلوبہ سمت موڑ رکھا تھا۔ اس کی سپیڈ بھی بڑھا دی تھی...... میں نے اسے پیار بھری باتوں میں لگائے رکھا تھا۔ ساتھ ہی کمپاس اور بیرومیٹر پر بھی میری نظریں جمی ہوئی تھیں۔ میں اپنی مطلوبہ سمت میں ساٹھ ناٹیکل میل پر آ گیا تھا۔

تب اچانک...... رکمنی نے متفکر لہجے میں مجھ سے کہا۔

"زیادہ آگے مت جا...... لوٹ چل...... کسٹم والوں نے دھر لیا تو مصیبت آ جاوے گی۔"

"ادھر کونسے کسٹم والے ہوتے ہیں......؟" میں نے چالاکی سے پوچھا۔ مگر رفتار کم نہ کی۔

"ودیشی پاکستانی...... کسٹم والے مل گئے تو...... پاکستان کی جیل کی سیر کرا دیں گے۔" اس نے کہا تو میں ذرا چونک کر بولا۔

"کیا...... یہاں سے پاکستانی سرحد قریب ہے......؟"

"ہاں...... ہماری تو ساری جندگی پانیوں میں گزری ہے...... چل لوٹ چل اب......"

تقدیر بڑے بھرپور انداز میں میرا ساتھ دے رہی تھی۔ گویا...... میں اپنے مشن کے آخری اور اہم مرحلہ کو سر کرنے کے بعد اس سمندری حدود کے راستے...... فرار ہو کر اپنے ملک کی سمندری حدود میں با آسانی داخل ہو سکتا تھا...... اور...... شاید یہی میرے لئے یہاں سے فوری طور پر نکلنے کا سامان ہو سکتا تھا...... میں ذرا سوچ میں پڑ گیا۔ مچھیروں کے بھیس میں اب میں با آسانی اپنے مشن کا یہ آخری ہمالیہ سر کر سکتا تھا...... مگر...... رکمنی میرے ساتھ تھی...... اسے اعتماد میں لینا پہلے اشد ضروری تھا...... تب میرے ذہن رسا میں ایک ترکیب آئی۔

اور میں نے رکمنی سے کہا۔ "رکمنی...... ایک بات بتاؤں......؟"

"ہاں...... بول کیا بات ہے......؟" اس نے گہری نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"رکمنی...... اب تو تیری میر[illegible]تھ دل لگی بھی ہو گئی ہے...... اب تیرے

سے کیا چھپانا......؟ مگر...... پھر بھی...... تجھے بتاتے ہوئے جھجک سی ہوتی ہے......" میں نے پینترے باز نظروں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا...... تو وہ فوراً آپوں ہی آپ محبت بھری حلاوت سے بولی۔

"جھجک کیسی بابو...... (وہ اب مجھے پیار سے بابو کہتی تھی)؟ مجھ پر وشواس کر...... بول کیا بات ہے...... کیا کوئی پریشانی ہوت ہو......؟"

"ہاں...... ایسی ہی بات ہے۔" میں نے گومگو سے لہجے میں کہا اور...... ایکا ایکی اپنے چہرے پر غیظ آلود تاثرات ابھارتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولا۔

"رکمنی...... میرا ایک دشمن ابھی زندہ ہے...... جس نے میری معصوم بہن کے ساتھ کھلواڑ کرنے کی کوشش کی...... مگر وہ بہت طاقتور ہے...... یہاں ایک جزیرے میں اس کی حکومت ہے...... میں...... درحقیقت اس جزیرے پر پہنچ کر اس سے انتقام لینا چاہتا ہوں......"

مجھے رکمنی سے پے در پے اور مصلحتاً جھوٹ بولنا پڑ رہا تھا۔

وہ میری بات پر قدرے چونک کر میری طرف تکنے لگی۔

"ارے...... کونسا جزیرہ ہے وہ......؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اسے بتایا کہ...... وہ کھمبات کے ساحل سے سو ناٹیکل میل کے فاصلے پر جنوب مشرق کی سمت ہے تو یکدم اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری...... پھر جیسے اٹک اٹک کر بولی۔

"تت...... تو...... مم...... موت کے جزیرے کی...... تو بات...... نن...... نہیں کرت ہو۔"

"ہاں...... کیا تجھے معلوم ہے...... اس کے بارے میں......؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں...... پر وہاں...... تو...... سرکار کے آدمیوں کی حکومت ہے...... تیرا دشمن بھلا...... وہاں......"

رکمنی اچانک کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ [illegible]ے بات کرتے کرتے اچانک جیسے کچھ یاد آ گیا ہو اور اس نے اپنا جملہ بھی اد[illegible]دیا تھا۔

میں بھی چونک کر اس سے بولا۔

''کیا ہوا...... رکمنی......؟ تو چپ کیوں ہوگئی......؟''

میں نے محسوس کیا کہ وہ...... اب بڑی عجیب وغریب نگاہوں...... سے میری طرف تکے جا رہی تھی۔

''رے...... تو ودیش ملک کا جاسوس تو نہیں......؟'' معاً اس نے سرسراتی آواز میں کہا...... اور میں جیسے سناٹے میں آ گیا۔ میں نے تو اسے ایک ان پڑھ جاہل مچھیرن سمجھا تھا...... مگر...... اس نے مجھ سے ایک ایسی بات اپنے تئیں محض شبے میں کہی تھی...... لیکن...... سو فیصد درست تھی۔ پھر فوراً ہی میں اس کی ذہنی فراست کے اس شاخسانے کو سمجھ گیا...... رکمنی کا تعلق مچھیروں کے قبیلے سے تھا...... جو بحیرہ عرب کے گہرے پانیوں میں جا کر مچھلیاں پکڑا کرتے تھے...... اور...... چوں کہ...... یہاں دونوں ملکوں کی سمندری حدود ملتی تھیں اس لئے...... ہوسکتا تھا کہ یہاں ایسے واقعات جنم لیتے رہتے ہوں...... بہرطور...... میں نے رکمنی کی بات کو ہنسی میں ٹالنے کی غرض سے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا...... بولا......

''رکمنی! یہ تجھے...... مجھ پر ودیش جاسوس ہونے کا شبہ کیسے ہوا......؟'' یہ کہتے ہوئے میں نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''بابو...... ہماری وستی میں ودیشی جاسوس آتے رہے ہیں...... وہ عام آدمیوں کی طرح گھل مل کر ہی رہتے تھے...... مگر...... ان میں سے کچھ پکڑے بھی جاتے تھے...... اور انہیں پکڑنے والے...... یہی کالی سرمائی وردیوں والے...... سرکاری آدمی ہوتے تھے جو...... اس موت کے جزیرے سے...... آ کر...... ہماری بستی کا گشت لگایا کرتے تھے۔'' اس نے صراحتاً بتایا...... اب تو میں بھی...... ذرا سٹپٹا گیا تھا۔

میں اپنے ساتھ...... سٹین گن بھی لایا تھا...... فاضل راؤنڈ کی بیلٹ بھی تھی۔ وہ دونوں چیزیں...... کیبن کے ایک سیلن زدہ چوبی صندوقچے میں محفوظ تھیں۔

ایکا ایکی میں نے محسوس کیا تھا کہ...... رکمنی کا چہرہ ہر طرح کے تاثرات سے عاری ہو چکا تھا۔ پھر جانے اس کے سر پر کیا سمائی کہ...... اس نے...... قریب رکھے مذکورہ صندوق سے میری گن نکال کر مجھ پر تان لی...... اس کی اس غیر متوقع حرکت پر

میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا...... اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''کون ہے تو...... سچ سچ بتا مجھے...... نہیں تو گولی مار کر تیری لاش سمندر میں پھینک دوں گی۔'' اس کا لہجہ یکدم بدل گیا۔ اس سے پہلے...... وہ...... ایک اجڈ اور جاہل مچھیرن نظر آتی تھی...... مگر اب یکدم...... جیسے اس کا لہجہ ہی بدل گیا تھا...... جیسے کوئی شہر کی مہذب خاتون مجھ سے مخاطب ہو...... میں رکمنی کا یہ روپ دیکھ کر حیران و پریشان رہ گیا تھا۔

''جواب دو...... ورنہ گولی مار دوں گی......''

''ر...... ر...... رر...... رکمنی! یہ تجھے کیا ہوگیا ہے...... کیا کہہ رہی ہے تو......؟''

میں نے لہجے میں تاسف آمیز حیرت و پریشانی سموتے ہوئے کہا۔

''میرا تعلق...... انڈین انٹیلی جنس سے ہے...... مجھے...... اب شرافت سے اپنے بارے میں بتا دو...... کہ...... تم...... ڈیتھ آئرلینڈ کیوں جانا چاہتے ہو۔''

وہ درشت لہجے میں بولی اور میری کنپٹیوں پر لہو ٹھوکریں مارنے لگا۔ یہ علاقہ حساس ہونے کی وجہ سے یہاں...... عام مچھیرے یا انسانوں کے بھیس میں ''را'' یا انڈین انٹیلی جنس کے جاسوس ہونا اچنبھے کی بات نہ تھی۔

رکمنی جو مچھیرن کے روپ میں انڈین انٹیلی جنس کی تربیت یافتہ رکن نظر آتی تھی...... وہ میرے بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتی تھی تاہم ان کی باتوں سے میں نے اتنا تو اندازہ لگا ہی لیا تھا کہ...... ڈیتھ سرکل اور ''را'' کے اسالٹ ونگ والوں نے...... میرے معاملے کو ابھی انڈین سیکرٹ سروس یا انٹیلی جنس سے دور ہی رکھا تھا۔

تاہم وہ...... لوگ اپنے اپنے دائرے میں اپنا اپنا فرض نبھا رہے تھے...... جیسا کہ...... رکمنی یہ سارے خیالات...... میرے ذہنِ طباع میں اچانک ہی ابھرے تھے۔

میں نے اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے اس سے پھر مسکرا کر کہا۔

''رکمنی...... تو مجھے غلط آدمی سمجھ رہی ہے......''

''نہیں...... تم پاکستانی جاسوس ہو...... ورنہ...... ڈیتھ آئرلینڈ کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم۔'' وہ درشت لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

''یہ راز صرف ''را'' اور انڈین سیکرٹ سروس والے جانتے ہیں...... اگر کوئی

تیسرا اس راز سے واقف ہے تو...... وہ یقیناً...... دشمن ملک کا جاسوس ہی ہوتا ہے......
اب تم میرے شک کرنے کی وجہ جان چکے ہو گے......؟''

''تمہارا شک بے بنیاد ہے...... تم نے میرے پیار سے دھوکا کیا ہے...... میں
ایک سیدھا سادہ......''

''بکواس بند کرو اپنی......'' وہ حلق کے بل دھاڑی...... اس وقت...... جانے
کدھر سے...... ایک بھولی بھٹکی تیز لہر نے لانچ کو بری طرح ڈولا دیا...... رکمنی...... اپنا
توازن قائم کرنے کی کوشش میں چند قدم پیچھے لڑکھڑائی...... تو میں نے اچھل کر ایک
جست اس پر لگائی...... اس نے گن کی نالی کا رخ میری طرف موڑنے کی کوشش کی مگر
اس سے پہلے ہی میں اسے چھاپ کر رگیدتا ہوا...... کیبن سے...... باہر آ گیا...... ہم
دونوں میں اب زور آزمائی ہونے لگی...... وہ بے شک انڈین انٹیلی جنس کی تربیت یافتہ
ایجنٹ تھی...... لیکن بہر حال وہ ایک عورت تھی...... خود مجھے بھی اسے ہلاک کرنے کو دل
نہیں چاہ رہا تھا...... بہر طور میں نے اس پر جلد ہی قابو پا لیا...... پھر اسے رسیوں سے
اچھی طرح باندھ کر اندر کیبن کے ایک کونے میں ڈال دیا...... میں نے اس کے منہ میں
کپڑے کا گولا بھی ٹھونس دیا تھا۔ میں اب لانچ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

میری منزل زیادہ دور نہ تھی تھوڑی دیر بعد...... مجھے دور پٹی دکھائی دی۔ یہ
ڈیتھ آئرلینڈ...... کا ساحل ہی ہو سکتا تھا...... میں نے سوچا...... اس کے ساتھ ہی میں
نے...... لانچ کی رفتار کم کر دی...... بلکہ لانچ کا انجن ہی بند کر دیا...... جو پرانا ہونے کے
باعث بہت آواز پیدا کر رہا تھا۔ سٹین گن میرے کام نہیں آ سکتی تھی...... میں نے......
پہلا کام یہ کیا کہ...... لانچ کو وہیں لنگر پھینک کر...... محدود کو دیا...... کیوں کہ اس میں......
انڈین سیکرٹ ایجنسی کی اہلکار قید تھی...... اس لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی ساحل پر
پہنچ کر میرا مشن فیل کر ڈالے...... پہلے تو میرے جی میں آئی کہ اسے ختم کر ڈالوں
مگر...... پھر یہی سزا اس کی تجویز کی کہ...... اسے ادھر ہی پڑا رہنے دوں...... بہر طور میں
نے اس کی جامہ تلاشی لے لی تھی...... کہ کہیں اس کے پاس کوئی وائرلیس یا بٹن برابر بھی
کوئی ٹرانسمیٹر تو نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے ایک ٹائر ٹیوب سنبھالا اور اللہ کا نام لے کر...... گہرے
پانی میں اتر گیا۔ سہ پہر کا وقت ہو چلا تھا...... دور مغرب کی سمت آسمان سرخ ہونے لگا
تھا۔ میں...... بحر عرب کے ہیبت ناک سمندر میں اتر چکا تھا...... اور اب...... ہاتھ پاؤں
کی کوشش سے دھیرے دھیرے تیرتا ہوا...... ڈیتھ آئرلینڈ کے ساحل کی طرف بڑھنے
لگا۔ میں چاہتا تو لانچ کے ذریعے بھی بآسانی جزیرے تک پہنچ سکتا تھا...... لیکن میں منوڑا
یا کیماڑی کے جزیروں کی سیر کرنے نہیں جا رہا تھا۔ یہ جزیرہ موت کا جزیرہ تھا۔
جدھر...... را جیسی بدنام زمانہ تنظیم کے ایک انتہائی فعال اور اہم ونگ...... ''اسالٹ'' کا
مرکزی ہیڈ کوارٹر تھا...... یہ ''ونگ'' ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔

لانچ کو دیکھتے ہی...... اسالٹ کے خونی ہرکارے...... اس طرف متوجہ ہو سکتے

تھے۔ بلکہ سچ پوچھا جائے تو مجھے...... اپنے جسم کے گرد بندھے اس بڑے سے ٹائر ٹیوب کے ذریعے...... جزیرے تک پہنچنے پر بھی خطرہ محسوس ہو رہا تھا لیکن بہرحال لمبی چوڑی...... اور گھرگھراتی آواز والے ڈیزل انجن کی لانچ کے مقابلے میں...... اس میں کم خطرہ تھا۔

میں نے دانستہ شام اترنے اور رات کی تاریکی پھیلنے کی خاطر ہی...... جزیرے سے کافی دور...... لانچ روکی تھی تاکہ ایک تو میں دشمنوں کی عقابی نظروں سے بھی محفوظ رہ سکوں دوسرے...... جب تک میں گہرے پانیوں میں تیرتا ہوا جزیرے کے قریب پہنچوں تو آس پاس اندھیرا پھیل جائے تاکہ...... پانی کی سطح پر ابھرنے والے معمولی سے ارتعاش کو بھی دشمن نہ دیکھ سکیں۔

مجھے بخوبی یہ اندازہ تھا کہ...... دشمن مجھ سے کس قدر بدکے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں زبردست زک پہنچائی تھی...... میں پورے ڈیتھ سرکل کو تباہ و برباد کر چکا تھا...... اب ڈیتھ سرکل جیسی وجود میں لانے والی ملک دشمن تنظیموں کو جنم دینے والے ''را'' کے ''اسالٹ ونگ'' کا بھی قلع قمع کرنا اشد ضروری تھا...... مذکورہ ونگ کے تباہ ہونے سے پوری ''را'' تنظیم بیس سال پیچھے چلی جاتی...... اور پھر...... ان میں کبھی بھی...... میرے پاک وطن کے خلاف سازش کرنے کیلئے...... ڈیتھ سرکل جیسی تنظیم کو جنم دینے کی جرأت تک نہ ہوتی...... بلکہ خود کو سنبھالنے میں ہی انہیں کئی سال لگنے تھے۔

میں یہ بھی جانتا تھا کہ ہوسکتا ہے...... اسالٹ والوں کو ابھی شاید اس حقیقت کا علم نہ ہو کہ...... میں ڈیتھ سرکل کو مکمل طور پر تباہ کرنے کے بعد ان کے پیچھے پڑ چکا تھا...... وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ...... میں اپنا ''مشن'' مکمل کر کے اب واپسی کی راہ لوں گا...... اور ہوسکتا ہے...... ان لوگوں نے ملک سے باہر جانے والے راستوں پر زبردست چیکنگ کا انتظام بھی کر رکھا ہو......

بہرطور...... میں پانی میں تیرتا چلا جا رہا تھا۔ جب تھک جاتا تو...... ٹائر ٹیوب کے سہارے اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر...... ذرا ستانے لگ جاتا تھا اس کے بعد...... پھر ہاتھوں پیروں سے چپوؤں کا کام لینا شروع کر دیتا تھا......

میں اندھیرا پھیلنے تک جزیرے کے ساحل کے قدرے قریب پہنچ چکا تھا۔

نیلے اور شفاف آسمان پر طباق چاند دمک رہا تھا...... جس کی روشنی میں ساحل ویران نظر آ رہا تھا...... ناریل اور پام کے درخت نظر آ رہے تھے۔

میں ذرا تھم کر...... آنکھیں سکیڑے ساحل کی طرف دیکھنے لگا...... میں نے اب ٹائر کی ہوا نصف نکال کر اس کا حجم کم کر دیا تھا...... کیونکہ یہ تو یقینی امر تھا کہ...... ''اسالٹ'' کے ایجنٹ چہار اطراف پھیلے ہوئے ہوں...... جانے کیوں میرا ساحل کی طرف بڑھنے کو دل نہیں مان رہا تھا...... میں نے ساحل کے جنوبی طرف دیکھنے کی کوشش کی تو وہاں ابھرے ہوئے نوکیلے خاکے نظر آئے۔

گویا جنوبی سمت مختصر سا پہاڑی سلسلہ تھا۔ میں نے سوچا اور یہی ارادہ کیا کہ...... جنوبی سمت کی طرف بڑھا جائے...... لہٰذا میں دھیرے دھیرے تیرتا ہوا...... متوازی رخ چٹانی سمت کی طرف بڑھنے لگا...... جب میں نے دیکھا کہ میں اب چٹانی ساحل کے قدرے قریب پہنچ چکا تھا تو میں نے ٹائر ٹیوب سے ساری ہوا نکال کر اسے پرے دھکیل دیا او...... خود...... سمندر میں غوطہ مار کر تیرتا ہوا...... پہاڑی کے قریب ساحل پر آ پہنچا۔ یہ غالباً...... مونگیا کی چٹانیں تھیں...... اور خاصی جا بجا کائی ہونے کی وجہ سے خاصی پھسلواں ہو رہی تھیں۔ بہرطور...... میں گرتا پھسلتا ہوا...... چٹانوں کی درمیان دراڑ میں داخل ہو گیا۔

موت کے جزیرے پر قدم رکھتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو چکی تھیں۔ ایک مقام پر مڑ کر میں نے اللہ سے دل ہی دل میں اپنی آخری کامیاب کی دعائیں مانگیں اور...... آگے بڑھا...... پھر جلد ہی کسی نہ کسی طرح...... چٹان کے آخری سرے پر پہنچ کر رک گیا۔ اب سامنے...... گھنا جنگل نظر آ رہا تھا۔ اس مختصر سے چٹانی سلسلے کے بعد...... ایک مختصر سا ریتیلا میدان تھا اس کے بعد جنگل شروع ہو جاتا تھا۔ میں نے...... ریتیلے میدان کی طرف بڑھنے سے پہلے اچھی طرح گردوپیش میں نظریں دوڑائیں اس کے بعد...... میں زمین پر لیٹ گیا اور پھر کہنیوں اور سینے کے بل رینگتا ہوا ریتیلے میدان پر پہنچا اور...... پھر اسی طرح بہ سرعت اپنی رینگتی ہوئی پیش قدمی کے ساتھ بالآخر جنگل میں داخل ہو گیا۔ پھر جیسے ہی اٹھ کر کھڑا ہوا...... اچانک روشنی کا تیز سیلاب مجھ پر امڈ پڑا۔ ایک لمحے کو تو میرے اوسان ہی خطا ہو گئے...... اور میری آنکھیں چندھیا

گئیں......

''ہالٹ......'' ساتھ ہی ایک کرخت آواز گونجی...... لائٹ کم ہوئی تو مجھے سامنے...... دو گن بردار افراد نظر آئے۔ انہوں نے چست سیاہ پتلونیں اور قمیصیں پہن رکھی تھیں۔ ایک نے ہاتھ میں گن کے ساتھ...... بڑی سی ٹارچ لائٹ بھی پکڑی ہوئی تھی...... صرف دو دشمنوں کو دیکھ کر مجھے قدرے طمانیت ہوئی۔

''کون ہو تم......؟'' وہی کرخت آواز والے ایجنٹ نے مجھے درشتی سے پوچھا۔ ''مم...... میں...... مچھیرا ہوں...... میری لانچ تباہ ہو گئی ہے...... اور میں یہاں آ گیا۔'' میں نے اپنے لہجے میں خوف سمیٹتے ہوئے کہا۔

''کہاں رہتے ہو تم......؟'' اس بار لائٹ والے نے کرخت آواز میں پوچھا۔

''ادھر کھمبات میں بستی ہے ہمری......'' میں نے بدستور سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بب...... بے شک...... تت...... تم...... میری جامہ تلاشی لے لو......''

پھر ایک دشمن میری طرف بڑھا...... اس نے میری جامہ تلاشی لے لی...... مگر کچھ برآمد نہ ہوا۔

''راجن...... اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔'' میری تلاشی لینے والے نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔

''کیا کریں اب اس کا...... کیا...... چیف صاحب کے پاس لے چلیں اسے......؟'' پہلے والے نے رائے طلب لہجے میں اپنے ساتھی سے پوچھا۔

''اگر تمہیں یہ مشکوک نہیں لگتا تو پھر...... اسے سمندر میں ہی پھینک دیتے ہیں۔'' دوسرے نے جواباً رائے دے دی...... میری رگوں میں خون کی گردش یکلخت تیز ہو گئی۔

''نہیں راجن...... چیف صاحب کا حکم ہے کہ...... کوئی بھی مشکوک آدمی نظر آئے اسے پکڑ کر لے آؤ......'' پہلے والے نے مخالفت کی۔ راجن نامی اس کا دوسرا ساتھی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''چلو پھر یہ ٹھیک رہے گا......'' بالآخر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس کے بعد...... وہ دونوں مجھے گن پوائنٹ پر لئے...... ایک طرف کو چل

دیئے۔ میں نے ان کی حرکات وسکنات سے لاپرواہیانہ انداز بھانپ لیا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہی ہو سکتی تھی کہ وہ مجھے واقعی کوئی بے ضرر سا مچھیرا سمجھے ہوئے تھے...... میں نے ان کے اس لاپرواہیانہ انداز سے فائدہ اٹھانے کا سوچا...... اور پھر ایک مقام پر دانستہ ٹھوکر لگنے سے میں جھوٹ موٹ زمین پر گر گیا...... اور اپنی ایک ٹانگ پکڑے ہائے ہائے کرنے لگا۔

''ہمری...... ٹانگ میں موچ آ گیو رے...... ہائے...... چلا بھی نہ جائے......'' میں نے مخصوص لب و لہجے میں کہا تو ایک نے دانت بھینچ کر آگے بڑھتے ہوئے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھانا چاہا تو میں نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ...... اس کی گن جھپٹ لی...... پھر بہ سرعت گن کا رخ دونوں کی طرف موڑ کر...... ٹرائیگر دبا دیا......

رات کے بھیانک سناٹے میں گولیوں کی سمع خراش تڑتڑاہٹ ابھری اور دونوں تڑپ کر ڈھیر ہو گئے...... میں نے جلدی جلدی ان کی تلاشی لی...... اور ان کے قبضے سے فاضل راؤنڈ اور ہینڈ گرنیڈ اپنے قبضے میں لیے پھر اندھا دھند دوڑنے لگا۔

ابھی میں چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھا کہ...... اچانک...... مجھے ایک تیز سائرن کی آواز سنائی دی...... اس آواز پر میں بری طرح ٹھٹک کر رک گیا۔ یقیناً یہ ہوشیار باش کرنے کا سائرن تھا جو گولیوں کے دھماکوں کے بعد ہیڈ کوارٹر سے بجایا گیا تھا...... میں اب سائرن کی تیز آواز کا تعین کر کے...... نہایت محتاط روی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ...... اچانک فضا میں ایک تیز پٹاخہ گونجا اور دوسرے ہی لمحے...... پورا جنگل کیا بلکہ جزیرہ ہی تیز چندھیا دینے والی روشنی میں نہا گیا...... میں گھبرا گیا...... مگر پھر فوری طور پر کسی انجانے خطرے کے پیش نظر...... میں جیسے ہی قریب کے جھنڈ دار جھاڑیوں میں گرا تو اچانک گولیوں کی سمع خراش تڑتڑاہٹ ابھری......

''زٹازٹ'' کی مہیب آوازوں کے ساتھ...... کئی گولیاں میرے دائیں بائیں زمین پر پیوست ہو گئیں۔ چند ایک گولیوں کی جھپک تو مجھے اپنے چہرے اور کنپٹیوں کے بالکل قریب سے گزرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی...... دشمنوں نے شاید مجھے دیکھ لیا تھا...... میں ان کے فائرنگ پوائنٹ سے دور نکل جانا چاہتا تھا...... چنانچہ میں تھوڑے فاصلے پر تیزی سے

رینگتا ہوا آگے بڑھا اور پھر اٹھ کر دوڑ لگا دی...... ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ......
اچانک دوبارہ فضا میں پٹاخہ چھوٹنے کی آواز ابھری اور ایک بار پھر اردگرد کا تاریک ماحول تیز روشنی میں نہا گیا تھا...... میں نے دوبارہ خود کو قریب کی گھنی جھاڑیوں میں اچھال دیا...... گولیوں کی سمع خراش تڑتڑاہٹ ابھری اور میرے حلق سے کرب انگیز چیخ خارج ہو گئی...... ایک گولی میرے بائیں بازو کا گوشت چھیدتی نکل گئی...... میں نے اذیت کی بڑھتی ہوئی لہر کو دانتوں تلے دبانے کی کوشش کی پھر بازو کے زخم کا جائزہ لیا...... وہاں سے تیزی کے ساتھ بھل بھل خون جاری تھا......خون تیزی سے بہتا دیکھ کر مجھے تشویش لاحق ہونے لگی۔ میں نے زمین سے مٹھی بھر نم آلود ریت اٹھا کر زخم پر مل لی...... اس کے بعد اپنی قمیص پھاڑ کر اس کی پٹی سی بنا کر......زخم کے گرد باندھ لی...... خون کا جریان قدرے کم ہوا...... وقت گزرنے کے ساتھ......اس نے بھی جم جانا تھا۔ اس لئے میں چند ثانئے اپنی جگہ پر ہی دبکا رہا۔

دشمنوں کا میری طرف سے ہوشیار ہو جانا میرے حق میں بہتر نہیں ہوا تھا مگر اب مجھے ان سنگین تر اور خطرناک حد تک جان لیوا مخدوش حالات سے نمٹنا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ...... جب تک یہ لوگ مجھے گولیوں سے بھون نہ لیں......اسی طرح روشنیوں کے پٹاخے فضا میں چھوڑتے رہیں گے......اس لئے میں اپنی جگہ ہی دبکا رہا......مگر...... زیادہ دیر یہ بھی میرے لئے بہتر نہ تھا...... مجھے اپنے مشن اور اپنی بقا کی خاطر حرکت پذیر رہنا تھا۔

چنانچہ میں نے یہ سوچ کر ایک بار پھر پیش قدمی کی......مگر اس بار...... میں نے پیروں پر کھڑے ہو کر چلنے کے بجائے...... کہنیوں اور...... سینے کے بل پر رینگنے کو ترجیح دی......

تاریک فضا میں اب بھی وقفے وقفے سے آتش بازی جاری تھی۔ میرے جمود میں رہنے سے دشمن مجھے چھاپ سکتے تھے......اگر میں اس بار ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو مفر کی راہ ناممکن تک مشکل ترین ثابت ہوتی۔

میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ چکا تھا......اور...... رینگتے ہوئے جنگل کے پار نکل جانا چاہتا تھا...... ابھی میں تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ...... شکاری کتوں کے بھونکنے کی آوازیں

سنائی دیں اور میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

مجھے تاریک جنگل کی بھول بھلیوں سے نکالنے کیلئے...... دشمنوں نے کتے چھوڑ دیئے تھے جو یقیناً تربیت یافتہ اور بوگیر کتے تھے...... جو میری بو سونگھتے ہوئے چشم زدن میں مجھے گھیر سکتے تھے...... میں نے بھی سنگین خطرہ بھانپتے ہی...... ایک عدد ہینڈ گرنیڈ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا......بس اس کی پن دانتوں تلے کھینچنے کی دیر تھی۔

ذرا ہی دیر گزری تھی کہ بوگیر شکاری کتوں کے میرے بالکل داہنی جانب بھونکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بلکہ وہ میرے اس قدر قریب پہنچے ہوئے محسوس ہونے لگے کہ مجھے ان کی خونخوار ہانپتی ہوئی غراہٹیں بھی صاف سنائی دینے لگی تھیں۔ ایکا ایکی...... میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں...... میں پل بھر کو رکا مذکورہ سمت کی طرف اندھیرے میں آنکھیں سکیڑ کر دیکھا تو مجھے شکاری کتوں کے ہیولوں کے ساتھ روشنیاں بھی تھرکتی ہوئی نظر آئیں...... غالباً شکاری کتوں کے تعاقب میں مسلح دشمن بھی ہاتھوں میں ٹارچیں لئے دوڑے چلے آ رہے تھے...... پھر وہ جیسے ہی میرے ذرا قریب پہنچے تو میں نے ہاتھ میں پکڑے ہینڈ گرنیڈ کی پن دانتوں سے کھینچ کر اسے دشمنوں اور کتوں کے غول کی طرف پوری قوت سے اچھال دیا اور خود یکدم زمین پر لیٹ گیا۔

ایک ساعت شکن دھماکہ ابھرا اور مجھے کتوں کی کرب ناک چیخوں کے ساتھ دشمنوں کی بھی کریہہ چیخیں سنائی دی تھیں۔ میں نے احتیاطاً مذکورہ سمت ایک برسٹ بھی سوئپ کے انداز میں فائر کر دیا...... اس کے بعد پر دوڑ لگا دی۔

اب روشنیوں کے پٹاخے فضا میں چھوڑنا بند ہو چکے تھے...... میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تاریکی میں دوڑتا چلا جا رہا تھا...... ابھی میں جنگل کے سرے پر پہنچا ہی تھا کہ...... مجھے اپنے دائیں بائیں جھاڑیوں میں سرسراہٹیں سنائی دیں...... میں فوراً زمین پر لیٹ گیا...... پہلے دائیں جانب اپنی گن کا رخ کر کے گولیوں کی بوچھاڑ کر ڈالی پھر بائیں طرف اس کے بعد میں پھرتی کے ساتھ...... ایک کھردرے تنے والے درخت پر چڑھ گیا...... یہ...... زیادہ اونچا درخت نہ تھا...... مگر...... کافی چھتناور تھا...... میں بلندی میں پہنچ کر فوراً اس کی گھنی شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا...... سامنے دیکھا تو مجھے درختوں کے جھنڈ میں ایک مستطیل عمارت دکھائی دی...... جس کی بلندی تو کچھ خاص

نہ تھی مگر...... وہ ارضی طور پر کافی وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔

وہاں مجھے اردگرد تقریباً دس بارہ مسلح دشمن ایجنٹ چوکس انداز میں کھڑے دکھائی دیئے تھے...... مجھے فوراً ایک خوشگوار احساس ہوا۔

دشمن بہت محدود تعداد میں تھے...... اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں بہت سے...... میرے ہاتھوں بھی جہنم واصل ہوئے تھے...... موجودہ سنسنی خیز حالات کا تقاضا تھا کہ میں [illegible] ...... اب سست روی کے بجائے...... فاسٹ [illegible] پر عمل پیرا ہی رہوں۔ چنانچہ یہ خیال آتے ہی میں نے دشمن ایجنٹ کے قبضے سے حاصل کیے ہوئے بقیہ پانچ ہینڈ گرنیڈ کا جائزہ لیا پھر...... سٹین گن کا میگزین فل کر کے اسے اٹیچ (Atach) کرنے کے بعد...... چند ثانیے دبک کر وہیں بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر گزری تو...... جنگل کے مختلف گوشوں سے تقریباً آٹھ دس مزید مسلح دشمن نمودار ہو کر ہیڈ کوارٹر کی عمارت کی طرف بڑھے دفعتہً عمارت کے اندر سے میں نے دو مسلح گارڈز کی معیت میں...... کرنل بھٹناگر کو بدحواسی کے عالم میں نکلتے دیکھا...... وہ...... اپنے ساتھیوں پر برسنے لگا...... وہ غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔

''عمران ...... ! فاسٹ ایکشن کا وقت آن پہنچا ہے...... اب نہیں تو کبھی نہیں۔'' میرے اندر کوئی چیخا...... میری رگوں میں ایکا ایکی جوش آمیز خون کی گردش تیز ہونے لگی...... میں جنگلی چیتے کی طرح...... درخت سے نیچے اترا...... اور پھر...... موت بن کر تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمنوں کے گویا سر پہ پہنچ گیا۔ مجھے اتنے قریب پا کر ایک لمحے کو تو وہ سب کے سب ہکا بکا رہ گئے پھر جب تک وہ سنبھلتے میں نے پہلے سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہینڈ گرنیڈ کی پن کھینچ کر ان کی طرف اچھال دیا...... کرنل بھٹناگر...... اندر کی طرف دوڑا سماعت شکن دھماکے کے ساتھ ہی...... وہاں موجود دشمنوں کے پرخچے اڑ گئے...... میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ...... دوسرے ہینڈ گرنیڈ کی پن نکال کر اسے بھی اچھال دیا۔ اس کے بعد میں بھٹناگر کے تعاقب میں عمارت کے اندر دوڑا...... اندر پوری عمارت ویران تھی...... میں پاگلوں کی طرح...... اپنے آخری دشمن بھٹناگر کو مختلف راہداریوں میں تلاش کرنے لگا مگر وہ...... ایسا غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ میں نے...... مختلف کمروں کی جلدی جلدی تلاشی لی

مگر اس مردود بھٹناگر کا سراغ نہ ملا۔ اس خبیث کو جہنم واصل کیے بغیر میرا مشن ادھورا تھا۔ کیوں کہ...... ''را'' کا سب سے زیادہ اہم شخص یہی تھا جسے اسالٹ ونگ میں دماغ اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل تھی۔ پاکستان کے خلاف مکروہ خفیہ سازش اور ڈیتھ سرکل کی اختراع بھی اسی موذی کی تھی لہٰذا میں اسے کس طرح چھوڑ سکتا تھا۔

جانے وہ مردود عمارت کے کونسے خفیہ گوشے میں چھپ چکا تھا۔ مجھ پر ناکامی کے احساس تلے شدید جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی [illegible] نے آؤ دیکھا نہ [illegible] باقی تین بچے ہوئے ہینڈ گرنیڈ مختلف کمروں میں اچھال دیئے۔ پے در پے تین زبردست دھماکے ہوئے...... تو...... اگلے ہی لمحے...... مجھے خوفناک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور پوری عمارت مجھے لرزتی ہوئی محسوس ہونے لگی مجھے یوں لگا جیسے...... عنقریب یہ عمارت جہنم میں بدلنے والی ہو۔ میرے ذہن میں فوراً ایک خطرناک خیال ابھرا...... ''کہیں ایمونیشن میں آگ نہ بھڑک اٹھی ہو...... یہ لرزہ خیز خیال آتے ہی میں باہر کو دوڑا۔

عمارت سے میں جیسے ہی باہر نکلا تو...... مجھ پر ایک بھاری بھرکم سایہ ٹوٹ پڑا...... اس نے...... سب سے پہلے میری گن کو لات رسید کی...... جو میرے ہاتھوں سے نکل کر دور تاریکی میں جا پڑی...... ہم دونوں عمارت کے باہر ہی گتھم گتھا ہو گئے۔

جلد ہی میں نے...... کرنل بھٹناگر کو پہچان لیا...... ہاں...... یہی میرا آخری ٹارگٹ تھا جو مجھ سے نبرد آزما تھا۔

ہم دونوں نہتے ہی ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ ادھر عمارت کے اندر...... پے در پے دھماکے گونجنے لگے۔

''بے وقوف...... اندر ایمونیشن نے آگ پکڑ لی ہے...... بھاگو...... ورنہ...... ہم دونوں نہیں بچیں گے......''

کرنل پریم بھٹناگر نے جب بیل منڈھے چڑھتے نہیں دیکھی تو ہانپتی ہوئی آواز میں مجھ سے چلا کر کہا...... اس کے بعد اس نے ساحل کی طرف دوڑ لگا دی...... میں اس کے تعاقب میں لپکا...... ہمارے عقب میں ہیڈ کوارٹر کی عمارت جہنم زار بننے لگی تھی...... دشمن راہ فرار اختیار کر رہا تھا مگر مجھے تسلی تھی کہ...... وہ بھلا اس جزیرے سے کس

طرح نکل سکتا ہے......؟ جس سمت کرنل بھٹناگر مجھ سے جان بچا کر دوڑے جا رہا تھا...... غالباً اس سمت ساحل قریب پڑتا تھا...... وہ کم بخت دوڑنے میں مجھ سے تیز تھا...... یا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں پہلے ہی تھکان کے مارے شل ہو رہا تھا اور زخمی بھی تھا۔

بہر طور میں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا...... گرتا پڑتا اس کے تعاقب میں دوڑتا رہا۔ حتیٰ کہ ہم ساحل کے قریب پہنچ گئے۔

جب میں ساحل کے ذرا نزدیک پہنچا تو...... میرا دماغ بھک سے اڑ گیا...... میرا چہرہ ناکامی کے احساس تلے دھواں دھواں ہونے لگا۔ کرنل بھٹناگر کو میں نے ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ پر سوار ہوتے دیکھا...... وہ موٹر بوٹ کی رسی کھول کر اسے گہرے پانی میں کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا...... یہ ایک تیز رفتار موٹر بوٹ تھی۔ وہ اس میں سوار ہو چکا تھا اور میں سناٹے کے عالم میں ایک ثانئے کے لئے کھڑا رہا پھر...... جنونیوں کے سے انداز میں دوڑا...... ادھر اس نے موٹر بوٹ سٹارٹ کی ادھر میں بھی سر پر پہنچ گیا مگر ہائی سپیڈ موٹر نے تھروٹل کھینچتے ہی تیزی سے موشن پک اپ کیا تھا اور جب تک میں اس پر سوار ہونے کی کوشش کرتا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ...... میری دسترس سے نکل چکی تھی۔

میں اپنے اہم ترین اور خطرناک دشمن کو اتنی آسانی سے ہاتھوں سے نکلتے دیکھ کر دم بخود ہو گیا...... تب اچانک مجھے ریت پر ایک رسی تیزی کے ساتھ حرکت کرتی دکھائی دی...... میں بری طرح ٹھٹک گیا اور ایک پل کے ہزارویں حصے میں بہ سرعت رسی کے باقی ماندہ گچھے کے ساتھ لپٹ گیا۔

یہ رسا لنگر کا تھا جو اس ہائی سپیڈ موٹر بوٹ کے ساتھ ہی تھا۔ میرے جسم کو ایک طوفانی جھٹکا لگا...... مگر میں نے تو جان اپنی ہتھیلی پر رکھ دی تھی۔ میں نے اس کی پروانہ کی...... پھر اگلے ہی لمحے...... میں گہرے پانیوں میں تیزی کے ساتھ رسی سے لپٹا پانی کو چیرے جا رہا تھا...... میری سماعتوں میں شراٹے چھوٹ رہے تھے...... رفتار بہت تیز تھی...... مجھے اپنا توازن قائم کرنے میں بھی دشواری پیش آ رہی تھی۔ مگر میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ رسی کو پکڑ رکھا تھا۔

مجھ سے جان بچا کر راہ فرار اختیار کرتے ہوئے...... کرنل پریم بھٹناگر کو ابھی تک معلوم نہ تھا کہ...... اس کی موٹر بوٹ کی رسی سے میری صورت میں اس کی موت

چپکی ہوئی تھی...... ورنہ وہ رسی کاٹ دیتا یا جدا کر دیتا...... وہ بہت بدحواس تھا...... چنانچہ اس سے پہلے کہ اسے میرے بارے میں معلوم ہوتا...... میں نے رسی کے سہارے بڑھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا...... شراٹے دار پانی کا دباؤ ہی اس قدر تھا کہ مجھ سے ایک انچ بھی رسی کے سہارے آگے نہیں بڑھا جا رہا تھا بلکہ میرے لئے خود کو اس کے سہارے جمائے رکھنا بھی دشوار ہی ثابت ہو رہا تھا...... میرے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی شل ہو رہی تھیں اور اس پر مستزاد...... میرا ایک بازو بھی گولی لگنے کی وجہ سے زخمی ہو چکا تھا...... اور وہ درد کرنے لگا تھا۔ جلد ہی مجھے محسوس ہوا کہ...... رسی میرے ہاتھوں سے چھوٹنے والی ہے...... میرے لئے یہ بہت مشکل اور دشوار گزار صورتحال ثابت ہو رہی تھی۔ اب کوئی لمحہ جاتا تھا کہ...... رسی میرے ہاتھوں سے چھوٹنے کو تھی کہ اچانک تقدیر نے میرے ساتھ پھر یاوری کی۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ...... بوٹ کی رفتار بتدریج کم ہونے لگی تھی...... حتیٰ کہ وہ رک گئی...... میرا روم روم...... مسرت سے سرشار ہو گیا۔

اب حد نگاہ سمندر تھا...... میں نے بوٹ کی طرف دیکھا...... کرنل بھٹناگر جھلاہٹ کے مارے بار بار تھروٹل کھینچے جا رہا تھا...... مگر بوٹ کا انجن کھانس کر خاموش ہو جاتا تھا۔ شاید تیل ختم تھا میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ...... شپاشپ بوٹ کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔

اچانک کرنل بھٹناگر کی نظر مجھ پر پڑی۔ بوٹ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر تھی۔ وہ شاید مجھے پہچان گیا تھا اور غیر یقینی نظروں سے دم بخود کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھے جا رہا تھا...... اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کوئی ہوا تھا یا چھلاوا...... جو یوں...... اس کے سر پہ پہنچ چکا تھا...... پھر اچانک اس کی نگاہ شاید بوٹ کی دم سے منسلک رسی پر پڑی اور پھر جیسے اسے ایک جھٹکا لگا۔ جانے کہاں سے اس کے پاس پستول قبضے میں پہلے ہی سے آ چکا تھا کہ اس نے پھرتی سے وہ نکال کر مجھ پر فائر کر دیا...... میں نے پھرتی سے پانی کے اندر غوطہ لگا لیا...... ذرا گہرائی تک پانی میں اتر گیا...... مجھے اندر سے موٹر بوٹ کا پیندا نظر آ رہا تھا...... میں بوٹ کے ذرا قریب پہنچ کر دوسری طرف ابھرا تو اس مردود کو بھی جانے کس طرح پتہ چل گیا۔ اس نے پلٹ کر...... مجھ پر یکے بعد دیگرے گولیاں چلا دیں...... ایک گولی میرے دائیں شانے میں پیوست

ہوگئی۔ میرے حلق سے اذیت کے مارے کراہ آمیز چیخ خارج ہوگئی...... میں دوبارہ
بوٹ کے نیچے چلا گیا...... پھر دوسرے سرے پر ابھرا...... وہ پاگل جنونیوں کی طرح بوٹ
کے چاروں سروں کی طرف چکر لگا تھا...... مجھ پر نظر پڑتے ہی دوبارہ اس نے گولیاں
برسائیں اور میں پھرتی سے نیچے چلا گیا میرے شانے سے خون رسنے لگا تھا اور میرے
بائیں بازو کا زخم بھی کھل گیا تھا۔

مجھے اب تشویش ہونے لگی ...... میں پھر پانی میں غوطہ لگا گیا...... اور دوسری
سمت ابھرا تو اچانک میں نے دیکھا کہ...... تین چار خونخوار مچھلیاں میری طرف غار جیسے
دہانے کھولے بڑھنے لگیں۔ میں لرز اٹھا۔

اب دونوں طرف موت تھی۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور زخمی ہونے کے باوجود
پھرتی کے ساتھ موٹر بوٹ کا کنارہ تھام کر اوپر چڑھنے لگا تو...... کرنل بھٹناگر کے ہونٹوں
پر مکروہ مسکراہٹ رقصاں ہوگئی...... غالباً اس نے بھی پانی کی سطح پر ابھرتی ہوئی مچھلیوں کو
دیکھ لیا تھا...... وہ گویا میری قابل رحم حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

''آؤ...... آؤ...... عمران ...... ! آؤ......' اب میں بڑے آرام سے تمہارے
سینے میں گولی اتار دوں گا۔'' وہ مجھے بوٹ پر چڑھنے کا موقع فراہم کرتے ہوئے نفرت
آلود لہجے میں دانت پیس کر بولا۔

''دیکھو...... اس وقت تم بھی خطرے میں ہو......'' میں نے چالاکی سے اور
ہانپتی ہوئی آواز میں اس سے کہا۔ ''ہم دونوں Compromise کر لیتے ہیں......
اور اس گہرے سمندر سے نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں......'' میری بات پر وہ سفاکانہ
مسکراہٹ سے بولا۔ اس کے ریوالور کی خوفناک نال مجھ پر اٹھی ہوئی تھی۔

''کیا Compormise ...... کیپٹن عمران......؟ بوٹ کا ایندھن ختم ہو چکا
ہے...... کیا تم اس کے ٹینک میں اپنا خون ڈالو گے...... ہا...... ہا...... ہا......'' اس نے فتح
کے نشے میں چور ہو کر ایک قہقہہ لگایا اور میرے سینے کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔

''ٹرچ'' کی آواز پر بے اختیار میرے حلق سے طمانیت بھری سانس خارج ہو
گئی...... کرنل بھٹناگر کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا...... اس نے جھلاہٹ میں آ کر خالی

پستول مجھ پر دے مارا...... میں پھرتی سے ایک طرف ہوگیا...... تو پھر وہ ہذیانی انداز میں
غراتا ہوا مجھ پر جھپٹا...... میں زخمی تھا...... مگر میرا جذبہ ایمان مضبوط تھا۔

وہ جیسے ہی میرے قریب آیا...... میں نے ایک زوردار لات اس کے پیٹ پر
رسید کر دی۔ وہ منحنی سا مگر دراز قد تھا...... میری لات اس کے پیٹ پر جمتے ہی وہ دور جا
گرا۔ میں دانت پیستا ہوا اس کی طرف بڑھا...... اور اس کی گردن اپنی زخمی بازوؤں کے
شکنجے میں کس لی۔

''کتے...... تو نے ہی میرے ملک کے خلاف ناپاک سازش کی تھی...... اب
مرنے کیلئے تیار ہو جا......'' یہ کہتے ہی میں نے چاہا کہ مخصوص جھٹکا دے کر اس کی گردن
توڑ ڈالوں...... مگر اس خبیث نے جانے کس طرح...... میرے زخمی شانے پر اپنا گھونسہ
رسید کر دیا۔ میرے وجود میں اذیت کی لہر سرایت کرتی چلی گئی...... بازو کا شکنجہ ڈھیلا
پڑتے ہی وہ مردود بلا کی پھرتی سے...... مجھے دھکیل کر...... پرے ہوگیا......

میں زخمی تھا اور وہ صحت مند مگر میرا دل...... جذبہ حب الوطنی اور ایمان سے
منور تھا۔ میں اس مردود اور وطن دشمن گیدڑ سے مرتے دم تک مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

میں جیسے ہی اس کی طرف بڑھا...... اس بدبخت نے جانے کدھر سے ایک
لوہے کا سریا اٹھا لیا۔ فولادی سیخ ہاتھ میں آتے ہی...... اس کی آنکھوں کی سفاکی میں بھی
اضافہ ہوگیا۔ میں بالکل خائف نہ ہوا البتہ محتاط ہوگیا تھا۔ اس نے...... فولادی سیخ سے
مجھ پر وار کیا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ جھکائی دی۔ وہ اپنے ہی زور میں گھوم گیا تو میں
نے پوری قوت کے ساتھ زوردار فلائنگ کک اس کی پشت پر جڑ دی۔ وہ اچھل کر پانی
میں جا گرا۔

آدم خور مچھلیوں نے شکار کی بو محسوس کرتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔

''مم...... مجھے بچا لو...... مم...... مجھے بچا لو...... عمران...... مم...... میں...... تم
سے Compromise......'' ابھی اس نے...... اتنی ہی داد فریاد کی تھی کہ...... خونخوار
مچھلیاں اس پر بیک وقت ٹوٹ پڑیں اور پھر اسے تہ آب لے گئیں۔

دشمن غرقاب ہوگیا تھا...... میرے ملک کا آخری دشمن ختم ہو چکا تھا۔ میں اپنا

مشن پورا کر چکا تھا۔

مگر...... اب مجھے اپنے وطن کا رخ کرنا تھا۔ میں نے سب سے پہلے...... کیبن میں جا کر......فرسٹ ایڈ باکس تلاش کیا پھر...... اپنے زخموں پر مرہم پٹی کرنے لگا۔ گولی...... ہنوز میرے شانے میں پیوست تھی۔ جو ظاہر ہے اب آپریشن کے بغیر نہیں نکالی جا سکتی تھی۔

بہرطور...... رستے ہوئے زخموں پر مرہم پٹی کرنے سے کافی حد تک آرام مل چکا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد...... میں موٹر بوٹ کا جائزہ لینے لگا...... اس کے سپیڈ میٹر کے قریب فیول بتانے والی سوئی ''E'' پر جھک چکی تھی۔

مجھے اب اپنی زندگی کی پروانہ تھی۔ مر بھی جاتا تو میری روح مطمئن رہتی کیوں کہ...... میں اپنے اہم مشن میں کامیاب ہو چکا تھا...... لیکن پھر ایکا ایکی...... میری آنکھوں کے سامنے...... صبا...... کا پھلرواسا چہرہ گردش کرنے لگا۔

مجھے یوں لگا جیسے...... وہ مجبور لہجے میں کہہ رہی ہو۔

''عمران...... میں تمہاری منتظر ہوں...... میری محبت...... میری دعائیں تمہیں ضرور...... کامیابی سے ہمکنار کرنے کے بعد میرے پاس کھینچ لائیں گی۔''

سندر وسجل صبا کی یاد دل میں آتے ہی میرے اندر...... بے اختیار اپنے وطن...... پہنچنے کی خواہش بڑی شدت کے ساتھ ابھری۔

تب میں نے تہیہ کیا کہ...... چاہے کچھ بھی ہو جائے اپنے وطن...... بہ خیر و عافیت پہنچ کر ہی رہوں گا...... ابھی میرے پاک وطن کو میرے جیسے...... جاں فروش مجاہد کی ضرورت ہے۔

موٹر بوٹ میں...... ہنگامی صورتحال کے پیش نظر...... چپوؤں کا بھی بندوبست کیا گیا تھا...... میں بہ دقت تمام...... چپوؤں کے سہارے موٹر بوٹ...... جو اب صرف ''کشتی'' بن کر رہ گئی تھی' کھینے کی کوشش کرنے لگا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ...... اچانک میں ایک بگل کی آواز پر چونکا۔ آواز میرے عقب سے ابھری تھی...... میں نے مڑ کر دیکھا تو ٹھٹک گیا...... سامنے ایک

بڑی سی کوسٹ لانچ تھی...... جس پر انڈین کوسٹ گارڈ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ انجانے خدشے کے تحت میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا...... مگر پھر...... میں نے خود کو سنبھال لیا۔ مجھے......کوسٹ لانچ میں اتارا گیا۔

عرشے پر تقریباً بارہ تیرہ...... نیول وردیوں میں ملبوس انڈین کوسٹ گارڈز کے اہلکار نیم دائرے کی صورت میں کھڑے تھے۔ ان میں ایک افسر رینک کا...... شخص بھی کھڑا تھا...... وہ لوگ سب مجھے اشتباہ انگیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

میں نے اپنے چہرے پر ایکا ایکی عام لوگوں جیسی مسکینیت طاری کر لی۔

''کون ہو تم......؟'' آفیسر نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔

''وہ جی...... مم...... مچھلیاں پکڑتا ہوں...... اودھر...... کھمبات کے ساحل میں بستی ہے...... وہاں رہتا ہوں......'' میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''یہاں گہرے پانیوں میں کیا کرنے نکلے تھے......؟'' دوبارہ پوچھا گیا۔

''وہ جی!...... زیادہ مچھلیاں پکڑنے کے لالچ میں آگے نکل آیا تھا...... اسی لئے راستہ بھول گیا...... مگر...... سر جی...... مم...... مجھے اس لالچ کی سزا بھی مل گئی......

میں اتنا کہہ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

''اس کی تلاشی لو......''

میری تلاشی لی گئی۔

''میری جی...... لانچ بے توازن ہو کر ڈوب گئی...... پھر یہ خالی موٹر بوٹ نظر آ گئی...... میں اس کے سہارے یہاں تک آ گیا۔''

''کس ٹھیکے دار کے نیچے کام کرتے ہو......؟'' آفیسر نے آخری سوال کیا......

تو میں نے فوراً...... بگو رام اور منشی دولت رام کا نام بتا دیا...... آفیسر کے چہرے سے اب بیزاری جھلکنے لگی۔ انہوں نے مجھے بے ضرر سا جان کر...... دوبارہ موٹر بوٹ پر اتار دیا اور تنبیہ کی...... کہ فلاں سمندری حدود سے ذرا آگے...... پاکستانی حدود شروع ہو جاتی ہے...... اس لئے میں ادھر کا رخ نہ کروں...... مجھے...... ایندھن بھی فراہم کر دیا گیا۔

ان لوگوں نے میری دونوں طرح سے رہنمائی کر دی۔

ان کی لانچ جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہوئی...... میں نے ممنوعہ سمندری حدود کا رخ کیا۔ حد پار کرتے ہی مجھے...... پاکستانی کوسٹ اینڈ کسٹم گارڈز والوں نے دھر لیا۔

میں نے انہیں بھی یہی بتایا کہ... ایک مچھیرا ہوں...... بھٹک کر یہاں تک آ گیا تھا وغیرہ...... ہاں البتہ میں نے اپنا تعلق...... پاکستان سے ہی بتایا تھا۔

مجھے جب مزید زیر تفتیش لایا گیا تو میں نے بالآخر......سیٹھ اصغر کی بیٹی...... صبا......کا فون نمبر دے دیا۔

صبا تو جیسے خوشی سے گنگ ہوگئی...... یوں میری ٹیلی فونک ضمانت ہوئی...... پھر...... صبا خود لاہور سے کراچی بائی ایئر مجھے لینے بھی آئی۔ اب ہم دونوں خوش آئند مستقبل کے خواب بن رہے تھے......اور مہجور دلوں میں امید کی نئی اور نوذمیدہ کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔

(ختم شد)